اسلام

اور

حریت و مساوات

پر

تحریری مباحثہ جو اخبار الفضل قادیان اور روزنامہ وکیل امرتسر میں

مابین

میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب قادیانی

اور

خواجہ محمد عباد اللہ اختر صاحب بی اے امرتسری

شائع ہوتا رہا

اس کو شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور

نے

باہتمام شیخ گلزار محمد

مطبع گلزار ہند سٹیم پریس لاہور میں طبع کرایا

اسلام
اور
حریت و مساوات

مسائل حاضرہ کے متعلق چند سوالات
اور
جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب قادیان کے جوابات

(منقول از اخبار الفضل قادیان)

کوہ مری سے ایک گریجوایٹ صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ کی خدمت میں چند سوالات لکھ کر بھیجے۔ جن کے حسب ذیل جواب حضور نے لکھوائے۔ (خاکسار محمد اسماعیل مولوی فاضل)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم۔

مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ نے جو سوالات تحریر فرمائے ہیں۔ ان کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

سلسلہ احمدیہ کی غرض

سوال ۔ (۱) کیا سلسلہ احمدیہ کی وجہ ماموریت اشاعت اسلام ہے۔

جواب ۔ سلسلہ احمدیہ کی غرض مسلمان کہلانے والوں کو مسلمان بنانا ہے چونکہ ہر مسلم کا فرض ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق اشاعت کا کام کرے۔ اس لئے ہر احمدی کا فرض اشاعت اسلام بھی ہو جائیگا۔

اشاعت اسلام اور اسلام کے بنیادی اصول

سوال ۲ - کیا اشاعت اسلام کے اندر ان تمام اصول کی اشاعت نہیں آتی - جو اسلام کے بنیادی اصول کہلاتے ہیں ؟

جواب - اشاعت اسلام کے اندر ان تمام اصول کی اشاعت آجاتی ہے - جو اسلام کے بنیادی اصول ہیں - مگر ان اصول کی اشاعت اس میں نہیں آتی - جو اصول اسلام کہلاتے ہیں - جیسا کہ آپ نے تحریر کیا ہے -

اسلام کے بنیادی اصول

سوال ۳ - کیا توحید و رسالت کے علاوہ اسلام کے کوئی اور اصول بھی ہیں ؟

جواب - اسلام کے بنیادی اصول دو قسم کے ہیں - ایک عقائد کے متعلق دوسرے اعمال کے متعلق عقائد کے متعلق یہ اصول ہیں - خدا کو ایک ماننا - اس کے تمام رسولوں پر ایمان لانا - قضا و قدر پر ایمان لانا - ملائکہ پر ایمان لانا - خدا تعالے کی طرف سے نازل ہونے والی اور ان تمام وحیوں پر ایمان لانا جو اس کے انبیاء پر نازل ہوتی رہی ہیں - بعث بعد الموت پر ایمان لانا اعمال میں سے نماز - روزہ - حج - زکوۃ - اوامر کے بنیادی اصول ہیں - اور قتل نہ کرنا - چوری نہ کرنا - زنا نہ کرنا - خیانت نہ کرنا نواہی کے -
اور اگر شرک کو اعمال میں داخل کیا جاوے - تو اول درجہ میں شرک بھی اعمال منہیہ میں داخل ہوگا -

حریت اور مساوات

سوال ۴ - کیا حریت اور مساوات کے زریں اصول اسلام کے بنیادی اصول نہیں ہیں - اور کیا یہ ہر دو اصول اشاعت اسلام کے زمرہ میں داخل ہیں - یا نہیں ؟

جواب - حریت اور مساوات اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے نہیں ہیں - خود یہ الفاظ ایسے مبہم ہیں - کہ اپنی بعض تعریفوں کے لحاظ سے اچھے اخلاق بھی نہیں کہلا سکتے - اس لئے حریت اور مساوات کی جب تک تعریف نہ کی جائے - اس وقت تک نہیں کہا جا سکتا - کہ اسلام انہیں جائز بھی قرار دیتا ہے - یا نہیں ! مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے ذہن میں ان کی تعریف کیا ہے ؟

ہو سکتا ہے۔ کہ کسی تعریف کے ماتحت ان دونو امور کا خیال رکھنا ایک مسلم کے لئے ضروری ہو۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ ایک دوسری تعریف کے مطابق صرف جائز ہو۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ ایک تیسری تعریف کے مطابق ناجائز ہو۔

شریعت میں مساوات کی تو کوئی اصطلاح ہی نہیں۔ حُر کی ایک اصطلاح ہے۔ جس کے یہ معنے قرآن اور حدیث کی رو سے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ جو شخص ان افعال میں جو افراد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ حکومت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے۔ مختار ہو۔ وہ اپنے مال کا خود مالک ہو۔ افراد رعایا میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہو۔ کہ اس کے کمائے ہوئے مال پر بلا اس کی اجازت یا بلا اس سے خرید و فروخت کئے قبضہ کرلے۔

اسلام میں حرّیت و مساوات | **سوال ۵** ۔ کیا اسلام حرّیت و مساوات کا علم بردار ہونے کا مدعی ہے۔ یا نہیں؟

اس سوال کا جواب چوتھے سوال کے نیچے آجاتا ہے۔

نبی کریم کے خلفاء کا مشن | **سوال ۶** ۔ کیا نبی کریم صلعم کے خلفاء علیہم السلام کا یہ مشن نہیں۔ کہ وہ دنیا میں حرّیت و مساوات کے قایم کرانے کیلئے ہر طرح کی ممکن جدوجہد کریں؟

جواب ۔ اگر حریت و مساوات کی کوئی ایسی تعریف ہے۔ جو اسلام کے احکام کے نیچے آتی ہے۔ اور جو کسی اور اسلامی حکم کے مخالف نہیں پڑتی۔ تو پھر اس کی تلقین کرنا خلفاء اسلام کا فرض ہے۔ مگر یہ بھی ان کا فرض ہے۔ کہ جو بڑے کام ہوں۔ ان کی طرف زیادہ توجہ کریں۔ اور جو چھوٹے ہوں۔ ان کی طرف کم۔

امام وقت کا فرض | **سوال ۷** ۔ کیا امام وقت کا یہ فرض نہیں۔ کہ دنیا کی چھوٹی چھوٹی قوموں کو ظالموں کی دستبرد سے بچانے کے لئے آئینی طور پر جد وجہد کرے۔ اور انہیں آزادی اور شہری حقوق دلانے میں کوشاں ہو۔

جواب ۔ امام وقت کا یہ فرض ہے۔ کہ دنیا کی چھوٹی اور بڑی۔ زبردست اور

کمزور تمام قوموں کو نہ کہ صرف چھوٹی قوم کو ہی ظالموں کی دستبرد سے بچانے کے لئے بہترین ذرائعہ کو استعمال میں لادے - اور بہترین ذریعہ یہی ہے - کہ انہیں سچے مذہب کی طرف بلائے - اس کے بعد نہ ظالم ظلم پر رہسکتا ہے نہ مظلوم مظلوم رہسکتا ہے -

یوریپین حکومتیں اور چھوٹی قومیں

سوال ۸ - کیا آج یورپ کی دو ایک ظالم و جابر حکومتیں استبدادانہ طور پر چھوٹی چھوٹی آزاد قوموں کی آزادی نہیں چھین رہی ہیں - کیا وہ ملک گیری کی ہوس میں ان کو بالکل نگل نہیں چکی ہیں۔

جواب - بے شک یورپ کی بعض طاقتوں نے دوسرے ممالک پر قبضہ کیا ہوا ہے - مگر کیا آپ کو معلوم ہے - کہ ہمارے آباء مسلمان کہلانے والے ہندوستان میں کس طرح آئے تھے - اگر ان کا ہندوستان پر قبضہ کر لینا جائز تھا - تو آج انگریزوں کا اس پر قبضہ کیوں ناجائز ہو گیا - کیا ہندو خود انہیں بلانے گئے تھے - پس کسی غیر ملک پر مجبر و قبضہ کر لینا برا نہیں کہلا سکتا - اسے برا قرار دینے کی کچھ شرائط لگانی پڑینگی - جب تک وہ شرائط مجھے معلوم نہ ہوں - میں پورا جواب نہیں دے سکتا -

عیسائی حکومتوں کا منشاء

سوال ۹ - کیا ان عیسائی حکومتوں کا منشاء حقیقی یہ نہیں ہے کہ مسلمان حکومتوں کو تباہ کر کے اون کی جگہ عیسائی حکومتیں قائم کر لی جائیں -

جواب - دل کا حال تو اللہ تعالےٰ جانتا ہے - مگر موجودہ عیسائی حکومتیں کسی کو زبردستی عیسائی نہیں بناتیں - اور اگر آپ کا یہ منشاء ہے - کہ مسلمان حکومتوں کی جگہ ایسی حکومتیں قائم ہو رہی ہیں - جو عیسائی ہیں - گو وہ دوسروں کو عیسائی نہ بناویں - تو یہ بات تو ظاہر ہی ہے - اس کے پوچھنے کی کوئی وجہ مجھے معلوم نہیں ہوتی -

خلیفہ وقت کی غیرت کا تقاضا

سوال ۱۰ - کیا آپ کا دعوےٰ امام وقت ہونے کا نہیں ہے ؟ اگر ہے - تو کیا آپ کی غیرت کا یہی تقاضا ہے - کہ آپ یہ سب مظالم اپنی آنکھوں کے سامنے ہوتے دیکھیں - اور ٹس سے مس نہ ہوں -

جواب ۔ بے شک میرا دعوٰے خلیفہ وقت ہونے کے لحاظ سے امام وقت ہونے کا بھی ہے اور نفس الواقعہ میری غیرت اس بات کا تقاضا نہیں کرتی۔ کہ میں ان سب مظالم کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھوں۔ جو لوگ کر رہے ہیں۔ اور ان کے مٹانے کی کوئی کوشش نہ کروں۔ مگر میں صرف انہی مظالم کو ناپسند نہیں کرتا۔ جو عیسائی ہندوؤں یا مسلمانوں پر کریں۔ بلکہ ان مظالم کو بھی ناپسند کرتا ہوں۔ جو ہندو مسلمانوں پر یا مسلمان ہندوؤں پر یا دونو عیسائیوں پر کریں۔ یا خود مسلمان ایسے افعال کا ارتکاب جو موجب فساد ہوں۔ اپنے بھائیوں پر کریں۔

اشاعت اسلام کیا ہے

سوال ۱۱۔ کیا اشاعت اسلام صرف اسی کا نام ہے کہ ایک سال میں دو چار مسلمان بنا لئے۔ کیا اشاعت اسلام صرف THEOROTICAL ہے PRACTICAL نہیں؟

جواب۔ اشاعت اسلام صرف اسی کا نام نہیں۔ کہ سال میں دو چار مسلمان بنا لئے جائیں بلکہ اس کا نام بھی نہیں۔ کہ دو چار چھوڑ ایک کو ہی مسلمان بنایا جائے۔ بلکہ اشاعت اسلام نام ہے اپنے عقائد کو دوسروں تک پہنچا دینے کا۔ خواہ ایک آدمی بھی انہیں نہ مانے۔ منوانا یا نہ منوانا اس کا کام ہے۔ جو قلوب پر تصرف رکھتا ہے۔ اور ماننا یا نہ ماننا اس کا کام ہے۔ جس کے سامنے ہم بات پیش کرتے ہیں۔ ہمارا کام صرف اتنا ہی ہے۔ اور ہمارے آقا و رہنما آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا بھی صرف اتنا ہی کام تھا۔ کہ حق بات لوگوں تک بطریق احسن پہنچا دیں۔ لوگوں کو منوانا ہمارا کام نہیں۔

اگر ہم حق لوگوں کو پہنچا دیتے ہیں۔ اور ہماری بات کو سنکر لاکھوں آدمی اسے قبول کرتے ہیں۔ یا ایک بھی اسے قبول نہیں کرتا۔ تو اس کا ہم پر نہ کوئی الزام آتا ہے۔ نہ تعریف ہوتی ہے۔

Practical اور Theorotical جو الفاظ آپ نے استعمال کئے ہیں۔ اگر ان سے آپ کی یہ مراد ہے۔ کہ اسلام صرف عقائد کا نام ہے۔ یا اعمال بھی اس

کے اندر شامل ہیں، تب تو اسلام Practical مذہب ہے۔ اور نہ یہ کہ وہ عمل میں آسکتا ہے۔ بلکہ عمل کے بغیر اس کی حقیقت ہی ظاہر نہیں ہوتی۔ اور اگر آپ کی یہ یہ مراد ہے۔ کہ وہ اپنے عقائد کو جبریہ بھی منواتا ہے۔ یا نہیں، تب تو بے شک اسلام Practical مذہب نہیں ہے۔

ہندوستان میں انگریزوں کے مقابلہ میں ہندوستانی

سوال ۱۲۔ کیا آپ کے خیال میں ہندوستان میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان مساوات قائم ہے؟

جواب۔ میرے نزدیک ہندوستان میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کے درمیان مساوات قائم نہیں۔ بلکہ میرے نزدیک تو انگریزوں انگریزوں کے درمیان بھی مساوات قائم نہیں۔ اور نہ ہی ہندوستانیوں ہندوستانیوں کے درمیان مساوات قائم ہے۔ آپ کا کھانا پکانے والے، آپ کے کپڑے دھونے والے، آپ کا مکان صاف کرنے والے اور آپ میں فرق ہے۔

پھر کونسی حکومت دنیا میں گذری ہے۔ جس نے غیر لوگوں کو مساوات دی ہو۔ اکبر یا جہانگیر کے زمانہ کے ایک دو مدبروں یا ایک دو جرنیلوں کی مثال دیکر کیا آپ مساوات ثابت کرسکتے ہیں۔ یہ بھی تو بتائیں۔ کہ اس وقت مسلمان ہندوستان میں کتنے تھے۔ اور ہندو کتنے؟ چند لاکھ مسلمانوں اور اسی کروڑ ہندوؤں میں سے بڑے عہدوں پر کتنے ہندو اور کتنے مسلمان مقرر تھے۔ یقیناً وہ نسبت نہیں تھی۔ جو اب کونسلوں میں انگریزوں اور ہندوستانیوں میں ہے۔ ہم بھی ہندوستان کے لئے حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں۔ مگر ہمارے مطالبہ کی بنیاد ہی اور اصول پر ہے۔

انگریزوں کا سلوک ہندوستانیوں سے

سوال ۱۳۔ کیا یہ امر واقعہ نہیں۔ کہ انگریز لوگ جو ہندوستان میں آباد ہیں۔ ہندوستانیوں کے ساتھ کس قدر برا سلوک کرتے ہیں۔ اور ان پر کس قدر ظلم ڈھاتے ہیں۔ اور ان بے چاروں کا

کوئی پرساں حال نہیں ہوتا؟ کیا ہر روز ریل گاڑیوں میں، بازاروں میں اسٹیشن کے پلیٹ فارم پر گویا ہر جگہ اور ہر وقت معزز ہندوستانیوں کی تذلیل، حکومت کے نشہ میں سرشار لیکن کم حیثیت انگریز لوگ نہیں کرتے۔

جواب۔ انگریز جو ہندوستان میں آباد ہیں۔ ان میں سے بعض بے شک ہندوستانیوں سے برا سلوک کرتے ہیں۔ جس طرح بعض ہندوستانی بعض ہندوستانیوں سے برا سلوک کرتے ہیں۔ جس طرح ظالم ہندوستانیوں کے ظلم دور کرنے کی کوشش کی جاتی ہے بعینہ اسی طرح ظالم انگریزوں کے ظلم کے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئیے۔

آپ کا یہ سوال میری سمجھ میں نہیں آیا کہ کم حیثیت انگریز معزز ہندوستانیوں کی تذلیل کرتے ہیں۔ آپ تو مساوات کے قائل تھے۔ یہ کم حیثیت اور معزز کہاں سے آگئے۔

انگریزوں کے مقابلہ میں ہندوستانیوں کی حالت عدالتوں میں

سوال ۱۴۔ کیا عدالتوں میں ہندوستانیوں کی انگریزوں کے مقابلہ میں کبھی شنوائی ہوئی ہے؟

جواب۔ سارے مقدمات کی مثلیں تو میرے پاس نہیں۔ مگر بالعموم ہندوستانیوں کو فوجداری معاملات میں اپنے حقوق نہیں ملتے۔ اور اس معاملہ کے متعلق اب تک کوئی معقول عذر نہیں پیش کیا گیا۔ لیکن اس میں بہت سا حصہ خود ہندوستانی مجسٹریٹوں کا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ انگریزوں کے چلے جانے پر میجارٹی جس قوم کی ہوگی۔ کیا اس کے مقابلہ میں ہمیں حقوق مل جائیں گے۔ اگر اس بات کی تسلی ہو جاوے۔ تو پھر یہ دلیل کچھ وقعت رکھ سکتی ہے۔

جلیاں والہ باغ کا واقعہ

سوال ۱۵۔ کیا جلیانوالہ باغ کا واقعہ فاجعہ اور ایسے ہی کئی ایک اور واقعات مساوات کا ثبوت دیتے ہیں؟

جواب۔ جلیانوالہ باغ کا واقعہ بے شک نہایت ہی ظالمانہ واقعہ ہے۔ میرے نزدیک جنرل ڈائر کا فعل قریباً اتنا ہی انسانیت سے بعید ہے۔ جتنا کہ کٹارپور اور بہار کے قاتلوں کا۔ لیکن اگر کٹارپور اور بہار میں مسلمان عورتوں اور بچوں کو

زندہ جلا دینے والے لوگوں کو ہم معاف کر سکتے ہیں۔ تو جنرل ڈائر کو کیوں نہیں معاف کر سکتے۔ مساوات کے طریق کو یہاں پر کیوں نہ مدنظر رکھا جائے؟

ناگوار واقعات سے گورنمنٹ کو متنبہ کرنا

سوال ۱۶۔ کیا آپ کا نہ صرف بہ حیثیت ایک شہری ہونے کے بلکہ امام اولی الامر ہونے کی حیثیت سے یہ فرض نہیں ہے۔ کہ آپ ان روزمرہ کے ناگوار واقعات کے اہم نتائج سے گورنمنٹ کو متنبہ کریں۔ اور اگر حکومت نہ مانے۔ تو عملی صورت میں اس کے خلاف آئینی طریق پر غم و غصہ کا اظہار کریں۔

جواب۔ بہ حیثیت ایک شہری ہونے کے اور امام ہونے کے میرا فرض ہے۔ کہ میں لوگوں کو ظلموں کی خرابی سے متنبہ کروں۔ مگر میرا یہ کام نہیں۔ کہ ہر ایک واقعہ جو دنیا میں ہو۔ اس کے متعلق تحقیقات کروں۔ کہ آیا وہ ظالمانہ تھا۔ یا منصفانہ۔ یہ کام کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ یہ صرف خدا تعالےٰ کا کام ہے۔

انگریزوں کی غلطیاں ہم ان سے چھپاتے نہیں۔ بلکہ ان پر ظاہر کرتے رہتے ہیں۔ ہم آئینی طور پر ہر ایک ظلم کا مقابلہ کرتے ہیں۔ ظلم اخلاق کی خرابی کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اور ہم اخلاق کی درستی کی کوشش کرتے ہیں۔

سوال ۱۷۔ کیا ایک ظالم و جابر حکومت کو اس کے تشدد آمیز افعال سے آگاہ کرنا اور اس کے دل میں اس کا احساس پیدا کرنا آپ کا فرض منصبی نہیں ہے؟

اس کا جواب نمبر ۱۶ میں آچکا ہے۔

فرائض کی ادائیگی

سوال ۱۸۔ اگر یہ سب آپ کے فرائض ہیں۔ تو بتایئے۔ کہ آپ نے اب تک ان فرائض کی ادائیگی کیوں نہیں کی۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا۔ کہ آپ لوگ حکومت سے ڈرتے۔ اور اپنے اصلی مشن کو بالکل بھولے ہوئے ہیں۔ شاید آپ کی طرف سے یہ کہا جاوے۔ کہ ہم نے خطوط کے ذریعہ حکومت کو آنے والے واقعات سے آگاہ کر دیا ہے لیکن سوال یہ ہے۔ کہ کیا حکومت نے آپ کے مشورہ پر عمل بھی کیا؟

اگر نہیں۔ تو کیا اس کے دل میں احساس پیدا کرنے کے لئے آپ نے کوئی عملی تدابیر

بھی اختیار کیں۔

جناب عالی۔ یاد رکھئے کہ سال بھر میں دو ایک کا مسلمان بنالینا ہی صرف اشاعت اسلام نہیں ہے۔ بلکہ حق وصداقت کے لئے آئینی جنگ کرنا اصل اشاعت اسلام ہے محض گورنمنٹ کو خوش کرنا۔ اپنے کو سرکار کا وفادار ظاہر کرنا۔ دوسروں پر غیر وفاداری کے اتہام لگانا۔ ہوم رول کی طرف سے استغنا ظاہر کرنا۔ لیکن کونسلوں میں ایک نشست حاصل کرنے کے لئے جا و بیجا منت سماجت کرنا یہ تمام باتیں مسیح موعود کی جماعت کے شایاں نہیں ہیں۔

جواب میں اپنے فرائض سے آگاہ ہوں۔ ان کی ادائیگی کی حتی الوسع کوشش کرتا ہوں۔ میں صرف خدا سے ڈرتا ہوں۔ یا اس سے جس سے ڈرنے کا خدا نے حکم دیا ہے۔ حکومت کے اندر احساس پیدا کرنے کے لئے میں وہی کوشش کرتا ہوں۔ جو خدا کے نبی اور اولیاء کے خلفاء ہمیشہ سے کرتے آئے ہیں۔

کونسل کی نشست کی تو میں نے کبھی خواہش کی ہے۔ نہ مجھے فرصت ہے کہ میں کونسل میں جا کر بیٹھوں۔ آپ کونسل کی نشست کا ذکر کرتے ہیں۔ میں تو برطانیہ کی ساری حکومت چھوڑ دنیا کی ساری حکومتوں کو بھی اس درجہ کے مقابل میں جو خدا نے مجھے دیا ہے۔ ذلیل اور بے حقیقت خیال کرتا ہوں۔

آپ کے عذر سے میں برا نہیں مناتا۔ کیونکہ آپ مجبور ہیں۔ چونکہ آج ۲۸ تاریخ سے پہلے آپ کا جواب دینے کی مجھے فرصت نہیں ملی۔ اور آپ کا پتہ ۱۸ تاریخ کے بعد بدل گیا ہے۔ اس لئے میں اس خط کو اخبار کے ذریعہ شایع کرتا ہوں۔ جب آپ تک پہنچے اور پھر آپ کو اور سوالات کرنے ہوں۔ تو بخوشی کر سکتے ہیں۔

اسلام تیرہ سو سال سے

حریت و مساوات

کی دعوت دے رہا ہے۔ لیکن آج ایک خاص فرقہ کا لیڈر کہتا ہے۔ کہ

"یہ اسلام کے بنیادی اصول نہیں ہیں"

۳ دسمبر کے روزنامہ "وکیل" میں جو یکم دسمبر کو اشاعت پذیر ہوگا۔ ایک فاضل گریجوایٹ اور نامور مصنف کے قلم سے ایک معرکۃ الآرا اور معنی خیز مضمون درج ہوگا جس میں

اس خیال کی دھجیاں اڑائی گئی ہیں

ناظرین منتظر رہیں۔ ۳ دسمبر کا پرچہ جدید انتظام کے تحت چھ صفحات پر شایع ہوگا۔ اور دلچسپ مضامین سے لبریز ہوگا۔ (مینیجر وکیل)

اسلام اور حریت و مساوات

اخبار "الفضل" قادیان مطبوعہ ۱۱ نومبر ۱۹۳۰ء میں چند سوالات جو کوہ مری سے ایک گریجوایٹ نے جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب کی خدمت میں لکھ کر بھیجے۔ مرزا صاحب ممدوح کے جوابات کے ساتھ شایع ہوئے ہیں۔ سوالات اور جوابات اسلام کے بنیادی اصول کے متعلق ہیں۔ ان میں سے دو سوال اور جواب حسب ذیل ہیں۔

"کیا حریت و مساوات کے زریں اصول اسلام کے بنیادی اصول نہیں ہیں"؟ اور کیا ہر دو اصول اشاعت اسلام کے زمرہ میں داخل ہیں یا نہیں؟ کیا اسلام حریت و مساوات کا علم بردار ہونے کا مدعی ہے یا نہیں"؟

جواب:۔ "حریت اور مساوات اسلام کے بنیادی اصولوں میں سے نہیں ہیں۔ خود یہ الفاظ ایسے مبہم ہیں۔ کہ اپنی بعض تعریفوں کے لحاظ سے اچھے اخلاق بھی نہیں کہلا سکتے

اس لئے حریت اور مساوات کی جب تک تعریف نہ کی جائے۔ اس وقت تک نہیں کہا جاسکتا۔ کہ اسلام انہیں جائز بھی قرار دیتا ہے یا نہیں۔ مجھے نہیں معلوم آپ کے ذہن میں اس کی کیا تعریف ہے؟

"ہو سکتا ہے۔ کہ کسی تعریف کے ماتحت ان دونو امور کا خیال رکھنا ایک مسلم کے لئے ضروری ہو۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ ایک دوسری تعریف کے مطابق صرف جائز ہو۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ ایک تیسری تعریف کے مطابق ناجائز ہو

"شریعت میں مساوات کی تو کوئی اصطلاح ہی نہیں "حُر" کی ایک اصطلاح ہے۔ جس کے یہ معنے قرآن اور حدیث کی رو سے معلوم ہوتے ہیں۔ کہ جو شخص ان افعال میں جو افراد کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ حکومت کے ساتھ تعلق نہیں رکھتے۔ مختار ہو۔ وہ اپنے مال کا خود مالک ہو۔ افراد رعایا میں سے کوئی شخص ایسا نہ ہو۔ کہ اس کے کمائے ہوئے مال پر بلا اس کی اجازت یا بلا اس سے خرید و فروخت کے قبضہ کرلے"۔

سوالات اور جوابات میں فریقین نے واقعات حاضرہ اور گورنمنٹ برطانیہ اور اس کے طرز عمل کو پیش نظر رکھا ہے۔ جوابات میں بالخصوص گورنمنٹ کی کمزوریوں کو قابل عفو سمجھا گیا ہے۔ اور معقولیت کے ساتھ عذر خواہی کیگئی ہے۔ مگر جوابات کی نمایاں کمزوری یہ ہے۔ کہ الزامی ہیں۔ مثلاً جنرل ڈائر کو اس لئے معاف کیا جاسکتا ہے۔ کہ کرتارپور اور بہار کے مسلمان عورتوں اور بچوں کے زندہ جلادینے والوں کو معاف کیا جاسکتا ہے کاش یہ بحث اصولی ہوتی۔

اخوت اس سے تو کسی شخص کو انکار نہ ہوگا۔ کہ اسلام اخوت کا علمبردار ہے۔ ممکن ہے۔ کہ اس سے بھی انکار ہو۔ اس لئے ہم چند آیات کا حوالہ دیتے ہیں

یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ و خلق منھا زوجھا وبث منھما رجالاً کثیرا ونساء۔	ترجمہ۔ اے لوگو اس خدا سے ڈرو۔ جس نے تمہیں نفس واحدہ سے پیدا کیا۔ اور اس سے اسکا جوڑا بنایا۔ اور ان دونو سے بے شمار مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

یعنی انسان کی پیدائیش نفس واحد سے ہوئی - اس لئے اقوام عالم میں اخوت فطری تعلق ہے - یعنی اللہ تعالےٰ نے انسان کو فطرتاً ایک دوسرے کا بھائی بنایا ہے - چونکہ اسلام دین فطرت ہے - اس لئے اخوت اس کا اصل الاصول ہے - جس مساوات اور حریت کا اخوت تقاضا کر رہی ہے - وہی اسلام کا مطالبہ ہے -

آئیت محولا بالا سورہ نساء کے شروع میں واقعہ ہوئی ہے - صنف ضعیف کی جو درگت مردوں کے ہاتھوں سے ہوتی رہی - اور فرقہ اناث سے جو کچھ بیدردانہ سلوک ہوتا رہا - اکثر جہلا کے گھروں میں اس کی شہادت موجودہ زمانہ میں بھی ملتی ہے - سورۂ نساء میں مرد کو عورت کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے - اور یہ ظاہر کیا گیا ہے - کہ فطرتاً تم میں جو کچھ تعلق ہے - اس کا تقاضا یہ ہے - کہ ایک کو دوسرے سے تسکین خاطر ہو - اور ان میں مودت اور رحمت ہو -

ومن ایٰتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ

ترجمہ - اور یہ اس بات کی نشانی ہے - کہ تمہارے لئے تمہارے نفس سے خدا نے جوڑا بنایا - تاکہ تم اس کیطرف تسکین حاصل کرو - اور تمہارے درمیان مودت اور رحمت بنائی -

عدم مساوات کی تائید میں یہی ایک دلیل پیش کی جا سکتی ہے - جو قرون اولیٰ میں جہالت کا نتیجہ تھی - سورۂ نساء میں اس کی تردید کی گئی ہے - اور مرد کے عورت پر اور عورت کے مرد پر مساوی حقوق ہیں - مرد کے لئے یہ جائز نہیں ہے - کہ عورت کی کمزوری کا ناجائز فائدہ اٹھائے - شرعاً حقوق وراثت بھی مساوی ہیں - کیونکہ لڑکی اگرچہ ورثہ پدری لڑکے سے نصف حاصل کرتی ہے - مگر اپنے شوہر کی بھی وارث ہوتی ہے - اخوت میں اگرچہ قرابت قریبہ کا مفہوم ہے - لیکن پھر بھی بعد کا مفہوم پایا جاتا ہے -

خلق لکم من انفسکم ازواجہ ترجمہ - خدا نے تمہارے لئے تمہارے نفس سے جوڑا بنایا نے تو مرد اور عورت کو ایک نفس کا درجہ عطا فرمایا ہے - مرد کی عورت پر حکومت فی الحقیقت اپنے ہی نفس پر غلبہ ہے یہ حکومت رشتۂ مودت اور رحمت ہے -

اسلام کی واحد امتیازی خصوصیت

یہ تقاضائے خصوصیات قرون اولیٰ ہر ایک ہادی، ہر ایک نبی، ہر ایک رسول اپنی اپنی قوم کے لئے رحمت تھا۔ دیگر اقوام سے نہ اسے کچھ تعلق تھا۔ اور نہ ان کی فلاح و بہبود پیش نظر تھی۔ بلکہ اپنی قوم کی بہتری دیگر اقوام میں برتری کے ہم معنی تھی۔ اس لئے حضرت عیسےٰ نے ایک کنعانی عورت کو فرمایا، کہ میں صرف اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔" اور یہ کہ "بیٹوں (بنی اسرائیل) کی روٹی کتے (غیر اقوام) کو دینی اچھی نہیں۔ (متی ۱۵-۲۱)
ہندوستان میں نسلی اور قومی امتیازات اور تفریقات کی توحد ہو گئی ہے۔ کیونکہ ہندو مذہب بہت قدیم ہے۔ مختلف ذاتوں کا دھرم یعنی فرائض بھی علیحدہ علیحدہ ہیں۔ برہمن اور شودر نسلاً بعد نسل برہمن اور شودر ہی رہ سکتے ہیں۔ قرون اولیٰ میں یہی دھرم ہو سکتا تھا۔" موجودہ زمانہ میں یہ ناممکن ہے۔ حریت اور مساوات کی طرف انسانی ترقی بدیہی ہے۔

رسول کریمؐ پہلی شخصیت ہے۔ جو کافۃ الناس کے لئے مبعوث ہوئی۔

قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعًا

ترجمہ۔ کہدے۔ اے لوگو تحقیق میں تم تمام کی طرف خدا کا بھیجا ہوا ہوں۔

اس اعلان الٰہی نے نسلی منافرت اور قومی منافرت کی جڑھ کاٹ دی۔ اگر یہ مسلم ہے۔ کہ ہر ایک رسول اپنی اپنی قوم کی بہتری اور بہبودی کے لئے رحمت تھا۔ تو رسول کریمؐ کل اقوام عالم۔ کافۃ الناس کی بہتری اور بہبودی کے لئے رحمۃ للعالمین ہیں۔

چنداں بود کرشمہ و ناز سہی قداں
کاید بجلوہ سرو صنوبر خرام ما

توحید و اخوت اور حریت و مساوات

توحید اور اخوت لازم و ملزوم ہیں۔ ایک کے تصور کے بغیر دوسرے کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ اگر اللہ تعالیٰ رب العالمین اور رسول کریمؐ رحمۃ للعالمین ہیں۔ تو حریت اور مساوات کا مفہوم وقت طلب نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ

یا ایھا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثی وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" ترجمہ۔ اے لوگو۔ ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو خاندان، اور قبیلے بنایا تاکہ تم پہچانو۔ تم میں اللہ کے نزدیک تحقیق تقویٰ ہی اکرم ہے۔

یہ مسلم ہے۔ کہ ذکور و اناث کی پیدائش نفس واحدہ سے ہوئی۔ اس لئے ذاتوں اور گوتوں میں کوئی مغائرت حقیقی نہیں ہے۔ نوعیت میں تفریق نہیں۔ بلکہ حکمت یہ ہے کہ تعارف میں آسانی ہو۔ ذاتوں اور قوموں کے امتیاز میں کچھ فضیلت نہیں۔ البتہ تقویٰ ہی عند اللہ معیار فضیلت ہے۔ اس پر مفصل بحث مناسب مقام پر کی جائیگی۔ آنحضرت نے حجۃ الوداع کی تقریب پر فرمایا کہ" اے لوگو! اللہ تعالےٰ نے تم سے جاہلیت کی تمام خرابیوں کو دور کر دیا ہے۔ حسب ونسب پر فخر کرنا اٹھا دیا ہے۔

لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی کلکم ابناء ادم" ترجمہ۔ عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں۔ اور نہ عجمی کو عربی پر۔ تم سب بنی آدم ہو

تم سب آدم کی اولاد ہو۔ اور آدم کی اصل مٹی ہے" (اس لئے انسانیت کا تقاضا خاکساری ہے۔ نہ کہ شیطانی فخر) آنحضرت کی آخری وصیت کہ اللہ تعالیٰ کی زمین اور بندوں میں برتری تلاش نہ کرو" مساوات اور حریت کی جامع و مانع تعریف ہے۔

اس لئے اخوت اور حریت اور مساوات نہ صرف اصل اصول اسلام ہے۔ بلکہ اسلام کی امتیازی خوبیاں بھی ہیں۔ ان خوبیوں کو سمجھنے کے لئے ہم اصل اصول حکمت بیان کرتے ہیں۔

قرآن یہ اصل اصول بتاتا ہے۔ کہ کسی شئے کا خالق اس شئے کا مالک ہوتا ہے ملکیت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جس طرح چاہے۔ اس شئے کو کام میں لائے۔

ام جعلوا للہ شرکاء خلقوا کخلقہ فتشابہ الخلق علیھم قل اللہ خالق کل شئی وھو الواحد القہار" ۱۳ء ۱۸ ترجمہ۔ یا بنائے ہیں انہوں نے اللہ کے شریک کہ انہوں نے کچھ پیدا کیا۔ جیسے اللہ نے پیدا کیا پس وہ پیدائش ان کی نظر میں مل گئی۔ کہ وہ

کہ اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔ اور وہی اکیلا زبردست ہے۔

چونکہ ہر ایک شئے کا خالق اللہ تعالےٰ ہے۔ اس لئے وہی مالک ہے۔ انسان کسی شئے کا مالک ہی نہیں۔ اسی آیت کے شروع میں ہے۔

قل من رب السموات والارض قل اللہ، قل افاتخذتم من دونہ اولیاء لایملکون لانفسھم نفعاً ولا ضراً (۱۳-۸)

ترجمہ۔ پوچھ کہ آسمان اور زمین کا رب کون ہے۔ کہ اللہ ہے۔ کہہ۔ پھر تم نے اس کے سوائے حمایتی پکڑے ہیں۔ جو اپنے نفس کے لئے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتے۔

آیات بے شمار ہیں۔ چند ایک کا حوالہ کافی ہے۔

۱۔ الحمد للہ الذی خلق السموات والارض وجعل الظلمت والنور۔ (۶-۷)

ترجمہ۔ تعریف اس خدا کیلئے ہے۔ جس نے زمین و آسمان بنائے۔ اور اندھیرا اور روشنی بنائی

۲۔ وللہ ما فی السموات وما فی الارض و کان اللہ بکل شئ محیط۔ (۵-۱۶)

ترجمہ۔ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اللہ کیلئے ہے۔ اور اللہ ہی ہر ایک شئے پر محیط ہے

۳۔ ملک الملک توتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء وتعز من تشاء وتذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئ قدیر۔ (۳-۱۱)

ترجمہ اے حکومت کے مالک۔ تو جسے چاہے سلطنت دیتا ہے۔ اور جس سے چاہے۔ حکومت چھین لیتا ہے۔ تو جسے چاہے۔ عزت دیتا ہے۔ اور جسے چاہے۔ ذلیل کرتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں خیر ہے اور تو ہی ہر شئے پر قادر ہے۔

انسان صرف "فی الارض خلیفۃ" ہے۔ اشیاء میں اس کا تصرف حکم الٰہی کے تحت ہی جائز ہے۔ حق ملکیت اس کو حاصل نہیں۔ اور بہ حیثیت مالک مطلق العنان اس کا تصرف ناجائز ہے۔ بہ حیثیت خلیفہ صرف امانتدار ہے۔ اور اس میں بھی کلام نہیں۔ کہ بوجہ ظلم و جہل یہ تصرف بیجا کرتا ہے۔

لہ ملک السمٰوات والارض یحیی ویمیت وھو علیٰ کل شئی قدیر	ترجمہ آسمان وزمین کی حکومت اسی کیلئے ہے وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ اور وہی ہرشئے پر قادر ہے
امنوا باللہ ورسولہ وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ (۵۷-۷)	اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ۔ اور خرچ کرو کچھ اس سے جو تمہارے ہاتھ اپنا نائب کر کے دیا۔

جس قوم کو اللہ تعالیٰ حکومت عنایت فرماتا ہے۔ اس کو اپنی زمین اور اپنے بندوں کی امانت سپرد کرتا ہے۔ مبارک ہے وہ قوم جو حق امانت ادا کرتی ہے۔ مگر قانون قدرت یہ ہے۔ کہ اس قوم کے خلف ناخلف ہوتے ہیں۔ اور امانت میں خیانت کرتے ہیں۔ زمین خدا اور بندگان خدا پر تصرف بیجا کرتے ہیں۔ یہ امانت ان سے لی جاتی ہے۔ اور دوسری قوم کے حوالہ کی جاتی ہے۔ جو اس کی اہل ہوتی ہے۔ قوموں کی تاریخ ہمارے سامنے ہے۔ واقعات کا ہمیں علم ہے۔ نتائج سے ہم واقف ہیں۔ بحث تحصیل حاصل ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ حکومت کے باعث حکمران قوم کو ایک طرح کی فضیلت محکوم قوم پر حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اس فضیلت کا مفہوم ایسی عدم مساوات نہیں ہے جو غلامی کے مترادف ہے۔ اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب "صدیق اکبر" میں مفصل بحث کی ہے۔ اور نصوص قرآنی کا حوالہ دیا ہے۔ جن کے رو سے یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ خلافت ہی صحیح معنوں میں وہ حکومت ہے۔ جو قوانین فطرت کے مطابق قوموں کو عطا ہوتی رہتی ہے۔ اور غرض ہر ایک قسم کی ترقی انسانی ہے۔ اور تمدن اور تہذیب کی ترقی کا ان نصوص میں بالخصوص ذکر کیا گیا ہے۔ کہ انسان ابتداء میں پہاڑ کے غاروں میں رہتا تھا۔ اسی خلافت کی بدولت ترقی کرتا ہوا اس درجہ پر پہنچا ہے۔ جو ہم مشاہدہ کر رہے ہیں۔ منشاء الٰہی یہ نہیں ہے۔ کہ دنیا میں ایک ہی قوم کے قبضہ میں خلافت ہو۔ دنیا کی تمام قومیں یکے بعد دیگرے اس بار امانت کو اٹھاتی رہی ہیں۔

اور اٹھاتی رہیں گی۔ جبتک کہ قومیت کا "مفہوم" جس میں مغائرت پائی جاتی ہے۔ صفحۂ ہستی سے حرف غلط کی طرح محو نہ ہو جائے۔ وہ اسلام جس کے ساتھ رسول کریم رحمۃ للعالمین مبعوث ہوئے ہیں۔ اسی "قومیت" کی جڑ کاٹ رہا ہے۔ تاکہ دنیا اخوت، حریت، مساوات، عدالت سے مستفیض ہو۔ رسول کریم نے احکام الٰہی لوگوں کو سنا دئے۔ کہ مالک الملک وہی اللہ تعالےٰ ہے۔ اسی کے احکام کے آگے سر جھکاؤ۔ اور ماسوٰی اللہ کو خیال میں بھی نہ لاؤ۔ رسول کریم کے ذریعہ ایک ایسی امت تیار ہوئی جس کی نسبت ارشاد ہے۔ کہ

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس ترجمہ۔ تم سب امتوں سے بہتر ہو۔ جو لوگوں میں تامرون بالمعروف وتنھون ظاہر ہوئے ہو۔ بھلائی کا حکم کرتے اور برائی سے عن المنکر وتومنون باللہ (۴-۲) روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

خلافت یا حکومت کا امر معروف اور نہی عن المنکر سے زیادہ اور کچھ کام نہیں۔ فضیلت بوجہ خلافت خلاف مساوات نہیں۔ بلکہ مساوات اور حریت قائم رکھنے میں ہے۔

رسول کریم کی بعثت سے پیشتر دنیا میں اتنے ہی قومی معبود تھے۔ جتنی قومیں تھیں۔ اقوام عالم کو ایک ہی معبود رب العالمین کی طرف دعوت دینا قومی تعصب کی بیخکنی کرنا تھا۔ جو مساوات کو کسی طرح تسلیم نہیں کرتا۔ اور ذاتوں کے امتیاز کا حامی ہے۔ جب تمام انسانوں کا ایک ہی خالق ہے۔ تو مساوات کو تسلیم نہ کرنا یہ دعوٰی ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ نے قوموں کو قانون مساوات پر پیدا نہیں کیا۔ بعض قومیں پیدائشی حکومت کی اہل ہیں۔ اور بعض دوامی غلامی کے لئے پیدا ہوئی ہیں۔ اس دعوٰی کی بیہودگی زیادہ قابل توجہ نہیں۔

المختصر اخوت اور حریت اور مساوات کے بغیر توحید کا ثبوت محال ہے۔ اور رحمۃ للعالمین کی رسالت کا منشاء محض عربی اقتدار قائم کرنا ہوگا۔ حالانکہ آنحضرت کا ارشاد ہے۔ کہ "عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں"۔ اور وہ "مسلمان ہی نہیں۔ جو نسلی مغائرت اور قومی تعصب کی دعوت دیتا ہے"۔

دولت بروئے اسلام اصول مساوات پر تقسیم ہونی چاہئے

یہ تو ثابت شدہ ہے۔ کہ انسان کا پیدائشی حق مساوات وحریت نصوص قرآنی کے رو سے مسلم ہے۔ اور ایک انسان کا دوسرے انسان سے تعلق برادرانہ ہے۔ اور یہی کچھ تقاضائے انسانیت ہے۔ اب ہم اس پر ایک اور پہلو یعنی اقتصادی نقطہ خیال سے بحث کرتے ہیں۔

یہ تو ثابت شدہ ہے۔ کہ ہر ایک شئے کا مالک اللہ ہے۔ اور اس لئے جو کچھ جس کو چاہتا ہے۔ عطا فرماتا ہے۔ اور جس سے چاہتا ہے۔ لے لیتا ہے۔ ملک، دولت، علم، حکمت، عزت، غرض سب کچھ اللہ کی نعمتیں ہیں جس کو چاہتا ہے۔ عنایت فرماتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ کس کو عنایت فرماتا ہے؟ قرآن شریف کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ جو شئے جس کو دیتا ہے۔ پہلے اس کو اس شئے کا اہل بناتا ہے۔ اور واپس نہیں لیتا۔ جبتک وہ کفران نعمت نہیں کرتا۔ اصل اصول یہی ہے۔ کہ کسی قوم کی حالت میں تغیر واقعہ نہیں ہوتا۔ جبتک اس میں خود تغیر واقعہ ہونے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوتی۔ اللہ تعالےٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں۔ اور مفت ہیں۔ اور ضروریات زندگی عام انعام ہے۔ مثلاً ہوا اور پانی جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔ الہٰی اشیاء پر جب انسانی محنت صرف ہوتی ہے۔ تو قیمتی بنجاتی ہیں۔ مثلاً یہی پانی جب محنت سے تیار شدہ نہروں میں لایا جاتا ہے۔ اور زمینوں کو سیراب کرتا ہے۔ تو گورنمنٹ آبیانہ وصول کرتی ہے۔ موسم گرما میں کلوں کے ذریعہ برف بنتا ہے۔ تو قیمتی شئے بنجاتی ہے۔ اور علی ہذالقیاس اس لئے قابل بحث صرف یہی دولت ہے۔ جو انسان محنت سے کماتا ہے۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ ایسی دولت کی نسبت اسلام کا کیا حکم ہے۔ اصل اصول یہ ہے۔ کہ جو شخص جس شئے کا اہل اور مستحق ہے۔ وہ شئے اس کے قبضہ میں رہنی چاہئے۔ اور کوئی شخص مجاز نہیں۔ کہ ضرورت سے زیادہ کوئی شئے اپنے قبضہ میں رکھے۔ چند ایک آیات کا حوالہ دیا جاتا ہے۔

(۱) وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ (۲۷-۱۷)

ترجمہ۔ اور خرچ کرو اس سے جو تمہارے ہاتھ میں اپنا نائب کر کے دیا۔

۲۔ ویسئلونک ماذا ینفقون، قل العفو۔

اور تم سے سوال کرتے ہیں۔ کہ کیا خرچ کریں۔ کہدے۔ کہ عفو۔

۳۔ یا ایھا الذین امنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض۔ (۳-۵)

اے ایمان والو۔ خرچ کرو۔ اپنی کمائی سے ستھری چیزیں۔ اور جو کچھ ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالا۔

۴۔ افاء اللہ علی رسولہ من اھل القریٰ فللہ وللرسول لذی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین وابن السبیل کی لایکون دولۃ بین الاغنیاء منکم (۲۸-۴)

اللہ تعالےٰ بستی والوں کو اپنے رسول پر پھیر لایا۔ پس اللہ کیلئے اور رسول کیلئے اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے۔ تاکہ تم میں سے صرف دولتمندوں کے درمیان دولت چکر نہ لگائے۔

"فیٔ" ایسے مال کو کہتے ہیں۔ جو بلا تکلف ہاتھ آئے۔ اور "انفال" وہ مال ہے۔ جو ہتھیلی پر سر رکھ کر ملتا ہے۔

۵۔ یسئلونک عن الانفال قل الانفال للہ وللرسول (۹-۱)

ترجمہ۔ تم سے مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں۔ کہدے کہ مال غنیمت اللہ اور رسول کیلئے ہے۔

۶۔ واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ۔ ۔ ۔ ولذی القربیٰ والیتٰمیٰ والمسٰکین وابن السبیل (۱۰-۱)

ترجمہ۔ جان رکھو۔ کہ تم جو چیز غنیمت میں لاؤ۔ پس اللہ کیلئے اس کا پانچواں حصہ ہے۔ اور رسول اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے۔

آیات محولہ سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ ضروریات سے زیادہ کوئی شخص مال اپنے قبضہ میں رکھنے کا مجاز نہیں۔ اپنی ضروریات کو ہر ایک شخص جانتا ہے۔ "اسراف" کی اسلام سخت مذمت کرتا ہے۔

آیات بے شمار ہیں۔ اصل اصول سمجھنے کیلئے آیات محولہ بالا پر غور کرنا چاہئے۔ تقسیم دولت کا راز" کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم " میں مضمر ہے۔ اس نے ایک ایسی اقتصادی گتھی کو سلجھا دیا ہے۔ جس میں آج سرمایہ دار اور مزدور ایک دوسرے کے برخلاف الجھے ہوئے ہیں۔ آئے دن کی ہڑتالوں اور کاروبار کی بندش اور سچ تو یہ ہے۔ کہ عالمگیر جنگ وجدل کا سدباب اسی ایک آیت پر عمل کرنے سے ہو سکتا ہے۔ ارشاد الٰہی یہ ہے۔ کہ دولت کی تقسیم اس طرح نہ ہونی چاہئے۔ کہ دولت دولتمندوں ہی میں چکر لگائے۔ بلکہ ان کو دو۔ جن کو اس کی زیادہ ضرورت ہے۔ مستحقین میں اقربین سے لے کر ابن السبیل تک سب شامل ہیں۔ مال و دولت خواہ کسی طرح ہاتھ آئے۔ مصرف ایک ہی ہے۔ یعنی جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ وہ اسے دیا جائے۔ جس کو اس کی ضرورت ہو۔ یعنی ہر ایک شخص بقدر ضرورت اور حاجت مال اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ خلافت راشدہ میں بیت المال اور عاملین کا انتظام اسی مصرف کے لئے کیا گیا تھا۔ بقول صدیق اکبر زکوٰۃ میں بقدر "عقال" کمی ارتداد کے مترادف تھی۔ اور ایسے شخص پر جہاد فرض تھا۔ یہ تھی وہ حکومت جو حقیقی مالک الملک کی نمائندہ فی الارض تھی۔ اور جس کو اصطلاح میں "خلافت" کہتے ہیں۔ بادشاہت نہیں بلکہ نیابت۔

حریت اور مساوات انسانی جد وجہد کا نصب العین ہے

"ہربرٹ سپنسر" کا قول آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ کہ دنیا میں سب سے بڑا مصلح وہ ہے۔ جو اصلاح کا سنگ بنیاد رکھ دیتا اور تعمیر کا کام آئندہ نسلوں کے لئے چھوڑ جاتا ہے۔ جو مصلحان یہ چاہتے ہیں۔ کہ وہ سب کچھ اپنی ہی زندگی میں کر لیں وہ ایک اصلاح کیلئے ہزار ہا خرابیوں کو پیدا کرتے ہیں۔" رسول کریم کی بعثت اور رسالت کا منشاء جو کچھ تھا۔ وہ محض "بلاغ" تھا۔ عملاً جو کچھ کر سکے۔ کیا۔ خلفاء راشدین نے "خلافت الٰہی" کا نمونہ بھی پیش کیا۔ لیکن یہ قانون قدرت ہے۔ کہ ہر ایک شئے اپنے مرکز کی طرف مائل ہوتی ہے۔ حرکت ہمیشہ مرکز کی طرف رہتی ہے۔ مگر سکون کبھی مرکز پر نہیں ہوتا۔ ورنہ حرکت ارتقا بند ہو جائے۔ اسی طرح انسانی جد وجہد شروع سے حریت و

مساوات کی طرف ہے۔ اگر کوتہ بینی سے اپنا نصب العین نظر نہ آئے۔ اور زمانہ اپنے آپ کو ابھی تک غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا اور اعلیٰ و ادنیٰ کے امتیازات و تفرلقیات میں تقسیم شدہ دیکھتا ہے۔ تو مایوسی کی کوئی وجہ نہیں۔"لیس للانسان الا ما سعیٰ" ہمارا کام جد و جہد ہے۔گذشتہ نسلیں اسی جد و جہد میں گذر گئیں۔ مگر اون کی سعی مشکور ہوئی۔ دیکھو۔کیا سے کیا ہوگیا۔ایک زمانہ تھا۔جب بادشاہ "انا ربکم الاعلیٰ" کا دعویٰ کرتا تھا۔ لوگ اس کو دیوتا سمجھتے تھے۔ اس کی پوجا کرتے تھے۔ ایک فعل خواہ کیسا ہی مذموم ہو۔جب اس کی ذات سے صادر ہوتا ہو۔ تو معیوب نہ ہوتا۔ان دیوتاؤں کی حکومت ہمارے جیسے انسانوں، ہمارے بزرگوں کی جد و جہد سے خاک میں مل گئی۔اس کے بعد بشر بادشاہ ہوئے۔مگر مطلق العنان۔ان کی بے لگامی بھی نہ رہی۔آج ہم ایسے زمانہ میں ہیں۔کہ کوئی مطلق العنان بادشاہ دکھائی نہیں دیتا۔جو کوئی ہے۔چند روزہ مہمان ہے۔ایک قوم کا دوسری قوم پر غلبہ ضرور ہے۔گویا طاقت جمہور میں منتقل ہو چکی ہے۔اسلام ہم سے یہ مطالبہ کرتا ہے۔کہ قومی مغائرت کو مٹا دو۔یہی حریت و مساوات کی سد راہ ہے۔دنیا میں اخوت قائم کردو۔

عالمگیر اخوت و حریت و مساوات و امن

خلافت آسمانی بادشاہت کی زمین پر نمایندہ ہے۔اور اس کا منشاء یہ ہے۔کہ اخوت اور حریت اور مساوات اور امن قائم کردے ہمیں معلوم ہے۔کہ بہاء اللہ نے سب سے پہلے یہ اعلان کیا۔کہ اب جہاد موقوف ہوگیا ہے اور ایسا ہی اعلان بعد میں مرزا غلام احمد صاحب مرحوم نے کیا۔کہ جو اب جہاد کرتا ہے وہ کافر ہے۔ اگر خلافت کیلئے جس کی تعریف ہم کرچکے ہیں۔جہاد کرنا کفر ہے۔تو ہم بلا خوف تردید کہتے ہیں۔ کہ ان اعلانوں میں ذرا بھی معقولیت نہیں۔خلافت خود امن کا مژدہ سناتی ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصّٰلحٰت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امناً	ترجمہ۔اللہ تعالےٰ نے وعدہ کیا اون لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے۔اور جنہوں نے نیک کام کئے۔البتہ خلیفہ بنائیگا اون کو زمین پر۔جیساکہ اون سے پہلے لوگوں کو بنایا

یعبدونني لایشرکون بی شیئاً (۱۳-۱۸)	اور ثابت کر دیا ان کیلئے ان کا دین جوان کیلئے پسند کیا۔ اور دیگا ان کے ڈر کے بدلے ان کو امن۔ وہ میری عبادت کرینگے۔ اور کسی کو میرا شریک نہ کرینگے۔

قرآن شریف میں بے شمار آیات ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ فتنہ و فساد اور جنگ و جدل نہایت ناپسندیدہ ہیں۔

۱۔ والفتنۃ اشد من القتل (۲-۸)	ترجمہ۔ فتنہ قتل سے زیادہ سخت ہے
۲۔ والفتنۃ اکبر من القتل (۲-۸)	۲۔ فتنہ قتل سے بڑھکر ہے۔
۳۔ الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر (۱۰-۶)	۳۔ اگر تم یوں نہ کروگے۔ تو ملک میں فتنہ برپا ہوگا اور بھاری خرابی ہوگی۔
۴۔ ربنا لا تجعلنا فتنۃ للذین کفروا (۲۸-۷)	۴۔ اے ہمارے رب۔ نہ جانچ ہمپر کافروںکو
۵۔ ظہر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقھم بعض الذی عملوا لعلھم یرجعون (۲۱-۱۸)	۵۔ خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہوگیا۔ لوگوں کے ہاتھ کی کمائی سے۔ ان کو ان کے کام کا کچھ مزہ چکھانا چاہیئے۔ کہ شاید وہ لوٹ آویں۔
۶۔ ولا تبغ الفساد فی الارض ان اللہ لا یحب المفسدین (۲۰-۱۱)	۶۔ ملک میں خرابی نہیں ڈالنی چاہیئے۔ اللہ تعالے فسادیوں سے محبت نہیں رکھتا ہے۔
۷۔ واللہ لا یحب الفساد (۲-۹)	۷۔ اور اللہ فساد کو دوست نہیں رکھتا۔

اسلام جو فتنہ و فساد کو پسند نہیں کرتا۔ خونریزی کو کب جائز قرار دیسکتا ہے۔ ارشاد الٰہی تو یہ ہے کہ

من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعاً	ترجمہ۔ جو کوئی مار ڈالے ایک جان کو بغیر بدلے جان کے یا فساد کے ملک میں۔ گویا اس نے سب لوگوں کو مار ڈالا۔ اور جس نے اس کو

جلا دیا۔ اس نے سب لوگوں کو جلا دیا۔ (۶-۹)
کسی شخص کا قتل سوائے دو صورتوں کے جائز نہیں۔ یا تو وہ شخص قاتل ہو۔ یا دوسری زمین پر فساد پھیلاتا ہو۔ ان دو صورتوں کے بغیر کسی شخص کا قتل ایسا ہی ہے جیسا تمام نوع انسان کا قتل۔ اور ایسے شخص کی حفاظت جان تمام دنیا کے انسانوں کی جان کی حفاظت کرنا ہے۔ اسلام جو قتل ناحق کو اتنا برا قرار دیتا ہے۔ اور جانوں کی حفاظت پر اتنا زور دیتا ہے۔ کہ گویا قوموں کی زندگی اور موت افراد ہی پر منحصر ہے۔ کب جنگ کو جائز قرار دے سکتا ہے۔ حالانکہ قیام امن کا خود ہی اعلان کرتا ہے۔ اور امن ہی کی تعلیم دیتا ہے۔

اس پر بحث کی ضرورت نہیں۔ کہ فتنہ و فساد کا قلع قمع تلوار ہی کے زور سے ہو سکتا ہے۔ جبتک فتنہ و فساد کے قبضہ میں تلوار ہے۔ امن قایم نہیں ہو سکتا۔ جب تک باطل کی طاقت زور پر ہے۔ حق کا غلبہ ناممکن ہے۔ ضرور ہے۔ کہ باطل کا زور طاقت ہی سے توڑ دیا جائے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ ارشاد الٰہی ہے۔ کہ

۱۔ وقاتلوھم حتی لاتکون فتنة ویکون الدین کله لله فان انتھوا فان الله بما یعملون بصیر وان تولوا فاعلموا ان الله مولٰکم نعم المولٰی ونعم النصیر (۹-۱۸)	ترجمہ۔ ۱۔ ان سے لڑو حتی کہ فتنہ نہ رہے۔ اور سب حکم اللہ کا ہی ہو جاوے۔ پھر اگر وہ باز آجائیں۔ تو اللہ ان کے کام کو دیکھتا ہے۔ اور اگر نہ مانیں۔ تو جان لو۔ کہ اللہ تمہارا حامی ہے۔ اچھا حامی اور اچھا مددگار۔
۲۔ ذٰلک بان الذین کفروا اتبعوا الباطل وان الذین امنوا اتبعوا الحق من ربھم کذٰلک یضرب الله للناس امثالھم فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا	۲۔ یہ اس لئے کہ جو لوگ کافر ہوئے انہوں نے باطل کی پیروی کی۔ اور جو ایمان لائے انہوں نے اپنے رب کی طرف سے حق کی پیروی کی۔ ایسے ہی اللہ لوگوں کو ان کے احوال بتاتا ہے۔ پس جب تم کافروں سے ملو۔ تو ان

اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا ذلک (۲۶-۵)

کی گردنیں مارو۔ حتی کہ جب اون کو چور چور کر دو۔ تو مضبوط قید کرو۔ پھر یا احسان کرکے یا جذیہ لیکر چھوڑ دو حتی کہ لڑائی اپنا بوجھ رکھہ دے۔ یہ حکم ہے۔

جب تک حق اور باطل کا مقابلہ ہے۔ جب تک باطل کے ہاتھ میں تلوار ہے جب تک فتنہ و فساد قایم ہے۔ اسلام جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیتا ہے۔ جب فتنہ کی جڑہ کٹ جاتی ہے۔ اور حرب ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ اسلام حکم دیتا ہے۔ کہ باطل پرستوں کو احسان رکھ کر آزاد کر دو۔ یا اسیران جنگ کے مبادلہ میں چھوڑ دو۔ "ذلک" یہ حکم ہے۔ اور دائمی حکم ہے۔ جب کبھی جنگ پیش آئے۔ اس کی تعمیل ہونی چاہئے۔ اور جب جنگ دنیا سے اٹھہ جائے۔ تو یہ سمجھنا چاہئے۔ کہ آسمانی بادشاہت جس کا وعظ یحیٰؑ اور عیسےٰؑ اور رسول کریمؐ کرتے رہے۔ اور اس کا راستہ زبان سے تلوار سے صاف کرتے رہے قایم ہوگئی۔ اور عالمگیر امن و حریت و مساوات و اخوت کا دور دورہ ہوگیا۔ اسلام پہلے ہی اعلان کر چکا ہے۔ کہ اس وقت تلوار اٹھانا گناہ ہے۔ فتنہ کے استیصال کی خاطر فساد کی بیخکنی کیلئے" باطل کا زور توڑنے کے لئے اسلام کا قبضہ تلوار پر از بس ضروری ہے۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ کہ مشرکین اور کفار کے لئے تلوار کا استعمال جائز ہو۔ اور خدا پرستوں کے لئے ناجائز" صرف یہی نہیں۔ کہ باطل کے ہاتھ میں تو تلوار ہو۔ اور حق بے دست و پا ہو۔ تاریخ اسلام میں ایسی صورت بھی رہی ہے۔ مگر یہ مایوسی کفر ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

ہم نے بہت غور و فکر سے کام لیا۔ کہ مرزا صاحب ممدوح خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہوں۔ اس دلیری سے "حریت اور مساوات" کے اسلامی اصول ہونے سے انکار نہیں کر سکتے تھے۔ آخر ہمیں معلوم ہوگیا۔ کہ صاحب ممدوح ایک غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ دعا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ اونہیں صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرے۔ قرآن شریف میں صاف صاف لفظوں میں اللہ تعالیٰ

کا ارشاد ہے۔ کہ انا ھدینہ السبیل اما شاکراً و اما کفوراً (۷-۲۹) یعنی اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا۔ اور راستہ بھی بتا دیا۔ اب کوئی تو شکر کرتا ہے۔ اور کوئی کفر۔ اور شکر کرنے والے اور کفر کرنے والے دونو برابر نہیں ہو سکتے۔

قل لا یستوی الخبیث والطیب (۷-۳۰) قل ھل یستوی الاعمی والبصیر (۷-۱۱)

ترجمہ۔ کہدے۔ کہ بد اور نیک برابر نہیں ہو سکتے (۷-۳۰) کہ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں۔ (۷-۱۱)

ضرب اللہ مثلاً عبداً مملوکاً لا یقدر علی شیء ومن رزقنہ منا رزقاً حسناً فھو ینفق منہ سراً وجھراً ھل یستون الحمد للہ بل اکثرھم لا یعلمون ۰ وضرب اللہ مثلاً رجلین احدھما ابکم لا یقدر علی شیء وھو کل علی مولہ اینما یوجھہ لا یات بخیر ھل یستوی ھو ومن یامر بالعدل وھو علی صراط مستقیم (۱۴-۱۶)

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے بندہ کی مثال بیان کی۔ جو پرائے بس میں ہے۔ اور کسی شئے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اور وہ شخص جسے ہم نے اپنی طرف سے رزق دیا۔ اچھا رزق۔ پس وہ اس سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتا ہے۔ کیا برابر ہو سکتے ہیں۔ تعریف اللہ کیلئے ہے۔ بلکہ ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ نے دو مردوں کی کہاوت بیان کی۔ ان میں سے ایک گونگا ہے۔ اور کسی شئے پر قدرت نہیں رکھتا اور وہ اپنے مالک پر ایک بوجھ ہے۔ جدہر اس کو بھیجتا ہے۔ بھلائی نہیں لاتا۔ کیا برابر ہو سکتا ہے۔ وہ اور وہ جو انصاف پر حکم کرتا ہے۔ اور وہ سیدھے راستے پر ہے

وما یستوی الاعمی والبصیر والذین اٰمنوا وعملوا الصلحت ولا المسیٓء قلیلاً ما تتذکرون (۲۴-۱۱)

ترجمہ۔ اندھا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے اور نہ ایماندار نیکوکار اور بدکار۔ تم تھوڑا غور کرتے ہو۔

وما لکم الا تنفقوا فی سبیل اللہ وللہ میراث السموات والارض لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجۃ من الذین انفقوا من بعد وقاتلوا وکلا وعد اللہ الحسنی (۲۷،۱۰)

ترجمہ اور تمہیں کیا ہوا ہے۔ کہ اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ حالانکہ آسمان و زمین کی میراث اللہ کی ہے۔ تم میں سے وہ شخص برابر نہیں ہو سکتا۔ جس نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور لڑائی کی۔ یہ لوگ ان لوگوں سے درجہ میں بڑے ہیں۔ جو اس سے پیچھے خرچ کریں اور لڑیں۔ اور ہر ایک کو اللہ نے اچھا وعدہ دیا ہے۔

جو کچھ مساوات اور حریت کی تعریف ہم نے نصوص قرآنی کے رو سے کی ہے۔ آیات محولا اس کے خلاف نہیں ہیں۔ ان سے واضح ہوتا ہے۔ کہ کافر اور شاکر، نیک اور بد، مستعد اور سست، جاہل اور عالم، کمزور اور زور آور برابر نہیں ہیں۔ یہ صحیح ہے۔ لیکن رونا کس بات کا ہے۔ دنیا میں مصلح اور ہادی، نبی اور رسول کس غرض کے لئے آتے ہیں۔ بنی اسرائیل مصر میں غلامی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ حضرت موسےٰ کیوں مبعوث ہوئے۔ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ نہ تھا۔ کہ "جو ضعیف ہیں۔ اون کو زور آور بنا دے"۔ جو قعر پستی میں پڑے ہیں۔ اون کو عروج کا موقع دے۔ اگر دنیا میں مساوات اور حریت فی الواقع قائم ہوتی۔ تو کسی نبی یا رسول کی کیا ضرورت تھی!! اگر دنیا میں محتاج نہ ہوتے۔ تو "یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو" بے معنی آیت ہوتی۔ تمام ہادیوں اور نبیوں اور رسولوں کی جد و جہد اسی ایک امر کے متعلق رہی ہے۔ کہ انسان صراط مستقیم پر آجائے۔ مرزا صاحب ممدوح کو بھی خلافت اور امامت کا دعوےٰ ہے۔ کیا اس دعوےٰ کا یہ مفہوم ہے۔ کہ وہ اپنے آپ کو دیوتا سمجھتے ہیں۔ اور منوانا چاہتے ہیں؟ کیا مرزا صاحب ممدوح کو انا بشر مثلکم (یعنی میں تمہارے جیسا انسان ہوں) کا راز بھی معلوم ہے؟ کیا لقد خلقنا الانسان فی

احسن تقویم" (ہم نے انسان کو بہترین اندازہ پر پیدا کیا) کی حقیقت کا علم ہے۔کیا خلیفۃ اللہ مسجود ملائک کی شرافت سے واقف ہیں؟

مرزا صاحب ممدوح کو غلط فہمی اسی سے پیدا ہوئی ہے۔کہ حریت اور مساوات انسانوں میں موجود نہیں ہے۔اور خیال یہ فرماتے ہیں۔کہ ہونی بھی نہیں چاہئے۔قانون قدرت یہ ہے۔کہ مطلوب ہمیشہ غائب ہوتا ہے۔اور طلب حاضر، اگر مطلوب حاضر ہو۔تو طلب غائب ہوتی ہے۔حریت اور مساوات انسانی مطلوب ہے۔ہم تسلیم کرتے ہیں۔کہ ہمارا مطلوب غائب ہے۔ہماری طلب جاری ہے۔اور ہمارے مذہب میں مایوسی کفر ہے۔

لترکبن طبقاً عن طبق۔(۳۰-۸) ترجمہ۔البتہ تم ایک حالت سے دوسری حالت پر سوار ہوگے۔

آیات محولا بالا میں جہاں انسانوں میں عدم مساوات کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔اس کا یہ مفہوم نہیں۔کہ انسان اگر صراط مستقیم سے بھٹک گیا ہے۔تو ہمیشہ گمراہ ہی رہے بلکہ یہ ہے۔کہ متنبہ ہو۔اور صراط مستقیم پر آجائے۔اگر غلام اور آزاد کی مثال پیش کی گئی ہے۔تو ظاہر ہے۔کہ حریت کی تعریف کی گئی ہے۔اور غرض تحریص و ترغیب ہے۔اگر بد اعمالی کے برے نتائج اور نیک عمل کی جزا نیک بتائی ہے۔تو مدعا یہ ہے۔کہ لوگ برائی سے بچیں۔اور نیک بنیں۔

ربنا وسعت کل شئی رحمۃ وعلما ترجمہ۔اے ہمارے رب۔ہر ایک شئے (۴۰-۵) تیری رحمت اور علم میں سمائی ہے

اس موضوع پر مختلف پہلوؤں سے بحث ہو سکتی ہے۔لیکن اصولی بحث جب کہ اختصار مد نظر ہو۔اتنی ہی کافی ہے۔

اسلام میں حریت اور مساوات

الفضل کا یہ نمبر ۱۶ ہم معمول سے کچھ زیادہ چھاپا گیا ہے۔ تا کہ ہمارے احباب حضرت خلیفتہ المسیح کے مضمون حریت و مساوات کی متعدد کاپیاں منگوا کر غیر احمدی حلقہ میں تقسیم کر سکیں۔ ایک آنہ فی پرچہ قیمت کے حساب سے منگوالیں۔

یہ خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی اے کے اس مضمون کا جواب ہے۔ جس کی نسبت ایڈیٹر صاحب وکیل نے اپنی متدعویہ ثقاہت و متانت کو چھوڑ کر نہائت سخیف الفاظ میں اعلان کیا تھا۔ کہ ایک جماعت کے لیڈر کے خیالات کی دھجیاں اڑادی گئی ہیں۔ ناظرین کرام دیکھیں گے۔ کہ قرآن دانی اور دین اسلام کا حقیقی فہم کس کو دیا گیا ہے۔

اب ایڈیٹر صاحب وکیل کو چاہئے۔ کہ خواجہ صاحب کے علاوہ تمام علماء پنجاب و ہند کی مدد حاصل کریں۔ اور اس پر اپنی تنقید شایع کر کے ہمیں دکھائیں۔ کہ وہ از روئے شریعت اسلام حریت و مساوات کے معنے بہتر سمجھتے ہیں۔ ہمیں امید نہیں۔ کہ وکیل کا ایڈیٹوریل سٹاف اس قسم کی جسارت کرے۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے مسٹر ولوبی کے قتل کے معاملہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کے ایک ادنٰے غلام ایڈیٹر الفضل کے مقابل میں وہ زک اٹھا چکا ہے۔ کہ تا عمر یاد رکھیگا۔ بشرطیکہ پنجابی کی ایک مشہور مثل پر عمل نہ ہو۔ ہم یہ الفاظ نہایت مجبوری سے لکھ رہے ہیں۔ کیونکہ وکیل نے اپنا اعلان (دربارہ مضمون خواجہ اختر) بیہودہ الفاظ میں شایع کر کے چار پانچ لاکھ تعلیم یافتہ جماعت کو نہایت دکھ دیا تھا۔

(منیجر الفضل)

اسلام اور حریت و مساوات

از جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب قادیان

کچھ دن ہوئے - کہ ایک گریجوایٹ صاحب نے مری سے میرے نام کچھ سوالات لکھکر بھیجے تھے - جن کا جواب میں نے مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مولوی فاضل و منشی فاضل قادیان کو جو ان دنوں حیضہ ڈاک کے انچارج ہیں - لکھوا دیا تھا - یہ جواب گیارہ نومبر کے الفضل میں شایع کرا دیا گیا تھا - کیونکہ خط بھیجنے والے صاحب جسوقت جواب شایع کیا گیا ہے مری میں نہ تھے - اور ان کا اس وقت کا پتہ معلوم نہ تھا - اور یہ بھی غرض تھی کہ اس سے دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھالیں - اس مضمون کے شایع ہونے پر امرتسر کے روزانہ اخبار وکیل میں خواجہ عباد اللہ صاحب اختر نے ایک سلسلہ مضامین شایع کرایا ہے - جس میں بعض ان باتوں کو رد کیا گیا ہے - جو ان کے خیال میں میں نے لکھی تھیں - چونکہ حریت و مساوات کا سوال ایک خاص اہمیت رکھتا ہے - اور لوگوں کی طبایع اس کی طرف مائل ہیں - اس لئے میں چاہتا ہوں - کہ خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر بی - اے کے مضمون کے متعلق کچھ تحریر کردوں - تاکہ وہ ان لوگوں کے لئے جو حق طلبی کی عادت رکھتے ہیں - رہنمائی کا کام دے - اور میرے نقطہ نگاہ سے بھی لوگ آگاہ ہو جائیں -

اصل مضمون پر غور کئے بغیر جواب دیا گیا

مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے - کہ خواجہ صاحب موصوف نے میرے خط پر غور کئے بغیر اس کا جواب دینا شروع کر دیا ہے - اگر وہ اسے غور سے پڑھتے - تو ان کو معلوم ہو جاتا - کہ اس میں حریت و مساوات کو اسلامی تعلیم کے خلاف نہیں کہا گیا - بلکہ یہ بتایا گیا ہے کہ یہ الفاظ مبہم ہیں - ان کی مختلف تشریحات ہو سکتی ہیں - جن میں سے بعض تشریحات کے موجب ان کا مفہوم اسلامی احکام میں شامل ہو گا - اور بعض کے مطابق اسلامی احکام کے رو سے جائز ہو گا - اور بعض کے رو سے منع ہو گا - اور پھر ان کو یہ بھی معلوم ہو جاتا - کہ اس مضمون میں میں نے اصول کے لفظ کو خاص معنوں میں استعمال کیا ہے -

اور وہ وہی معنے ہیں - کہ جو قرآن کریم اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریحات اور ائمہ اسلام کے استعمال سے ثابت ہوتے ہیں۔

سائل سے حریت و مساوات کی تشریح چاہی گئی تھی

چونکہ خواجہ صاحب نے میرے مضمون پر غور نہیں کیا اس لئے ایک تو انہوں نے یہ دہوکا کھایا ہے - کہ گویا میں ہر ایک صورت میں حریت و مساوات کو ناجائز سمجھتا ہوں - یا اس کا قایم کرنا ناجائز سمجھتا ہوں ۔ حالانکہ میرے خط کا جو حصہ انہوں نے خود نقل کیا ہے - اسی سے ان پر ثابت ہو سکتا تھا - کہ یہ وہم ان کا غلط ہے - وہ میرے خط کا یہ حصہ اپنے مضمون میں نقل کرتے ہیں :-

"حریت اور مساوات اسلام کے بنیادی اصول میں سے نہیں ہیں - خود یہ الفاظ ایسے مبہم ہیں - کہ اپنی بعض تعریفوں کے لحاظ سے اچھے اخلاق بھی نہیں کہلا سکتے - اس لئے حریت و مساوات کی جب تک تعریف نہ کی جائے - اس وقت نہیں کہا جا سکتا - کہ اسلام انہیں جائز بھی قرار دیتا ہے - یا نہیں - مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے ذہن میں ان کی کیا تعریف ہے ؟ ہو سکتا ہے - کہ کسی تعریف کے ماتحت ان دونو امور (حریت و مساوات) کا خیال رکھنا ایک مسلم کے لئے ضروری ہو - اور ہو سکتا ہے - کہ ایک دوسری تعریف کے مطابق صرف جائز ہو - اور ہو سکتا ہے - کہ ایک تیسری تعریف کے مطابق ناجائز ہو۔"

میں نہیں سمجھ سکتا - کہ اس عبارت کی موجودگی میں جسے انہوں نے خود نقل کیا ہے وہ یہ نتیجہ کس طرح نکال سکتے ہیں ۔ کہ میں نے حریت و مساوات کو اسلامی احکام میں شامل نہیں کیا - ان الفاظ سے تو صاف ثابت ہے - کہ میں سائل کو قائل کرنے کیلئے اور اس کی غلطی پر اسے آگاہ کرنے کے لئے پہلے اس سے حریت و مساوات کی تشریح کرانی چاہتا ہوں ۔ تاکہ جب وہ خود تشریح کر دے - تو اس کی تصدیق کرنی یا اس کی غلطی نکالنی آسان ہو جائے - اور میں نے خود لکھ دیا ہے - کہ ان الفاظ کی کئی تشریحیں ہو سکتی ہیں - بعض کے لحاظ سے ان الفاظ کا مفہوم اسلامی اوامر میں شامل ہو جائیگا

بعض کے لحاظ سے صرف جائز رہیگا۔ اور بعض کے لحاظ سے منع ہو جائیگا۔ اگر وہ میرے مضمون پر غور کرتے۔ تو بجائے اس کا جواب لکھنے کے پہلے حریت ومساوات کی تشریح کرتے۔ پھر مجھ سے دریافت کرتے۔ کہ یہ تشریح ان الفاظ کی اسلامی احکام میں شامل ہے۔ یا اسلام کے رو سے جائز ہے۔ یا منع ہے۔ اور پھر میرے جواب پر جو چاہتے۔ لکھتے۔ میں تو سائل سے ان الفاظ کی تشریح چاہتا ہوں۔ اور خواجہ صاحب پہلے ہی جواب لکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ کاش! وہ جواب لکھنے کی طرف توجہ کرنے سے پہلے میرے خط کو سمجھنے کی تکلیف گوارا کرتے۔

اصول کا لفظ ارکان اسلام کے معنوں میں استعمال کیا گیا

دوسری ٹھوکر جلد بازی کے سبب سے خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر نے یہ کھائی ہے۔ کہ انہوں نے یہ نہیں سوچا۔ کہ میں نے اصول اسلام کے الفاظ کن معنوں میں استعمال کئے ہیں۔ جیسا کہ میری تحریر سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہ الفاظ میں نے ارکان اسلام کے معنوں میں استعمال کئے۔ لیکن خواجہ صاحب کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ انہیں احکام کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں۔ حالانکہ احکام تو اسلام کے سینکڑوں ہیں۔ مگر صرف چند ہی ارکان کا پتہ قرآن کریم اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ جن عقائد کو خدا تعالےٰ نے ایمان میں شامل کیا ہے۔ اور ان کا انکار کفر قرار دیا ہے۔ وہ ارکان ایمان ہیں۔ اور قرآن کریم سے ایسی باتیں پانچ ہی ثابت ہوتی ہیں۔ اول اللہ تعالےٰ پر ایمان لانا دوم ملائکہ پر سوم نبیوں پر۔ چہارم کتب سماوی پر۔ پنجم بعث مابعد الموت پر۔ چونکہ خدا تعالیٰ پر ایمان لانے کے اندر ہی اس کی صفات کے ظہور پر ایمان لانا بھی شامل ہے۔ اس لئے مسلمانوں نے ایمان بالقدر کو بھی ارکان ایمان میں شامل کیا ہے۔ اور یہ ان کا فیصلہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے مطابق ہے۔

قرآن کریم سے ارکان اسلام کا ثبوت۔ قرآن کریم سے ارکان اسلام مختلف

آیات کے مطالعے سے معلوم ہوتے ہیں۔ جنمیں سے ایک یہ آئیت ہے:۔

ومن یکفر باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضل ضلالاً بعیدا۔ ترجمہ: جو شخص کفر کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ملائکہ کا اور اس کی کتب کا اور اس کے رسولوں کا اور یوم آخر کا وہ دور کی گمراہی میں مبتلا ہوگیا۔

اسی طرح فرماتا ہے:۔

ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا اولئک ھم الکافرون حقا واعتدنا للکافرین عذابا مھینا

ترجمہ۔ وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں۔ اللہ اور اس کے رسولوں کا۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ اللہ اور اس کے رسولوں میں فرق کریں۔ اور کہتے ہیں۔ کہ ہم بعض کو مانینگے۔ اور بعض کو نہیں مانینگے۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ اس کے درمیان کوئی راستہ تلاش کریں۔ یہ لوگ سچے کافر ہیں۔ اور کافروں کے لئے ہم نے رسوا کرنے والا عذاب مقرر کیا ہے۔

پس قرآن کریم کے رو سے عقائد کے اصول جن میں سے کسی ایک کے چھوٹنے پر بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ یہی پانچ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ ملائکہ پر ایمان لانا۔ کتب پر ایمان لانا۔ رسولوں پر ایمان لانا اور یوم الآخر پر ایمان لانا۔ قضا و قدر پر ایمان لانا۔ جیسا کہ میں پہلے بتا چکا ہوں۔ خدا تعالےٰ پر ایمان لانے میں شامل ہے۔ کیونکہ بندہ کا خدا تعالیٰ سے تعلق اس کی قدر کے ہی ذریعہ ہے۔ اگر قضا و قدر جاری نہ ہو۔ تو خدا تعالیٰ اور بندہ کے درمیان کوئی واسطہ ہی نہیں رہتا۔ اور اس پر ایمان لانے میں کوئی فائدہ یا روحانی ترقی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہی وجہ ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ایمان بالقدر کو بھی ایمانیات کے اندر شامل کیا ہے۔ احادیث سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایمان کے یہی ارکان ہیں۔ کیونکہ احادیث میں آتا ہے۔ کہ رسول

کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک دفعہ حضرت جبرائیل آئے - اور آپ سے سوال کیا - کہ "ما الایمان" ایمان کیا ہے - تو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا - کہ

الایمان ان تومن باللہ وملائکتہ وبلقائہ وبرسلہ وتومن بالبعث -

ترجمہ - ایمان یہ ہے - کہ تو اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے اور اس کے فرشتوں پر اور اس کے لقاء پر اور اس کے رسولوں پر - اور یہ کہ ایمان لائے مرنے کے بعد اٹھنے پر -

اور اسمٰعیل کی روایت میں برسلہ کے بعد کتبہ بھی ہے - یعنی اللہ تعالےٰ کی کتب پر ایمان لائے - مگر میرے نزدیک اس لفظ کے بغیر بھی کتابوں پر ایمان کا ذکر اس حدیث میں آ جاتا ہے کیونکہ اس حدیث میں لقاء کا لفظ ہے - جس کے معنے شراح نے خدا تعالےٰ کی ملاقات کے کئے ہیں - اور یہ معنے ہیں بھی ٹھیک - مگر انہوں نے اس سے مراد مرنے کے بعد کی ملاقات لی ہے - حالانکہ یہ بات بعث پر ایمان لانے کے اندر ہی آ گئی ہے - لقاء سے مراد کتب ہی ہیں - کیونکہ وہ خدا تعالےٰ کی ملاقات کا ذریعہ ہیں - بندہ اپنے رب سے اس کے کلام کے ذریعہ ہی ملتا ہے - اس کے متعلق ایک لطیف استدلال صاحب بصیرت کیلئے جو دوسروں کی خوشہ چینی پر کفایت نہ کرتا ہو - آیت کریمہ "ولقد اٰتینا موسی الکتٰب فلا تکن فی مریۃ من لقائہ" یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی - تا کہ تم اس کے لقاء سے شک میں نہ ہو" سے بھی ہو سکتا ہے -

وہ اعمال جن کا اسلام نے حکم دیا ہے -

دوسری قسم ہے اعمال کی - ان میں سے ایک تو فعلیہ ہیں یعنی جن کے کرنے کا حکم ہے - اور ایک ترکیہ ہیں - یعنی جن کے ترک کرنے کا حکم دیا گیا ہے - فعلیہ اصول میں نے اپنے خط میں نماز - زکوٰۃ - حج اور روزہ بتائے تھے - اور یہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ہی ارشاد ہے - اس میں میرا کوئی دخل نہیں - آپ فرماتے ہیں - کہ

بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ - واقام الصلوٰۃ وایتاء الزکوٰۃ والحج وصوم

ترجمہ - اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر رکھی گئی ہے یہ گواہی دینا کہ اللہ ایک ہے اور محمدؐ اسکے رسول ہیں - اور نماز ادا کرنی - زکوٰۃ دینی اور حج اور

رمضان (بخاری کتاب الایمان) رمضان کے روزے۔

اسی حدیث میں جس کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سوال پر کہ اسلام کیا ہے۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ

الاسلام ان تعبد اللہ ولا تشرك به و تقیم الصلوٰة وتودی الزکوٰة المفروضة وتصوم رمضان۔

ترجمہ۔ اسلام یہ ہے۔ کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے نماز کو قایم کرے۔ اور فرض زکوٰة ادا کرے اور رمضان کے روزے رکھے۔

بخاری میں حج کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن دوسرے بعض راویوں نے حج کا بھی ذکر کیا ہے۔

اسی طرح طلحہ بن عبید اللہ سے روایت ہے۔ کہ ایک شخص رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا۔ اور آپ سے سوال کیا۔ کہ اسلام کیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔

خمس صلوٰة فی الیوم واللیلة فقال هل علی غیرها قال لا الا ان تطوع قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم وصیام رمضان قال هل علی غیره۔ قال لا الا ان تطوع قال وذکر له رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الزکوٰة۔ قال هل علی غیرها قال لا الا ان تطوع قال فادبر الرجل وهو یقول واللہ لا ازید علی هذا ولا انقص قال رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم افلح ان صدق

ترجمہ۔ اسلام کے اصول پانچ نمازیں ہیں دن اور رات میں۔ اس نے پوچھا۔ کہ کیا ان کے سوا مجھ پر کچھ اور بھی فرض ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں ہاں اگر شوق سے زیادہ نماز پڑھو۔ تو اور بات ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اور رمضان کے روزے۔ پھر اس نے دریافت کیا۔ کہ ان کے سوا مجھ پر اور روزہ بھی ہیں۔ آپ نے فرمایا نہیں ہاں تم اپنی خواہش سے زیادہ رکھو۔ تو رکھ سکتے ہو۔ پھر آپ نے اس کے سامنے زکوٰة کا مسئلہ بیان فرمایا۔ اس نے پوچھا۔ کہ کیا مجھ پر اس سے زیادہ کچھ اور بھی فرض ہے۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ ہاں اگر تم اپنی خواہش سے زیادہ دو۔ تو یہ اور بات ہے۔ اس پر وہ شخص چلا گیا۔ اور چلتے ہوئے کہتا گیا۔ کہ

خدا کی قسم میں نہ اس سے زیادہ کروں گا نہ کم۔
آپ نے فرمایا۔ کہ اگر اس شخص نے اپنی بات
پوری کردی۔ تو کامیاب ہو گیا۔

اس حدیث میں حج کا ذکر نہیں۔ لیکن چونکہ دوسری احادیث میں ارکان اعمال میں حج کو شامل کیا گیا ہے۔ اس لئے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ خیال فرما کر کہ عرب لوگ حج کو خود ہی ضروری خیال کرتے ہیں۔ صرف وہ احکام بیان فرمادئے۔ جو اسلام میں نئے نازل ہوئے تھے۔

غرض عبادت فعلیہ کے یہ چار ارکان ہیں۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں۔ اور شراح احادیث اس شخص کے سوال کے متعلق کہ اسلام کیا ہے لکھتے ہیں۔ کہ اس کا سوال ان ارکان اسلام کے متعلق تھا۔ جو اعمال سے تعلق رکھتے ہیں پس رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد اور علماء اسلام کی تشریح کے مطابق اعمال فعلیہ کے بھی چار ارکان ہیں۔ اور یہی چاروں میں نے اپنے جواب میں بیان کئے ہیں۔

عبادت ترکیہ کے اصولی احکام

عبادت ترکیہ یعنی ان احکام میں سے جن کے نہ کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ میں نے چار اصل بیان کئے ہیں۔ قتل نہ کرنا۔ چوری نہ کرنا۔ زنا نہ کرنا۔ خیانت نہ کرنا۔ چار اصل بطور استدلال میں نے قرآن کریم ہی سے لئے ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں قتل کے جرم کی سزا قتل بیان کی گئی ہے۔ اور زنا کی سزا کوڑے۔ اور بعض صورتوں میں مطابق فیصلہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم رجم اور چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا اور ڈاکہ یا چوری کی حد میں آجاتا ہے۔ یا قتل کے دائرہ میں۔ اس لئے اس کو میں نے الگ نہیں بیان کیا تھا۔ چوتھا جرم جس کے لئے سزا مقرر ہے۔ قذف اور افترا ہے جسے میں نے وسعت کے خیال سے خیانت سے تعبیر کیا تھا۔ پس یہی چار احکام ہیں۔ جو عبادت ترکیہ کے اصل ہیں۔ باقی جسقدر احکام ہیں۔ ان کی سزا یا تو غیر معین ہے۔ اور سیاست پر چھوڑ دی گئی ہے۔ یا ان کا

معاملہ قیامت پر رکھا گیا ہے۔ ان کے سوا باقی تمام عقائد یا اوامر یا نواحی انہی کے فروع ہیں۔ یا ان کے اندر وہی اصل مخفی ہے۔ جو ان عقائد و اوامر و نواحی میں ہے یہ چاروں نواحی یکجائی طور پر عورتوں کی بیعت کے الفاظ میں جمع کر دی گئی ہے چنانچہ سورہ ممتحنہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یاایھا النبی اذا جاءک المومنات یبایعنک علیٰ ان لا یشرکن باللہ شیئًا ولا یسرقن ولا یزنین ولا یقتلن اولادھن ولا یاتین ببھتان یفترینہ بین ایدیھن وارجلھن ولا یعصینک فی معروف فبایعھن واستغفر لھن۔

ترجمہ۔ اے نبی جب تیرے پاس مسلمان عورتیں اس بات کی بیعت کرتی ہوئی آئیں۔ کہ وہ کسی چیز کو اللہ کا شریک نہ کریں۔ نہ چوری کریں نہ زنا کریں۔ نہ اپنی اولاد کو قتل کریں۔ اور اپنے ہاتھ پاؤں میں طوفان باندھ کر نہ لائیں۔ اور نہ کسی حکم شرع میں تیری نافرمانی کریں۔ پس ان سے بیعت لے۔ اور ان سے بخشش مانگ۔

اصول اور احکام میں فرق نہیں کیا گیا

کوئی عقلمند یہ خیال نہیں کر سکتا۔ کہ میرا یہ مطلب تھا۔ کہ ان احکام کے سوا اسلام میں اور کوئی حکم ہی نہیں ہیں۔ گو ان کے سوا احکام سینکڑوں ہیں۔ چنانچہ سائل کے اس سوال کے جواب میں کہ کیا نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے خلفا کا یہ فرض نہیں۔ کہ وہ دنیا کی چھوٹی حکومتوں کو ظلم سے بچائیں۔ میں نے یہی جواب دیا ہے۔ کہ اگر حریت و مساوات کی کوئی ایسی تعریف ہے۔ جو احکام اسلام کے نیچے آ جاتی ہے۔ اور کسی اور اسلامی حکم کے مخالف نہیں پڑتی۔ تو اس کی تلقین کرنا خلفاء اسلام کا فرض ہے۔ اس جواب سے صاف ظاہر ہے۔ کہ میں نے اصول اور احکام میں فرق کیا ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو میں نے حریت و مساوات کو اصول اسلام سے خارج کیا ہے۔ اور دوسری طرف یہ لکھا ہے کہ اگر اس کی کوئی ایسی تعریف کی جائے۔ جو احکام اسلام کے مطابق ہو۔ تو پھر اس کی تلقین فرض ہو جائے گی۔ خواجہ صاحب نے اسی فرق کو نہ سمجھتے ہوئے میرے

مضمون کا جواب لکھنا شروع کر دیا ہے۔ اور حریت و مساوات کو احکام اسلام میں سے ثابت کرنے کی کوشش کر کے یہ فرض کر لیا ہے۔ کہ انہوں نے میرے مضمون کا جواب دے دیا ہے۔ حالانکہ نہ میں نے یہ لکھا تھا۔ کہ حریت و مساوات کی تمام تعریفات کے رو سے وہ احکام اسلام میں شامل نہیں ہو سکتیں۔ اور نہ میں نے یہ لکھا تھا۔ کہ اصل اور حکم ایک ہی شئے ہے۔ کاش وہ ذرہ بھر بھی تدبر سے کام لیتے۔ اور میرے مضمون پر غور کرتے۔ اور یا تو سائل کو خود آگے آ کر اپنے مطلب کو بیان کرنے دیتے۔ یا خود حریت و مساوات کی تعریف کر کے اس کے متعلق مجھ سے سوال کرتے۔ کہ یہ تعریف احکام اسلام میں شامل ہے یا نہیں۔ اگر اس تعریف کو میں احکام اسلام میں شامل نہ قرار دیتا۔ اور اگر ان کی تسلی میرے جواب سے نہ ہوتی۔ تو وہ اس کا جواب لکھتے۔

خواجہ صاحب کے نزدیک حریت و مساوات کو کیوں اصول اسلام سے خارج کیا گیا

خواجہ صاحب نے اپنے مضمون کے آخر میں یہ بات ظاہر کرنے کی بھی کوشش کی ہے۔ کہ مجھے دھوکا کس طرح لگ گیا۔ اور کس طرح میں نے حریت و مساوات کو اسلام کے بنیادی اصول میں سے خارج کر دیا۔ اور بعض آیات ایسی نقل کی ہیں۔ جن میں بعض گروہوں کے غیر مساوی ہونے کا ذکر ہے۔ اور نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ شاید ان آیتوں سے مجھے دھوکا لگ گیا۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں۔ خواجہ صاحب کا منشاء یہ نہیں ہے۔ کہ وہ میرے مضمون کو کسی قدر معقولیت کا جامہ پہنائیں۔ بلکہ ان کا اصل منشاء یہ بات ظاہر کرنا ہے۔ کہ وہ ان دلائل سے بھی خوب واقف ہیں۔ جو میں اپنے مدعا کے ثبوت کے لئے پیش کرونگا حالانکہ ان کو معلوم ہونا چاہئے تھا۔ کہ اس معاملہ میں دلائل دینا میرے ذمہ نہیں۔ بلکہ سائل کے ذمہ ہے۔ کہ وہ پہلے اپنے سوال کا مطلب بیان کرے۔ جبتک وہ اپنے مطلب کو واضح نہ کرلے۔ اس وقت تک اس کے سوال کا جواب دینا وقت کا ضایع کرنا ہے۔ بلکہ اگر وہ سوال کو واضح کر دیگا۔ تو اس کے سوال کا جواب خود اس کی اپنی تشریح

میں ہی آجائیگا۔ یا اس پر اپنی غلطی کھل جاویگی۔

الزامی جواب کی اقسام

اس تمہید کے بعد میں خواجہ صاحب کے مضمون کے مختلف حصوں پر روشنی ڈالتا ہوں۔ خواجہ صاحب اپنے مضمون میں لکھتے ہیں۔ کہ میں نے سائل کو الزامی جواب دئے ہیں۔ اور یہ کمزوری ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ الزامی جواب سے بالعموم اصل مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف سائل خاموش ہو جاتا ہے۔ اور اسی لئے الزامی جواب کو اصولی جواب کے مدمقابل قرار دیکر اسے کمزور سمجھا جاتا ہے۔ لیکن جو لوگ کلام کی حقیقت اور اس کے معارف سے واقف ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ الزامی جواب کئی اقسام کے ہوتے ہیں۔ بعض دلیل کے لحاظ سے کمزور ہوتے ہیں۔ بعض مضبوط ہوتے ہیں۔ اور بعض ایسے مضبوط ہوتے ہیں۔ کہ اصولی جواب بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

کونسا الزامی جواب کمزور ہوتا ہے

وہ الزامی جواب جو کمزور ہوتا ہے۔ اس کی یہ شرط ہے۔ کہ اس کے ذریعہ سے کسی عیب کو چھپانے کی کوشش کیجائے یعنی جس پر اعتراض کیا جائے۔ وہ اس بات کو محسوس کرتا ہو۔ کہ اس کی جس بات پر اعتراض کیا گیا ہے۔ وہ واقعہ میں ایک عیب اور کمزوری ہے۔ اور اس پر پردہ ڈالنے کے لئے معترض کے کسی عیب کی طرف اشارہ کرے۔ مثلاً دو شخص جو مل کر تجارت کر رہے ہیں۔ ان میں سے ایک دوسرے کو خیانت کرتے ہوئے دیکھے۔ اور اسے کہے۔ کہ کیوں صاحب یہ کام بھی جائز ہے۔ تو آگے سے وہ شخص معترض کی کسی خیانت کی طرف جس سے وہ آگاہ تھا۔ اشارہ کر کے کہ دے۔ کہ ہاں جس طرح وہ جائز تھی۔ یہ بھی جائز ہے۔ یہ الزامی جواب کہلائیگا۔ اور کمزور ہوگا کیونکہ اس جواب سے جواب دینے والے کی بریت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ صرف اسقدر ثابت ہوتا ہے۔ کہ وہ شخص جس نے اعتراض کیا تھا۔ خود اسی قسم کی مرض میں مبتلا ہے۔ اور اس جواب سے مجیب کی غرض صرف معترض کو خاموش کرنا ہے۔

قسم دوم کے الزامی جواب

دوسری قسم کا الزامی جواب یہ ہوتا ہے۔ کہ جس بات پر اعتراض کیا جاتا ہے۔ وہ مجیب کے مذہب میں پائی ہی نہیں جاتی۔ یا اس کے نزدیک جائز ہی نہیں ہوتی۔ یا یہ کہ وہ بات عقلاً اور اخلاقاً بالکل درست ہوتی ہے۔ اور اس پر اعتراض ہی نہیں پڑ سکتا۔ یا یہ کہ جو اعتراض کیا جاتا ہے۔ وہ اعتراض ہی نہیں ہوتا۔ لیکن مجیب وقت بچانے کیلئے کسی ایسی ملتی جلتی لیکن نادرست اور ناواجب بات کی طرف جو معترض یا معترض کے مذہب یا عقیدہ میں پائی جاتی ہے۔ اشارہ کر دیتا ہے۔ اور اس سے اس کی غرض یہ ہوتی ہے۔ کہ سائل کو خاموش کر دے۔ مثلاً اگر کوئی آریہ اسلام پر اعتراض کر دے۔ کہ اسلام میں متعہ کی اجازت ہے۔ اور اس پر کوئی سنی المذہب اس کے جواب میں کہدے۔ کہ ہاں یہ مسئلہ ایسا ہی ہے۔ جیساکہ آریہ مت میں نیوگ کا مسئلہ۔ تو اس سے اس کی غرض معترض کو خاموش کرنا ہوگی۔ اور وہ صرف اس تاریکی بحث میں پڑنے سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ کہ متعہ اسلامی مسئلہ ہے بھی کہ نہیں۔ ورنہ اصل حقیقت یہ ہے۔ کہ اسلام میں نہ اسوقت متعہ جائز ہے۔ نہ کبھی پہلے جائز ہوا۔ جب تک اسلام کا حکم اس مسئلہ کے متعلق نازل نہ ہوا تھا۔ اس وقت تک رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم عرب کی رسوم کے مطابق اس فعل کی اجازت دیتے رہتے تھے۔ کیونکہ آپ کی عادت مبارک میں یہ بات داخل تھی۔ کہ آپ الٰہی حکم کے نزول تک لوگوں کی رسوم و عادات میں دخل دینا پسند نہ فرماتے تھے۔ اور الٰہی کلام کا ادب رکھتے تھے۔

یا مثلاً کوئی آریہ صاحب اسلام کے مسئلہ کثرت ازدواج پر اعتراض کر دیں۔ اور کوئی مسلمان نیوگ کا حوالہ دیکر ان کو خاموش کرا دے۔ تو یہ بھی الزامی جواب ہوگا۔ لیکن اس میں پہلے جواب سے یہ فرق ہوگا۔ کہ پہلا جواب تو ایک ایسے اعتراض سے بچنے کیلئے تھا۔ جس کا مورد اسلام میں موجود ہی نہ تھا۔ اور یہ جواب ایک ایسی بات پر سے اعتراض ہٹانے کے لئے ہے۔ جو فی الواقعہ اسلام میں موجود ہے۔ اور صرف وقت کو بچانے کے لئے یا معترض پر یہ بات روشن کرنے کے لئے ہے۔ کہ اس کا اعتراض نیک نیتی

پر مبنی نہیں۔ کیونکہ باوجود ایک ایسی بات پر یقین رکھنے کے جس میں شناعت کا پہلو موجود ہے۔ وہ ایک ایسی بات پر اعتراض کرتا ہے۔ جس میں کوئی شناعت کا پہلو موجود ہی نہیں۔

یا مثلاً یہ کہ کوئی مسیحی اسلام پر اعتراض کرے۔ کہ اسلام کی ترقی کا باعث جنت کا عقیدہ ہے۔ لوگوں کو لالچ دلاکر اسلام میں داخل کر لیا گیا ہے۔ اور اس کا کوئی مسلمان یہ جواب دیدے۔ کہ ہاں جس طرح ادنےٰ اقوام کو مسیحی روپیہ پیسہ دیکر اور قسم قسم کی لالچیں دیکر مسیحی بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں نے بھی کیا ہے۔ یہ جواب بھی اسی قسم کے الزامی جوابوں میں شامل ہوگا۔ جو پہلے مذکور ہوئی ہے۔ مگر پہلے دو جوابوں میں اور اس جواب میں یہ فرق ہوگا۔ کہ پہلا الزامی جواب تو ایک ایسے اعتراض کے متعلق تھا۔ جس کا مورد اسلام میں موجود ہی نہ تہا۔ اور دوسرا الزامی جواب ایک ایسے اعتراض کے متعلق تہا۔ جس کا مورد تو موجود تہا۔ لیکن اس پر وہ اعتراض نہ پڑتا تھا۔ جو دشمن نے کیا۔ اور یہ آخری مثال اس امر کی ہے۔ کہ جو اعتراض کیا گیا تھا۔ وہ اعتراض ہی نہیں ہے۔ اس قسم کی تحریک کرنی کہ اس مذہب کو قبول کرکے تم سکھ پاؤگے۔ لالچ نہیں ہے۔ بلکہ مذہب کی ضرورت کا اظہار ہے۔ اور اس دعویٰ کے بغیر کوئی مذہب سچا ہو ہی نہیں سکتا۔

قرآن کریم سے دوسری قسم کے الزامی جواب کی مثال

یہ دوسری قسم الزامی جواب کی گو پہلی قسم کی نسبت مضبوط ہے۔ لیکن پھر بھی اس میں یہ کمزوری ہے۔ کہ اس سے دشمن کی کمزوری اور اس کا تعصب تو ظاہر ہو جاتا ہے۔ لیکن اس امر کی نسبت لوگوں کا علم وسیع نہیں ہوتا۔ جسپر اعتراض کیا گیا تھا کیونکہ لوگ دیکھتے ہیں۔ کہ جس امر کی طرف اشارہ کرکے معترض کو خاموش کیا گیا ہے وہ امر اور قسم کا ہے۔ اور جسپر اعتراض کیا گیا ہے۔ وہ اور قسم کا ہے۔ اور ان کے دل میں یہ تڑپ باقی رہتی ہے۔ کہ اس کی خوبیوں پر بھی اطلاع ملے۔ بلکہ معترض کے دل میں بھی خواہش باقی رہتی ہے۔ گو وہ اس جواب کے ڈر سے دوبارہ اعتراض اٹھانے کی جرأت نہیں کرتا۔ یہ قسم جواب کی اسی وقت مکمل ہوتی ہے۔ جب اس کیساتھ اصلی جواب بھی دیدیا جائے

چنانچہ قرآن کریم میں اس قسم کے الزامی جوابوں کی مثالیں ملتی ہیں۔ جیساکہ فرماتا ہے

الذین قالوا ان اللہ عہد الینا الا نؤمن لرسول حتیٰ یاتینا بقربان تاکلہ النار قل قد جاءکم رسل من قبلی بالبینٰت وبالذی قلتم فلم قتلتموھم ان کنتم صٰدقین

ترجمہ۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہمیں حکم دیا ہوا ہے۔ کہ ہم صرف اس رسول کو مانیں، جو سوختنی قربانی کا حکم دے۔ ان سے کہدو کہ مجھ سے پہلے بہت رسول تمہاری طرف آئے ہیں جن کے پاس دلائل بھی تھے۔ اور وہ حکم بھی دیتے تھے جسکی طرف تم اشارہ کرتے ہو۔ پھر کیا اگر تم سچے ہو۔ تو تم نے انکو مان لیا تہا۔ اور ان کا مقابلہ نہیں کیا تہا۔

اس جگہ یہ ثابت نہیں کیا گیا۔ کہ سوختنی قربانی کا حکم ضروری ہے۔ یا نہیں، صرف ان کو اس جواب سے خاموش کر دیا گیا ہے۔ کہ تمہارا حق نہیں کہ یہ اعتراض کرو۔ کیونکہ تم ان رسولوں کا مقابلہ بھی کرتے رہے ہو۔ جو سوختنی قربانی کا بھی حکم دیتے تھے۔ مگر چونکہ قرآن کریم ہر ایک پہلو کو مکمل کرتا ہے۔ اگلی آیات میں جاکر یہ بھی جواب دیدیا۔ کہ یہ دعوےٰ باطل ہے۔ کہ تم کو کوئی ایسا حکم تھا۔ تم تو تورات پر افترا کرتے ہو۔ اور تمہاری یہ عادت ہے چنانچہ آگے چل کر فرمایا کہ

واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتٰب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ فنبذوہ وراء ظھورھم

اللہ تعالےٰ نے تو اہل کتاب سے عہد لیا تہا۔ کہ یہ مسائل تورات کو چھپائینگے نہیں، لیکن یہ اس عہد کے پابند نہ رہے۔

یعنی اب یہ لوگوں کو غلط مسائل بتلانے لگے ہیں۔ جن میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے۔ کہ اسوقت تک کسی رسول کو نہیں ماننا چاہئے۔ جبتک وہ سوختنی قربانی کا حکم نہ دے۔

قسم سوم کے الزامی جواب

ان دونو قسموں کے سوا ایک۔ تیسری قسم الزامی جواب کی ہوتی ہے۔ جو بلحاظ دلیل کے ایسی ہی مضبوط ہوتی ہے جیسے کہ اصولی جواب۔ کیونکہ گو وہ بظاہر الزامی جواب نظر آتی ہے۔ لیکن اس کی اصلی

غرض یہی ہوتی ہے۔ کہ اصولی جواب کی طرف سائل کی توجہ کو پھیرا جائے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔ کہ کبھی معترض کو سمجھانے کے لئے اس کے اعتراض کے جواب میں اسی کے عقیدہ اور خیال کی ایک ایسی بات اس کو یاد دلائی جاتی ہے۔ جو بعینہٖ اسی قسم کی ہوتی ہے۔ جس پر اس شخص نے اعتراض کیا ہوتا ہے۔ لیکن جس طرح یہ بات قابل اعتراض نہیں ہوتی۔ جس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ وہ بھی قابل اعتراض نہیں ہوتی۔

قرآن کریم سے تیسری قسم کے الزامی جواب کی مثال

اس قسم کے الزامی جواب قرآن کریم میں بھی دئے گئے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالےٰ کفار کا اعتراض سورہ انبیاء میں نقل فرماتا ہے۔ کہ

هل هذا الا بشرٌ مثلکم۔ ترجمہ نہیں ہے یہ شخص مگر تمہارے جیسا ایک آدمی۔

اور اس کا جواب آگے چل کر یہ دیتا ہے۔ کہ

وما ارسلنا قبلك الا رجالا نوحی الیهم فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

ترجمہ۔ ہم نے تجھ سے پہلے بھی آدمی ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی کرتے تھے۔ اگر تم کو معلوم ہو۔ تو یہود و نصاریٰ سے پوچھ لو۔

اس میں بھی الزامی جواب ہی دیا ہے۔ کیونکہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے مخالف اور کسی کی نہ سہی۔ حضرت ابراہیم کی نبوت کے اور آپ کے خدا رسیدہ ہونے کے تو ضرور قائل تھے۔ اللہ تعالیٰ بجائے یہ ثابت کرنے کے کہ نبی کے لئے بشر ہونا ضروری ہے۔ صرف یہ حوالہ دیتا ہے۔ کہ پہلے نبی جن کو مانتے ہو۔ وہ بھی تو ایسے ہی تھے۔

قسم سوم کے الزامی جواب کا فائدہ

اس قسم کے الزامی جواب سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ معترض جس بات کو تسلیم کرتا ہے۔ اس کے خلاف اسے تعصب نہیں ہوتا۔ اور اس کی تائید میں اس کے پاس دلائل ہوتے ہیں۔ پس بجائے اس کے کہ اس بات کی تائید میں جس پر اس نے اعتراض کیا ہوتا ہے۔ دلائل دئے جائیں۔ یہ زیادہ سہل طریق ہوتا ہے۔ کہ اس کی تسلیم کردہ باتوں میں سے کوئی اس کے سامنے پیش کر دی جائے۔ تاکہ اس کی تائید میں جو دلائل اس کے پاس ہیں۔ انہی کے

ذریعہ سے وہ اس بات کی صداقت کو بھی سمجھ لے۔ جس پر وہ اعتراض کرتا ہے۔ پس گو بظاہر یہ جواب الزامی ہوتا ہے۔ لیکن در اصل حقیقی جواب ہوتا ہے۔ اس میں اور حقیقی جواب میں صرف یہ فرق ہوتا ہے۔ کہ حقیقی جواب میں دلائل مجیب کو دینے پڑتے ہیں۔ اور اس قسم کے الزامی جواب میں خود معترض کے ہی منہ سے اپنے دعوے کی تائید میں دلائل دلوائے جاتے ہیں۔ ایسا الزامی جواب بجائے کمزور ہونے کے عام طور پر حقیقی کہلانے والے جواب سے زیادہ سہل اور مفید ہوتا ہے۔ اور مضبوطی میں بھی اس سے کم نہیں ہوتا اور خصوصاً اس صورت میں اور بھی زیادہ مضبوط ہوتا ہے۔ جبکہ اعتراض صرف ایک ہی جماعت کی طرف سے وارد ہوتا ہو۔ کیونکہ جو اعتراض مختلف پہلو رکھتا ہو۔ اور متعدد جماعتوں کی طرف سے پڑ سکتا ہو۔ وہ حقیقی جواب کے بغیر مکمل طور پر حل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ الزامی جواب صرف اس نقطہ خیال پر روشنی ڈالیگا۔ جو سائل یا اس کے ہم خیالوں سے تعلق رکھتا ہے۔ اور دوسری جماعتوں کے نقطہ خیال کے مطابق جو اس پر اعتراض ہوتا ہے۔ وہ دور نہ ہو سکیگا۔ لیکن اگر اعتراض ایک ہی جماعت کی طرف سے ہو سکتا ہو۔ تو پھر مندرجہ بالا قسم کا الزامی جواب حقیقی جواب سے بھی زیادہ مفید ہوگا۔ کیونکہ اس میں حقیقی جواب کی طرح روشنی بھی ہو گی۔ اور الزامی جواب کی طرح قوت اور شدت بھی ہوگی۔

سائل کو تیسری قسم کے جواب دیئے گئے تھے۔

اس تفصیل کے بعد میں خواجہ صاحب کو توجہ دلاتا ہوں کہ میرے جوابات گو الزامی تھے۔ مگر اسی تیسری قسم کے تھے مثلاً جلیانوالہ باغ کے متعلق جو اعتراض ہوا ہے۔ اس کا جو جواب میں نے دیا ہے۔ اور جس کی طرف خواجہ صاحب نے اشارہ بھی کیا ہے۔ وہ اسی قسم کا ہے۔ کیونکہ اس میں میں نے سائل کے ہم خیال لوگوں کے ایک مستحسن فعل کی طرف اشارہ کر کے بتایا ہے۔ کہ جس طرح انہوں نے فساد کو دور کرنے کے لئے کرتارپور اور بہار کے وحشی اور انسانیت سے عاری قاتلوں کو معاف کر دیا ہے۔ اسی طرح اگر بادشاہ

معظم کے اعلان کے جواب میں ہم لوگوں نے جلیبا نوالے کے واقعہ کو بہلا دیا ہے۔ تو کون سی قباحت آگئی۔ یہاں دو نو فعل مستحسن ہیں۔ اور ایک ہی قسم کے ہیں۔ سائل ایک کام کرتا ہے۔ اور دوسرا اسے برا معلوم ہوتا ہے۔ اس کو یہ امر سمجھانے کے لئے کہ دوسرا کام بھی مستحسن ہے۔ اس کے اپنے فعل کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ وہ دلائل جن کے باعث اس نے پہلا کام کیا ہے۔ اسے یاد آ جائیں گے۔ اور اس کا اعتراض دوسرے کام پر سے خود بخود اٹھ جائیگا۔ اور اس جواب سے ہر ایک شخص جو اس کا ہم خیال ہوگا۔ وہ بھی تسلی پالیگا۔ اور بجائے اس کے کہ ہم اس کو اپنے فعل کے دلائل دیں۔ خود اس کا ذہن اس کے سامنے حقیقی دلائل پیش کر دیگا۔ پس اس الزامی جواب میں اور حقیقی جواب میں یہی فرق ہے۔ کہ اس جواب کے ذریعہ سے خود معترض کے منہ سے اپنے فعل کے مستحسن ہونے کا اقرار کرانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اور بجائے دلائل کو کاغذ پر لا کر اس کے سامنے پیش کرنے کے خود اسی کے دماغ میں ایسی حرکت پیدا کر دی گئی ہے۔ کہ خود ہی دلائل اس کے سامنے آ جائیں۔

اسلامی اخوت کا مطلب

خواجہ صاحب نے جوابوں کی نسبت الزامی ہونے کا الزام قائم کر کے سب سے پہلے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ اسلام نے اخوت قائم کی ہے۔ اس لئے جو مساوات اخوت میں ہوتی ہے وہی بنی نوع انسان میں قائم ہونی چاہیئے۔ اگر خواجہ صاحب کا یہ منشا ہے۔ کہ اسلام کی رو سے تمام بنی نوع انسان اپنی پیدائش میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ یا یہ کہ ان کو ایک دوسرے کو حقیر نہیں سمجھنا چاہیئے۔ اور ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہیئے۔ تو یہ سچی بات ہے۔ اس کا کسی کو انکار نہیں۔ لیکن اگر خواجہ صاحب کا اس سے زیادہ کچھ اور مطلب ہے۔ تو وہ اس آیت سے نہیں نکلتا۔ کیونکہ باوجود اس تعلیم کے اسلام نے حقیقی بھائیوں اور دوسرے لوگوں میں فرق کیا ہے۔ پس جبتک اس آیت کو ان آیات و احکام کے ماتحت نہ لایا جائیگا۔ جن سے

اس مسئلہ کی تفصیل معلوم ہوتی ہے۔ اس آیت کو عام کر کے کامل مساوات کا ثبوت نکالنا غلط ہے۔

اسلام میں مرد و عورت کے حقوق

اس سے آگے خواجہ صاحب نے عورت اور مرد کی عدم مساوات کا سوال اٹھایا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ یہی ایک فرق ہے۔ جسے عدم مساوات کے حق میں پیش کیا جا سکتا تھا لیکن اسلام نے اس فرق کو بھی مٹا دیا ہے۔ اور عورت اور مرد کے حقوق کو مساوی قرار دیا ہے۔ لیکن یہ دعویٰ خواجہ صاحب کا بالکل خلاف احکام اسلام ہے۔ اسلام نے ہر رنگ میں عورت اور مرد کے حقوق کو مساوی نہیں رکھا۔ بلکہ احکام کو دو حصول میں تقسیم کیا ہے۔ ایک وہ احکام ہیں۔ جو مرد و عورت کی انسانیت کو مدنظر رکھ کر دیئے جاتے ہیں۔ اس میں دونو کو مساوات دی گئی ہے۔ اور دونو فریق کے لئے ایک قسم کے حکم ہیں۔ مثلاً نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ دونوں احکام میں مرد و عورت شامل ہیں۔ اور دونو کو یکساں ثواب ملنے کا وعدہ ہے۔ یہ نہیں۔ کہ عورت صرف مرد کا کھلونا ہو۔ بلکہ اسے اس مقصد عالی کے حصول کے لئے جس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے۔ اسی طرح مکلف کیا گیا ہے جس طرح مرد کو۔ مگر وہ احکام جو انتظام اور سیاست سے متعلق ہیں۔ ان میں مرد اور عورت میں امتیاز کیا گیا ہے۔ اور مرد کو عورت پر فضیلت دی گئی ہے۔ اور اگر اس تقسیم کو اسلام قائم نہ کرتا۔ تو اسلام دین فطرت ہو ہی نہ سکتا تھا۔ یہ فرق صرف اسلام نے ہی قائم کیا ہے۔ اور کسی مذہب نے قائم نہیں کیا۔ اور یہ ایک فضیلت ہے۔ جو اسلام کو دوسرے مذاہب پر حاصل ہے ایک طرف تو وہ مساوات قائم کرتا ہے۔ اور دوسری طرف وہ اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کرتا۔ کہ کوئی انتظام بلا اس کے نہیں چل سکتا۔ کہ مختلف شرکاء میں سے ایک کی آواز کو سب کی آواز پر مقدم کیا جائے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ مردوں کی نسبت فرماتا ہے۔ کہ

الرجال قوامون علی النساء ترجمہ - مرد عورتوں کے اوپر نگران ہیں۔

اور اس کی وجہ بھی بیان فرما دی۔ کہ

بما فضل اللہ بعضہم علی بعض و بما یعنی اس لئے اس کو نگران مقرر کیا گیا ہے

انفقوا من اموالھم۔ کہ انسانی خلقت مرد کو نگرانی کا حق دیتی

ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی طرف سے مرد کو ایسے قوٰے ملے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ اشتراک

خاندانی میں اس امر کا مستحق ہے۔ کہ اس کی آواز انتظام میں آخری آواز ہو۔ اور بوجہ

اس کے کہ مرد کے ذمہ مال کا خرچ کرنا ہے۔ اور یہ ایک تسلیم شدہ اصل ہے۔ کہ مال

کا خرچ کرنا جس کے ذمہ ہو۔ اس کی آواز کو زیادہ وزن دیا جاتا ہے۔ کیونکہ اس شخص

کے لئے نقصان کے احتمال زیادہ ہوتے ہیں۔ پھر مرد جسمانی طور پر بھی گھر کے کام کاج

میں کچھ نہ کچھ حصہ لیتا ہے۔ پس چونکہ مرد پر ذمہ واری زیادہ ہوتی ہے۔ اس کے حقوق

بھی زیادہ رکھے گئے ہیں۔ اسی طرح سورہ بقر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ:۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال ترجمہ۔ عورتوں کو بھی مردوں پر ویسے ہی

علیھن درجۃ ضروری حقوق ہیں۔ جیسے کہ مردوں کو۔ اور

مردوں کو ان پر ایک فضیلت ہے۔

اس میں اسی اصل کو بیان کیا گیا ہے۔ جو میں اوپر لکھ چکا ہوں۔ کہ ایک پہلو سے

مساوات قائم کی گئی ہے۔ اور دوسرے پہلو سے مرد کو حاکم بھی قرار دیا گیا ہے۔ اللہ

تعالیٰ نے مرد کو عورت کے متعلق یہ اختیار بھی دیا ہے۔ کہ اگر وہ نشوز کرے۔ اور

کسی طرح اس کی اصلاح نہ ہو۔ تو اس کو مارو۔ بیشک یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ نشوز کی

حالت میں ہی ایسا اختیار دیا گیا ہے۔ اس کے بغیر تو نہیں دیا گیا۔ لیکن میں کہتا ہوں

کہ اگر مرد نشوز کرے۔ تو کیا قرآن و حدیث نے عورت کو بھی حق دیا ہے۔ کہ وہ

بھی مرد کو مارے۔

پھر مرد کی جسمانی قوتوں کی زیادتی اور اس کے صاحب نفوذ ہونے کے سبب ہی

سے مرد کو ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کی اجازت دی ہے۔ نکاح کے معاملہ میں بھی مرد کو اجازت دی ہے۔ کہ وہ خود پسند کر کے نکاح کرے۔ لیکن عورت کیلئے یہ شرط رکھی ہے۔ کہ اس کی رضامندی کیساتھ اس کے والد یا کسی اور قریبی رشتہ دار کی بھی رضامندی ضرور لی جائے۔ اور اسی کی معرفت نکاح ہو۔

عورت کیلئے نفلی روزہ تک رکھنے کیلئے خاوند سے اجازت لینے کا حکم دیا۔ لیکن مرد کے لئے گو یہ ہدایت کی۔ کہ وہ اسقدر روزہ نہ رکھے۔ کہ عورت کے حقوق ادا کرنے سے قاصر ہو جائے۔ لیکن روزہ رکھنے کے لئے عورت کی اجازت شرط نہیں رکھی۔

مرد و عورت میں ہر رنگ میں مساوات نہیں

غرض اس قسم کے بہت سے احکام ہیں۔ جن میں عورت کو مرد کی رائے کے تابع کیا گیا ہے۔ مگر یہ امور وہی ہیں۔ جو انتظامی معاملات سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ احکام جو افراد سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں دونو کو برابر رکھا ہے۔ دونوں کیلئے یکساں احکام و نواہی ہیں۔ دونو کو یکساں اپنے اموال کا مالک مقرر کیا ہے۔ دونو کو یکساں اپنی جان کے متعلق اختیار دئے ہیں۔ پس یہ کہنا کہ ہر رنگ میں مرد و عورت میں مساوات ہے۔ غلط ہے۔ بعض لحاظ سے مساوات ہے اور بعض لحاظ سے نہیں۔ اور مساوات کو وہیں مٹایا گیا ہے۔ کہ جہاں مساوات کا مٹانا کام کے بخوبی چلانے اور امن کے قیام کے لئے ضروری تھا۔ اور ایسے موقعہ پر مرد کو عورت کے حقوق کا پوری طرح خیال رکھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ مگر حکم مرد ہی کے سپرد کیا گیا ہے۔

شاید اس جگہ یہ کہا جائے۔ کہ ہماری بھی حریّت و مساوات سے یہی مراد تھی۔ مگر میں کہونگا۔ کہ میں نے بھی تو مراد دریافت کرنے کیلئے ہی سوال کیا تھا۔ پہلے مراد بیان کرنی تھی۔ اور پھر میرا خیال معلوم کر کے مضمون لکھنے بیٹھنا تھا۔

کیا وراثت میں مرد و عورت کے مساوی حقوق ہیں

خواجہ صاحب نے عورتوں کے حقوق کے متعلق ایک عجیب نکتہ لکھا ہے۔ اور وہ یہ کہ عورت اور مرد کے حقوق وراثت میں بھی مساوی ہیں۔ کیونکہ اگر عورت اپنے باپ کے مال میں

سے آدھا حصہ لیتی ہے۔ تو اپنے خاوند کی بھی وارث ہوتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے۔ وہ کلید دیکھکر آیات لکھنے کے عادی ہیں۔ اور جس طرز سے انہوں نے اپنے مضمون میں آیات لکھی ہیں۔ ان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ قرآن کریم کے مطالب کے سمجھنے کی انہوں نے کبھی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے یہ خیال نہ کیا۔ کہ اگر عورت اپنے خاوند کی وارث ہوتی ہے۔ تو خاوند بھی اپنی عورت کا وارث ہوتا ہے۔ اور وہ بھی اس طرح کہ جسقدر حصہ عورت کو خاوند کے ترکہ سے ملتا ہے۔ اس سے دگنا مرد کو اپنی بیوی کے ترکہ سے ملتا ہے۔ اور یہ ضروری نہیں۔ کہ مرد عورت سے ہمیشہ پہلے ہی مرے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ کہ

ولکم نصف ما ترک ازواجکم ان لم یکن لھن ولد فان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن من بعد وصیۃ توصون بہا او دین ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم من بعد وصیۃ توصون بہا او دین

ترجمہ۔ جو کچھ تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اس میں سے نصف تمہارا حصہ ہے۔ اگر ان کی اولاد نہ ہو۔ اگر ان کی اولاد ہو۔ تو چوتھا حصہ تمہارا ہے۔ وصیّت کے حصہ یا قرض کے وضع کرنے کے بعد۔ اسی طرح عورتوں کیلئے تمہارے مال میں سے چوتھا حصہ ہے۔ اگر تمہارے اولاد نہ ہو۔ اور آٹھواں اگر اولاد ہو۔ یہ حصہ بھی تمہاری وصیت یا قرضہ کی ادائیگی کے بعد جو مال بچے۔ اس میں سے ہوگا۔

خواجہ صاحب اس آیت کو دیکھیں۔ اور سوچیں۔ کہ ان کی دلیل وراثت کے مساوی ہونے کی کہاں گئی۔ اگر عورت خاوند کے مال کی وارث ہوتی ہے۔ تو خاوند بھی عورت کے مال کا وارث ہوتا ہے۔ اور یہاں بھی اس کا حصہ دگنا ہوتا ہے۔ پس بہرحال مرد کا حصہ عورت کے حصہ سے دگنا رہیگا۔ بلکہ دگنے سے بھی بعض صورتوں میں بڑھجائیگا۔

ورثہ میں مرد و عورت کے حقوق مساوی نہ ہونے میں حکمت

یہ فرق جو عورت اور مرد کے حصہ میں شریعت نے رکھا ہے۔ اس کی وجہ اور ہے۔ اور یہ عدم

مساوات ظالمانہ طور پر نہیں - بلکہ ثابت شدہ حقائق کے ماتحت ہے -

عورتوں اور مردوں میں مساوات ثابت کرنے کی کوشش کرنے کے بعد خواجہ صاحب نے اور کئی قسم کی مساوات احکام قرآنیہ سے ثابت کرنی چاہی ہے - اور بتایا ہے - کہ اسلام نے مذہب میں مساوات قایم کی ہے - کہ سب انسانوں کو اسلام کی دعوت دی ہے - ۲ - نسلی مساوات قایم کی ہے - کہ عربی و عجمی اور بڑی و چھوٹی ذاتوں کا فرق مٹا دیا ہے - ۳ - مال میں مساوات قایم کی ہے - کہ کوئی شخص اپنے پاس ضرورت سے زیادہ مال نہیں رکھ سکتا -

ہر امر میں مساوات نہونے کا اعتراف

میں نہیں سمجھتا - کہ ان دعاوی کے ثابت کرنے یا ثابت کرنے کی کوشش کرنے میں خواجہ صاحب کا کیا مقصد تھا - جس خط پر انہوں نے یہ سلسلۂ مضامین لکھنا شروع کیا ہے - اس میں تو یہ سوال اٹھایا گیا ہے - کہ ہر ایک بات میں حریت و مساوات نہیں - بعض جگہ حریت و مساوات بری ہوتی ہے - بعض جگہ جائز اور بعض جگہ ضروری - پس ان امور میں اگر حریت اور مساوات ثابت بھی ہو جائے - تو اس کا فائدہ اور نفع ؟ اصل مضمون پر کیا روشنی پڑیگی - میرے خط کی تردید تو تب ہو سکتی تھی - کہ حریت و مساوات ہر رنگ میں ضروری ہوں اور یہ آپ نے خود تسلیم کیا ہے - کہ ہر امر میں حریت و مساوات کا اصل قایم نہیں رہ سکتا - آپ لکھتے ہیں :" اس میں شک نہیں - کہ حکومت کے باعث حکمران قوم کو ایک طرح کی فضیلت محکوم قوم پر حاصل ہوتی ہے - لیکن اس فضیلت کا مفہوم ایسی عدم مساوات نہیں ہے - جو غلامی کا مترادف ہے ." وکیل ۴ دسمبر ۱۹۳۰ء

جب آپ خود تسلیم کرتے ہیں - کہ ہر جگہ حریت و مساوات کا اصل نہیں چل سکتا - تو پھر اس سلسلۂ مضامین کی کیا ضرورت تھی - یہی بات تو میں نے لکھی تھی - کہ ہو سکتا ہے - کہ حریت و مساوات کا کوئی مفہوم ایسا ہو - کہ وہ احکام اسلام میں شامل ہو جائے - اور اس کا خیال رکھنا ضروری ہو جائے - اور ہو سکتا ہے - کہ اس کا خیال رکھنا صرف جائز ہو اور ہو سکتا ہے - کہ منع ہو - آپ بھی یہی لکھتے ہیں - کہ حاکم قوم کو ایک حد تک فضیلت حاصل ہوتی ہے - لیکن محکوم قوم کی حالت غلامی تک نہیں پہنچنی چاہیے - اور یہ کس نے

لکھا تھا۔ کہ محکوم قوم کے لئے اسلامی احکام کے مطابق غلام بن کر رہنے کا حکم ہے۔ یہ تو ایک خیال ہے۔ جو خود ہی آپ نے پیدا کر لیا۔ اور خود ہی آپ اس کا جواب دینے لگ گئے ہیں۔ میرا تو صرف اسقدر دعوےٰ تھا۔ کہ حریت ومساوات کا اصل ہر جگہ چسپاں نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ اس کی مختلف تعریفیں اور حد بندیاں کی جاسکتی ہیں۔ جن کے ماتحت اس کی تعریف یا مذمت کی جاسکتی ہے۔ آپ خود تشریح کرتے ہوئے اسی پھندے میں پھنس گئے۔ اور آپ کو تسلیم کرنا پڑا۔ کہ ہر جگہ اس کا استعمال نہیں ہو سکتا۔

سائل نے کونسی حریت ومساوات کے متعلق پوچھا تھا ؟

خواجہ صاحب کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے۔ کہ سائل کا منشاء حریت ومساوات کے قیام سے اسی حریت ومساوات کا قایم کرنا تھا۔ جو حاکم ومحکوم کے درمیان ہو۔ کیونکہ ان کا اشارہ حکومتوں کے تعلقات کے متعلق تھا۔ نہ کہ مغل اور سید اور راجپوت اور جاٹ کے فرق یا نجات کے عام ہونے کے متعلق اور اسی امر میں عدم مساوات کے مٹانے کے متعلق انہوں نے اشارہ کیا تھا۔ اور اسی وجہ سے میں اون سے تشریح چاہتا تھا۔ کہ وہ جب صفائی سے ان الفاظ کے مفہوم کی تعیین کریں۔ تو آپ کی طرح اون کو بھی تسلیم کرنا پڑے۔ کہ حریت ومساوات کا مفہوم بھی محدود ہے اور ایک حد تک حریت ومساوات کا خیال کر کے فضیلت اور درجہ کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے۔ اور اس کے بغیر دنیا کا امن قایم ہی نہیں رہ سکتا۔

اس اجمالی جواب کے بعد میں ان تینوں قسم کی حریت ومساوات کے متعلق جو خواجہ صاحب نے قایم کی ہے۔ الگ الگ اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہوں۔

مذہبی مساوات

پہلی مساوات خواجہ صاحب نے مذہب کی بیان کی ہے۔ اور اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ یہ مساوات سب سے بڑی ہے۔ اور سب سے پہلے اسے اسلام نے ہی قایم کیا ہے۔ لیکن اس مساوات کا ذکر کرنے سے خواجہ صاحب کی غرض نہ معلوم کیا ہے۔ جس شخص کے خط کا جواب میں نے دیا ہے۔ اور جس کی وکالت کیلئے آپ کھڑے ہوئے ہیں۔ وہ تو اس مساوات کو نہایت نفرت سے دیکھتا ہے

اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے ہمارے آقا اور رہنما حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے بعد ایک ایسے شخص ہوئے ہیں۔ جنہوں نے اس مسئلہ پر اسقدر زور دیا ہے۔ جو اس کی عظمت کے مطابق تھا۔ اور ہماری جماعت ہی وہ جماعت ہے۔ جو اس مساوات کو عملی طور پر قایم کرنے کے لئے ہمہ تن کوشاں ہے۔ اور ہر گورے اور کالے کو اسلام کی طرف بلا رہی ہے۔ اور اس کی دعوت کر رہی ہے۔ پھر ہمیں یہ مساوات یاد دلانی کیا معنی رکھتی ہے۔ ہم سے زیادہ اس مساوات پر کسے یقین ہے۔ اور کس کے دل میں ہم سے زیادہ اس کی قدر ہے۔ یہ مساوات تو خواجہ صاحب کو ان صاحب کو یاد دلانی چاہئے تھی۔ جن کی وکالت کے لئے آپ کھڑے ہوئے ہیں۔ کیونکہ وہ اس مساوات کو نہائیت حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور ہم پر طعن کرتے ہیں۔ کہ کیا سال بھر میں ایک دو آدمیوں کا اسلام میں شامل کر لینا ہی اشاعت اسلام ہے۔ اور ان کے نزدیک اس اسلام کی امتیازی خصوصیت سے فائدہ اٹھانا اور اسلام کا ہر گھر کے دروازہ تک پہنچانا کچھ حقیقت ہی نہیں رکھتا۔ جب تک مسٹر گاندھی کی تقلید میں ہندوستان کا امن برباد کرنے اور بچوں کو مادر پدر آزاد بنانے کی کوشش نہ کی جائے۔

نسلی امتیاز مٹا کر مساوات قایم کرنا

دوسری قسم کی مساوات خواجہ صاحب نے نسلی امتیاز کا مٹانا بتائی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اسلام نے اس مساوات کو بھی قایم کیا ہے۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی بات ہے۔ کہ یہ مساوات دوسری عدم مساوات کو باطل نہیں کر سکتی۔ مثلاً اگر ایک خاص قوم اپنے علم یا حکومت کی وجہ سے دوسری قوم پر برتری رکھتی ہے۔ تو اس مساوات کی بنار پر اس کی برتری کو رد نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے قریش کی دوسری اقوام پر فضیلت کا بار بار ذکر فرمایا ہے اور یہ فضیلت ان کو اس زمانہ میں ذہنی تجربہ کاری اور رسوخ کی وجہ سے کل عرب کی اقوام پر ضرور حاصل تھی اسی طرح رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ

خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا

ترجمہ۔ جو لوگ جاہلیت میں معزز سمجھے جاتے تھے اب بھی معزز سمجھے جائینگے۔ اگر دین کے واقف ہو جائیں۔

پس نسلی امتیاز کو گو اسلام نے مٹایا ہے۔ مگر یہ اجازت نہیں دی۔ کہ اس دلیل کی بنا پر کسی قوم کے ایسے امتیازات کو بھی مٹا دیا جائے۔ جو اسے کسی اور وجہ سے حاصل ہو چکے ہوں۔ مثلاً خود قرآن کریم نے نبوت و کتاب کے فیضان کو آل ابراہیم میں مخصوص کر دیا ہے۔ اور جیسا کہ فرماتا ہے۔

وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب

ترجمہ۔ ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب مقرر کر دی۔

اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ نسلی امتیاز چونکہ منع ہے۔ اس لئے یہ حکم بھی ناجائز ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ کا یہ فیضان اس لئے حضرت ابراہیم کی نسل کے لئے خاص نہیں کیا گیا۔ کہ وہ کسی خاص قوم میں سے تھے۔ بلکہ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیم کی نیکی کو دیکھ کر ان کے ساتھ ایک دائمی عہد باندھ دیا تھا۔ جس میں دوسروں کا کوئی نقصان نہ تھا۔ اور حضرت ابراہیم کی عزت افزائی تھی۔ دوسروں کا نقصان اس لئے نہیں۔ کہ ان کے لئے بھی ترقی کے تمام دروازے کھلے ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس فیضان کو یہ خصوصیت حاصل ہے۔ کہ کوئی شخص حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ایک مہر تاباں سے روشنی لئے بغیر بارگاہ الٰہی تک پہنچ ہی نہیں سکتا۔

کیا اسلام نے مالی مساوات قایم کی ہے

تیسری قسم کی مساوات خواجہ صاحب نے مالی مساوات بتائی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ اسلام نے یہ احتیاط کی ہے۔ کہ غربا کے ترقی کرنے کے راستے بند نہ ہو جائیں۔ اور کوئی ایسی روک ان کی ترقی کے رستہ میں نہ آجائے۔ جس کے سبب سے وہ آگے بڑھ ہی نہ سکیں۔ لیکن یہ استدلال کہ اسلام نے اموال کے جمع کرنے سے منع کیا ہے اور زائد مال کے تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ ایک ظلم عظیم ہے۔ اور اسلام کی تعلیم میں ایک

خطرناک تحریف ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے۔ جو اسلام میں تفرقہ اور شقاق کو ڈالنے کا سب
سے پہلا ذریعہ بنایا گیا تھا۔ چنانچہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ
میں مفسدوں نے اسی خیال کو لوگوں میں پھیلانا شروع کیا تھا۔ کہ صحابہ میں بڑے بڑے
مالدار ہیں۔ اور دوسروں کے حقوق مار کر یہ لوگ مالدار ہو گئے ہیں۔ اور اس خیال کو
تقویت دینے کے لئے ان لوگوں نے حضرت ابوذر رضؓ کو آلہ بنایا تھا۔ حضرت ابوذر رضؓ
ایک غریب مزاج آدمی تھے۔ اور زیادہ مال پاس رکھنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ مگر
وہ دوسروں کو بھی کچھ نہیں کہتے تھے۔ ان شریروں نے ان کو جاکر اکسایا۔ کہ دیکھو۔
لوگ مال و دولت جمع کرنے میں لگ گئے ہیں۔ اور اسقدر ان کو جوش دلایا۔ کہ وہ
سارا دن سونٹا لیکر اسی جستجو میں پھرتے رہتے۔ جہاں کوئی صحابی مالدار ملا۔ اس کو
پکڑ بیٹھتے۔ کہ تمہارے پاس مال کیوں ہے۔ اور لوگوں کو انہوں نے اس قدر دق کیا۔ کہ
آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو حکماً ان کو مدینہ بلوانا پڑا۔ اور آخر عمر تک وہ مدینہ
کے پاس ایک گاؤں میں مقیم رہے۔ اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ صحابہ کثرت سے سخاوت
کیا کرتے تھے۔ لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں۔ کہ وہ اس بات کا تعہد نہیں کیا
کرتے تھے۔ کہ ضرورت سے زیادہ مال کتنا ہے۔ تا اسے اسی وقت غربا میں تقسیم کردیں۔
یہ مسئلہ تو عبداللہ بن سباء یہودی کا ایجاد کردہ تھا۔ اور سوائے حضرت ابوذر رضؓ
کے جو اپنی فقیرانہ طبیعت کے سبب سے اس کے اصل مطلب کو نہ سمجھ کر اس کے دھوکے
میں آگئے۔ اور کسی صحابی نے بھی اس عقیدہ کو تسلیم نہیں کیا۔ حالانکہ اس وقت ان
میں بڑے بڑے صحابہ موجود تھے۔ جو حضرت ابوذر رضؓ سے زیادہ سابق اور زیادہ فقیہ
اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مقرب تھے۔

زکوٰۃ مقرر کرنے کی وجہ

باقی رہا یہ کہنا کہ اسلام نے زکوٰۃ کے نکالنے کا حکم دیا ہے۔
اس سے معلوم ہوا۔ کہ اسلام مال کی تقسیم کا حکم دیتا ہے۔ ایک غلط استدلال ہے۔ زکوٰۃ
کے مسئلہ سے تو صرف یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ غربا کی مدد اسلام نے فرض مقرر کی ہے۔ نہ یہ
کہ مال کو تقسیم کرنا اسلام نے فرض مقرر کیا ہے۔ خود زکوٰۃ کی تعیین ہی اس امر کا

ثبوت ہے۔ کہ مال کی تقسیم شریعت نے مقرر نہیں کی۔ کیونکہ زکوٰۃ تو مثلاً مال پر چالیسواں حصہ ہوتی ہے۔ اور زراعت پر عشر اور نصف عشر ہوتی ہے۔ لیکن آمد اس نسبت سے زیادہ ہوتی ہے۔ تو یہ تقسیم مساوات رکھنے والی کہاں ہوئی۔ پھر زکوٰۃ آگے کئی آدمیوں میں تقسیم ہوگی۔ کچھ عملہ زکوٰۃ پر خرچ ہو جائے گی۔ پس زکوٰۃ کے مسئلہ سے مال میں مساوات رکھنے کا مسئلہ ثابت کرنا ایک سخت تعدی ہے۔

عفو کے کیا معنی ہیں

خواجہ صاحب نے اپنے اس دعویٰ کی تصدیق میں کچھ آیات بھی لکھی ہیں۔ اور جس طرح تمام مضمون میں انہوں نے صرف آیات کے درج کرنے سے غرض رکھی ہے۔ یہ نہیں دیکھا۔ کہ وہ آیات وہاں چسپاں بھی ہوتی ہیں یا نہیں؟ یہاں بھی ایسا ہی کیا ہے۔ کئی آیات اس مضمون کی درج کی ہیں۔ کہ جو کچھ تم کو اللہ تعالےٰ نے دیا ہے۔ اس میں سے خرچ کرو۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں میں سے غربا کو بھی حصہ دینا یہ اور بات ہے۔ اور اپنے اخراجات نکال کر غربا کو باقی مال تقسیم کر دینا اور ہی بات ہے۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ کئی آیات اس امر کے متعلق نقل کر دی ہیں۔ کہ جنگوں میں حاصل شدہ مال کس طرح تقسیم کرنے چاہئیں۔ حالانکہ ان اموال کا زیر بحث مسئلہ سے کچھ تعلق ہی نہیں صرف ایک آیت ہے جس سے کچھ استدلال ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ "ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو" عفو کے کئی معنی ہیں۔ جن میں سے ایک معنی زیادہ کے بھی ہیں۔ ان معنوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس آیت کے یہ معنے ہونگے۔ کہ تجھ سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا خرچ کریں کہدے کہ جو بچ جائے۔ اسے خرچ کرو" بعض لوگوں نے اس سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ اس میں جو مال بھی ضرورت سے زائد ہو۔ اس کے خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ لیکن یہ معنے روایت اور درایت دونو کے خلاف ہیں۔ مفسرین نے اس آیت کے کئی معنے لکھے ہیں۔ ایک تو یہ کہ اسجگہ جہاد میں اموال خرچ کرنے کا حکم ہے۔ صدقات مراد نہیں۔ اس صورت میں اس کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ جب جہاد درپیش ہو تو اپنی ضروریات سے زائد مال تمام کا تمام جہاد کے لئے دیدو۔ اور ان معنوں سے مساوات

ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ مال غربا میں تقسیم نہ کیا جائیگا۔ بلکہ دشمن کے مقابلہ میں خرچ ہوگا۔ دوسرے معنی اس کے یہ کئے جاتے ہیں۔ کہ یہ جہاد کا ذکر نہیں۔ بلکہ صدقات کا ذکر ہے۔ جو لوگ صدقات کا ذکر بتلاتے ہیں۔ وہ بھی اس آیت کے کئی معنی کرتے ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں۔ کہ عفو کے معنی ضرورت سے زائد بچے ہوئے مال کے ہیں۔ شروع اسلام میں سال بھر کے نفقہ سے جو بچ رہے۔ اس کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم تھا۔ مگر آیت زکوٰۃ کے نازل ہونے پر یہ حکم موقوف ہوگیا۔ ان لوگوں کے نزدیک۔ گویا یہ آیت منسوخ ہوچکی ہے۔ دوسرے لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ نہیں۔ یہ زکوٰۃ کے متعلق حکم ہے۔ اور مجملاً بیان ہوا ہے۔ اس کی تفصیل دوسری جگہوں سے معلوم ہوتی ہے۔ ایک اور جماعت عفو کے معنے اس مال کے کرتی ہے۔ جس کا خرچ کرنا بوجھ نہ معلوم ہو۔ اور جس کے خرچ کرنے سے جائداد تباہ نہ ہو جائے۔ بعضوں نے کہا ہے۔ کہ اس کے معنی درمیانی خرچ کے ہیں۔ یعنی نہ بالکل کم خرچ کرو۔ نہ حد سے زیادہ خرچ کرو۔ اور بعضوں نے کہا ہے۔ کہ عفو کے معنی بہتر اور پاک مال کے ہیں۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے۔ کہ اچھے اور پاک مال میں سے خرچ کرو۔ یہ نہ خیال کرو۔ کہ پرانی اشیاء یا دوسروں کے مال اٹھا کر دے دو۔ تو تم صدقہ کے حکم کے بجا لانے والے ہو جاؤ گے۔ بعضوں نے کہا ہے۔ کہ اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ صدقہ اور خیرات خوب دل کھول کر کرو۔

ضرورت سے زیادہ مال تقسیم کردینے کا اسلام نے حکم نہیں دیا

ان تمام معانی سے جو مفسرین نے کئے ہیں۔ آپ کے معنوں کی تصدیق نہیں ہوتی۔ جس جماعت نے اس آیت کے یہ معنی کئے بھی ہیں۔ کہ جو ضرورت سے زائد بچے۔ اسے خرچ کردو۔ اس نے بھی یا تو اسے جہاد پر چسپاں کیا ہے۔ یا منسوخ قرار دیا ہے۔ اور وہ اس بات پر مجبور بھی تھے۔ کیونکہ وہ صحابہ رضوان اللہ علیہم کے عمل کو اور امت اسلامیہ کے طریق کو اس کے خلاف دیکھتے تھے۔ احادیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم بھی اسی بات کی تائید فرماتے ہیں۔ کہ اپنے اخراجات نکال کر باقی مال تقسیم کر دینا اسلامی حکم نہیں۔ رسول کریمؐ فرماتے ہیں۔ کہ

يعجبٔى احدكم بماله كله يتصدق به ويقعد يتكفف الناس انما الصدقة على ظهر غنى

ترجمہ - تم میں سے بعض اپنا سارا مال صدقہ کے لئے لے آتے ہیں - اور پھر لوگوں کے آگے سوال کے لئے ہاتھ بڑھاتے ہیں۔ صدقہ زائد مال سے ہوتا ہے۔

اسی طرح فرماتے ہیں - کہ

لان تذر ورثتك اغنياء خير من ان تذرهم عالة يتكففون الناس

ترجمہ - اگر تو اپنے ورثاء کو دولتمند چھوڑ جائے تو یہ اچھا ہے بہ نسبت اس کے کہ تو ان کو غریب چھوڑ جائے - کہ لوگوں کے آگے سوال کے لئے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔

اسی طرح حدیث میں آتا ہے - کہ سعد[ا] بن ابی وقاص نے رسول کریمؐ سے دو ثلث مال کے تقسیم کر دینے کی اجازت چاہی - مگر آپ نے اس سے منع فرمایا - پھر انہوں نے آدھا مال تقسیم کر دینا چاہا تو اس سے بھی منع فرمایا پھر انہوں نے تیسرے حصہ کے تقسیم کر دینے کی اجازت چاہی - تو اس حصہ کی آپ نے اجازت دیدی - مگر ساتھ ہی فرمایا - الثلث والثلث كثير - یعنی تیسرے حصہ کی وصیت کر دو - گو ثلث بھی بہت ہے۔

غرض یہ خیال کہ اسلام کا یہ حکم ہے - کہ جو مال ضرورت سے زائد بچے - اوسے تقسیم کر دینا چاہئے - بالکل خلاف اسلام اور خلاف عمل صحابہ ہے - کہ جن میں سے بعض کی وفات پر لاکھوں کروڑوں روپیہ ان کے ورثاء میں تقسیم کیا گیا تھا - اور اگر یہی حکم تھا - تو پھر زکوۃ کا حکم دینے کی کوئی ضرورت نہ تھی - جب سب مال جو ضرورت سے زائد ہو - تقسیم کر دینے کا حکم ہے - تو پھر زکوۃ کے مقرر کرنے کی کیا ضرورت تھی[۲]۔

[ا] صدیق اکبر تمام مال لائے - تو کچھ نہ کہا - فاروق اعظم نصف لائے - تو کچھ نہ کہا - وقتی ضرورت نہ رہی - تو ثلث بھی زیادہ محسوس ہوا (اختر)

[۲] قرآن میں تو تعین نہیں ہے البتہ احادیث میں وقتی حالات کے تحت ہے (اختر)

ضرورت سے زائد مال کی اصطلاح مبہم ہے

اور ضرورت سے بچے ہوئے کی اصطلاح خود مبہم ہے بعض لوگ جو کچھ ان کو ملجائے - گو لاکھوں روپیہ کیوں نہ ہو - اس کو خرچ کر دیتے ہیں - اور ضرورت سے زائد ان کے نقطہ خیال میں کوئی مال ہوتا ہی نہیں - بعض لوگ اپنا سب مال تجارت وغیرہ میں لگائے رکھتے ہیں - ان کے پاس بھی ضرورت سے زیادہ نہیں بچ سکتا - عقلاً بھی یہ خیال بالکل باطل ہے - کیونکہ جبتک ایک جماعت ایسے لوگوں کی نہ ہو - جو مالدار ہوں - عام ملکی بہبودی ہو ہی نہیں سکتی - اور غربا کو بھی نقصان پہنچتا ہے -

اس میں کوئی شک نہیں - کہ بعض روحانی لوگ اپنے اموال کو حتی الوسع غربا کیخدمت میں خرچ کرتے ہیں - اور اسے اسلام نے منع نہیں کیا - بلکہ پسند کیا ہے - مگر یہ بات غلط ہے کہ اسلام نے اس امر کا حکم دیا ہے - کہ دنیا میں مالی مساوات قائم کی جاوے - اور ضرورت سے زیادہ مال لوگ ضرور ہی خرچ کر دیں - اگر یہ اصل تسلیم کیا جائے - تو یہ اصل بھی مقرر کرنا پڑیگا - کہ ضرورت سے مراد عام حالت ملکی کے مطابق اخراجات ہوں گے - ورنہ اگر اس بات کی اجازت دیدی جائے - کہ ہر شخص اپنی ضرورت کا خود فیصلہ کرے - تو پھر بھی مساوات نہیں رہے گی - کوئی شخص اعلیٰ سے اعلیٰ کھانوں اور عمدہ سے عمدہ کپڑوں اور وسیع اور کھلے اور آراستہ اور پیراستہ مکانوں اور خوشنما چمنوں اور میوہ دار باغوں کے لئے روپیہ رکھکر باقی اگر بچیگا - تو غربا میں بانٹ دیگا - اور غریب بچارے گاڑھا پہننے اور جھونپڑیوں میں رہنے پر مجبور ہوں گے - اصل بات یہ ہے - کہ اسلام کے احکام کے مطابق یہ فرض ہے ہر مسلمان حکومت کا کہ اس کے ملک کے باشندے فاقہ نہ رہیں - اور ان کے قابل ستر مقامات کیلئے کپڑا مہیا کیا جاوے - گویا انسانی زندگی کی حفاظت پوری طرح ہو اس کے لئے وہ امراء سے مطابق حکم شریعت مال لیکر غربا پر خرچ کرتی ہے - اس سے زیادہ جو کچھ خرچ کیا جائے - وہ امراء کی اپنی مرضی پر ہے - اگر نہ کریں - تو جرم نہیں - ہاں اگر زکوٰۃ دینے کے بعد بھی ایک شخص فاقہ پر مرتا ہوا کسی کو نظر آئے - تو اس کا فرض ہے[1] - کہ اس کی جان بچانے کی کوشش کرے -

[1] فرض کیوں ہوگا - بقول آپ کے یہ اسکی مرضی پر منحصر ہے - کیونکہ زکوٰۃ تو ادا کر چکا ہے - (اختر)

اس دعویٰ کا ثبوت اس حدیث سے ملتا ہے۔ جو میں پہلے نقل کر چکا ہوں۔ کہ ایک شخص نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ کہ اسلام کیا ہے۔ تو آپ نے اسلام کے اصولی احکام بتائے۔ اور ان میں زکوٰۃ کا مسئلہ بھی بیان کیا۔ سب کچھ سن کر اس شخص نے کہا۔ کہ میں اس سے نہ زیادہ کروں گا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ کہ اگر اس نے اس ذرا کو پورا کر دیا۔ تو یہ کامیاب ہو گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ غربا کی مدد کے لئے زکوٰۃ سے زیادہ دینا فرض نہیں۔ اگر کوئی زیادہ دے۔ تو یہ اس کی مرضی پر منحصر ہے۔

غنیمت اور فے کے مال کی تقسیم میں مساوات کہاں ہے

خواجہ صاحب نے تقسیم اموال میں مساوات ثابت کرنے کے لئے غنیمت اور فے اور نفل کے متعلق چند آیات بھی لکھی ہیں۔ لیکن نہ معلوم ان سے کیا نتیجہ نکالا ہے۔ غنیمت کے متعلق انہوں نے یہ آیت لکھی ہے۔

واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ وللرسول ولذی القربی والیتمی والمسکین وابن السبیل

ترجمہ۔ یاد رکھو۔ کہ جو مال تم کو جنگ میں ملیں۔ ان میں سے پانچواں حصہ خدا اور اس کے رسول اور قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کیلئے ہے

اس آیت سے اگر کوئی حکم نکلتا تھا۔ تو صرف یہ کہ اسلام نے ہر موقعہ پر غربا کی مدد کو مدنظر رکھا ہے۔ اور گویا ان کے لئے ایک حصہ اموال کا علیحدہ کر دیا ہے۔ نہ یہ کہ مال کی تقسیم میں مساوات رکھی ہے۔

اسی طرح ایک آیت نفل کے متعلق لکھی ہے :۔

قل الانفال للہ والرسول

ترجمہ۔ کہدے کہ انفال اللہ اور اسکے رسول کیلئے ہے

اس سے نہ معلوم انہوں نے تقسیم اموال میں مساوات کا مسئلہ کہاں سے نکال لیا ہے۔ کیونکہ اس میں۔ تو یہ بتایا گیا ہے۔ کہ انفال خدا اور اس کے رسول کے ہیں۔ نہ یہ کہ انفال تمام بنی نوع انسان میں برابر تقسیم ہونے چاہیئں۔ اس آیت میں تو لوگوں کے اس سوال کا جواب دیا گیا ہے۔ کہ انفال کیونکر تقسیم ہوں گے۔ اللہ تعالےٰ نے ان کو جواب دیا ہے۔

کہ یہ خدا اور اس کے رسول کا کام ہے۔ کہ جنگ میں آنے والے اموال کو تقسیم کریں۔ تم حکومت کے معاملات میں دخل کیوں دیتے ہو۔ اپنی اصلاح کی فکر کرو۔ اور ان باتوں میں نہ پڑو۔

ایک آیت خواجہ صاحب نے فے کے متعلق لکھی ہے۔ اس سے بھی میں نہیں سمجھا۔ کہ مساوات کیونکر نکلتی ہے۔ یہ آیت اس طرح ہے۔

ما افاء اللّٰہ علیٰ رسولہ من اھل القریٰ فللّٰہ وللرسول ولذی القربیٰ والیتمیٰ والمسٰکین وابن السبیل کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم

ترجمہ۔ جو مال دشمن کا بغیر جنگ کے قبضہ میں آئے۔ وہ اللہ اور اس کے رسول اور قریبیوں اور مسکینوں اور مسافروں کا حق ہے تا کہ دولت تم میں سے دولتمندوں کے درمیان نہ رہے

اس آیت میں مساوات کا کہاں ذکر ہے۔ اس سے تو صرف یہ نکلتا ہے۔ کہ جس مال کیلئے جنگ نہ کرنی پڑے۔ خود بخود دشمن سونپ دے۔ یا اور کسی طرح بلا لڑے قبضہ میں آئے وہ بطور حق کے تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ اشاعت اسلام اور امام اسلام اور اس کے قریبیوں اور غریبوں یتیموں اور مسافروں کے لئے حکومت ہی کے پاس رہیگا۔ اس میں لوگوں کے اموال کا کیا ذکر ہے۔ زید اور بکر کے مال کا تو یہاں ذکر ہی نہیں۔ اس میں تو حکومت کے اموال کی تقسیم کا ذکر ہے۔ اور "کی لا یکون دولۃ بین الاغنیا منکم" سے بتایا ہے۔ کہ امرا کو یہ مال نہ دینا چاہیئے۔ کیونکہ یہ مال حکومت کا ہے۔ اور بوجہ خود مالدار ہونے کے ان کا حق نہیں ہے۔ کہ اس مال میں سے لویں۔ نہ اس جگہ مساوات کا ذکر ہے۔ نہ عدم مساوات کا۔ بلکہ ایک طرح تو کہ سکتے ہیں۔ کہ عدم مساوات ہو گئی۔ کیونکہ ایک حصہ آبادی کو اس مال کے پانے سے روک دیا گیا ہے۔

جہاد کا بے تعلق ذکر اور حضرت مسیح موعود پر حملہ

خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں بلا کسی ظاہری تعلق کے جہاد کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ اور حضرت مسیح موعود پر حملہ کیا ہے۔ کہ آپ جہاد کے مخالف تھے۔ لیکن علاوہ اس کے کہ یہ بات بالکل بے تعلق ہے۔ غلط بھی ہے۔ حضرت مسیح موعود نے کبھی نہیں

تحریر فرمایا۔ کہ باوجود جہاد کا موقعہ ہونے کے جہاد جائز نہیں۔ بلکہ یہ تحریر فرمایا ہے کہ یہ جہاد کا موقعہ نہیں۔ کیونکہ جہاد کی شرائط اس وقت نہیں پائی جاتیں۔ مگر میں نہیں کہہ سکتا۔ کہ اس مضمون کا جہاد کے ساتھ تعلق کیا ہے۔

خواجہ صاحب کے تمام مضمون کے پڑھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ پریشان خیالات کا ایک طوفان اٹھا ہے۔ جو انہوں نے کاغذ کی نذر کر دیا ہے۔ یہ باتیں ہیں۔ تو ان کا اصل مضمون سے کچھ تعلق نہیں۔ باتیں ہیں تو وہ مقصد سے دور۔ ان کو تو خیر کسی وجہ سے جوش آگیا ہوگا۔ مجھے ایڈیٹر صاحب وکیل پر تعجب ہے۔ کہ باوجود ایک فہمیدہ اور تجربہ کار آدمی ہونے کے بلا نظر ثانی کرنے کے انہوں نے یہ مضمون شایع کسطرح کر دیا۔ جس حصہ مضمون کو دیکھو۔ وہی سوال از آسمان اور جواب از ریسمان کی مثال ہے

خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی

میں مضمون ختم کرنے سے پہلے یہ کہے بغیر ہی نہیں رہ سکتا۔ کہ خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں مناسب ادب سے بھی کام نہیں لیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر بلا وجہ تو وہ لائے ہی تھے۔ اللہ تعالیٰ کی نسبت بھی انہوں نے ایک جگہ ایسا لفظ استعمال کیا ہے۔ جو سخت ہتک آمیز ہے۔ لکھتے ہیں۔ کہ مطلق العنان حکومت صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہے۔ مطلق العنان کے معنے ہوتے ہیں۔ جس کی باگ چھوڑ دی جائے۔ اس قسم کا ذلت پر دلالت کرنے والا لفظ اللہ تعالیٰ کیلئے استعمال کرنا ایک مومن کی شان سے بعید ہے بے شک استعارہ اور مجاز کلام میں ہوتا ہے۔ لیکن وہ لفظ جو انسانوں کے لئے بھی در اصل ہتک کا موجب ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ کے لئے استعمال کرنا سخت تعجب انگیز ہے اگر خواجہ صاحب کی نسبت کوئی شخص مطلق العنان کا لفظ استعمال کرے۔ تو وہ ضرور اس کو برا منائیں گے۔ پھر نہ معلوم خدا تعالےٰ کیلئے یہ لفظ انہوں نے کیوں استعمال کیا مجازاً ہی کوئی لفظ استعمال کرنا تھا۔ تو ایسا لفظ استعمال کرتے۔ جو ظلم اور خود سری پر دلالت نہ کرتا۔

خواجہ صاحب کو نصیحت

آخر میں میں پھر خواجہ صاحب کو نصیحت کرتا ہوں۔ کہ

کسی کا مضمون بغور پڑھنے سے پہلے اس کا جواب نہ دینے بیٹھ جایا کریں۔ اور قرآن پر زیادہ تدبر کی عادت ڈالیں۔ قرآن کریم کا مطالعہ نہ کرنا بھی عیب ہے۔ اور اس کا غلط استعمال اور اس کی آیات کو بے محل طور پر مضمون میں درج کرنا یہ بھی عیب ہے۔ میرے خط میں حریت و مساوات کی تمام اقسام کا انکار نہیں کیا گیا۔ بلکہ سائل سے ان کی تعریف پوچھی گئی ہے۔ میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ کہ اسلام نے کس حد تک اور کن معنوں میں حریت و مساوات کی تعلیم دی ہے۔ اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے اس کے احکام کے مطابق اسلامی حریت کے اس حصہ کو جس کا قیام میری ذات سے متعلق ہے۔ قایم کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں مگر سائل کے جوش اور تعصب کو دیکھکر میں نے چاہا تھا۔ کہ اس نے حریت و مساوات کی جو غلط تعریف اپنے ذہن میں رکھی ہوئی ہے۔ اس کی تفصیل پہلے اس کے قلم سے کروالوں۔ پھر اس کو جواب دوں۔ آپ نے نہ اس کے جواب کا انتظار کیا۔ نہ خود اس کے قایمقام بنکر ان الفاظ کی تفسیر اپنے خیالات کے مطابق کی۔ بلکہ ایک وہمی بات کا جواب دینے بیٹھ گئے۔ عقلمند انسان کا کام نہیں ہوتا۔ کہ مبہم الفاظ کا جواب دے جب تک حریت و مساوات کی تعریف سائل نہ کر لیتا۔ میرا حق نہ تھا۔ کہ میں اس کے سوالات کا تفصیلی جواب دیتا۔ ورنہ میرا فرض تھا۔ کہ حریت و مساوات کی پہلے خود تشریح کرتا۔ اور پھر اسے بتاتا۔ کہ ان ان معنوں میں فلاں فلاں محل پر حریت و مساوات کا قایم کرنا اسلامی احکام کے مطابق ہے۔ اور فلاں فلاں معنوں میں فلاں فلاں محل پر حریت و مساوات کا قایم کرنا دین یا عقل یا قواعد تمدن کے خلاف ہے۔ اور یہ طوالت ایک خط نہیں برداشت کر سکتا تھا۔ بس میں نے وہ طریق استعمال کیا۔ جو اس موقعہ پر بہترین ہوتا ہے۔ کہ خود سائل سے ہی دریافت کر لیا۔ کہ وہ حریت و مساوات کے کن معنوں اور اس کے کس محل پر استعمال کے متعلق مجھ سے دریافت کرتا ہے۔ جس جگہ بحث کا رنگ پیدا ہو۔ یا بحث کا خطرہ ہو۔ اس جگہ مبہم سوال کا جواب زیر بحث مسئلہ کو اور پیچیدہ بنا دیا کرتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی سے دریافت کرے۔ کہ کیا کسی سے جبراً کوئی حکم

منوانا بھی جائز ہے۔ اور وہ آگے سے جواب دیدے کہ نہیں۔ تو اگلا آدمی اگر تعصب سے علیحدہ ہے۔ اور جوش میں بھرا ہوا نہیں۔ تو وہ اس کا مطلب سمجھ جائے گا۔ لیکن اگر سائل غصہ کی حالت میں ہے۔ اور دوسرے پر الزام قائم کرنے کی فکر میں ہے۔ تو وہ آگے سے کہہ اٹھیگا۔ کیا بچوں سے جبراً بات منوائی نہیں جاتی۔ کیا حکومت بعض باتیں جبراً نہیں منواتی۔ کیا پاگلوں سے جبراً بات نہیں منوائی جاتی۔ اور خواہ مخواہ بات کو لمبا کردیگا چونکہ جن صاحب کے خط کا میں نے جواب لکھا ہے۔ ان کی طرز تحریر سے بھی یہی ثابت ہوتا تھا۔ کہ وہ محض الزام دینے کی فکر میں ہیں۔ اس لئے ان سے اسی قسم کا برتاؤ کیا گیا۔ جس کے وہ مستحق تھے۔ اور پہلے ان سے ان الفاظ کے معنے اور ان کے استعمال کا محل دریافت کیا گیا تھا۔ تاکہ ان کے جواب سے ہی ان کی کمزوری ان پر ثابت کردی جائے۔

آخر میں میں خواجہ صاحب کو یہ بھی نصیحت کرتا ہوں۔ کہ وہ بلا وسیع طور پر اسلام کے احکام پر نظر ڈالنے کے اسرار شریعت بیان کرنے کی کوشش نہ کیا کریں۔ اسرار شریعت بیان کرنا ان کا کام ہے۔ جن کی نظر وسیع ہو۔ اب یہی وراثت میں مساوات کی حکمت جو انہوں نے بیان کی ہے۔ اگر غیر مسلم لوگوں میں وہ اس کو بیان کرنے بیٹھتے۔ تو کسقدر ہبکی اور شرمندگی کی بات ہوتی۔ اگر خود پوری طرح کسی مسئلہ کا علم نہ ہو۔ تو واقف کار لوگوں سے دریافت کرلینا چاہیئے۔ اس میں ہتک کی کوئی بات نہیں۔ عالم سے علم حاصل کرنے میں ہرگز کسی قسم کی ہتک نہیں ہوتی۔ واخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین"

خاکسار میرزا محمود احمد۔ (الفضل)

علماء ہند کو چیلنج

میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے ایک مضمون کا جواب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے کے قلم سے "وکیل" میں شایع ہوا تھا۔ اس کے جواب میں مرزا صاحب نے ایک طویل مضمون لکھا ہے جس کی نسبت "الفضل" کی طرف سے ہمارے ہندوستان کے علماء کو ان الفاظ میں چیلنج دیا گیا ہے:۔

"اب ایڈیٹر صاحب "وکیل" کو چاہیئے۔ کہ خواجہ صاحب کے علاوہ تمام علماء پنجاب وہند

کی مدد حاصل کریں۔ اور اس پر اپنی تنقید شایع کر کے ہمیں دکھائیں۔ کہ وہ از روئے شریعت اسلام حریت و مساوات کے بہتر معنے سمجھتے ہیں"

بالفاظ دیگر اس کا یہ مطلب ہے۔ کہ ہندوستان بھر میں کوئی شخص اس مضمون کا جواب نہیں لکھ سکتا۔ اس کے متعلق قادیان کی "زبان حال" کی خدمت میں ہم صرف یہ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ کہ جناب مرزا بشیر الدین صاحب کا مضمون ایسا نہیں ہے۔ کہ اس کا جواب لکھنے کیلئے کسی خاص کوشش کی ضرورت ہو۔ یا علماء پنجاب و ہند سے مدد لینی ضروری ہو۔ خواجہ صاحب کی قابلیت اس سے بہت بلند و ارفع ہے۔ کہ ایسے مضمون کے لئے کسی کی مدد حاصل کریں۔ اور ناظرین کرام عنقریب دیکھیں گے۔ کہ یہ چیلنج خواجہ صاحب کو زیب دیتا ہے۔ یا "الفضل" کو۔

تحقیق حق یا زک پہنچانیکی کوشش

آگے چل کر ہمارا ہمعصر لکھتا ہے۔ ہمیں امید نہیں۔ کہ "وکیل" کا ایڈیٹوریل سٹاف اس قسم کی جسارت کرے۔ کیونکہ وہ اس سے پہلے مسٹر ولوبی کے قتل کے معاملہ میں حضرت خلیفۃ المسیح کے ایک ادنی غلام (ایڈیٹر الفضل) کے مقابل میں وہ زک کھا چکا ہے۔ کہ تا عمر یاد رکھیگا"

اس سے ظاہر ہے۔ کہ "الفضل" میں جو کچھ لکھا جاتا ہے۔ تحقیق حق کی غرض سے نہیں۔ بلکہ زک پہنچانے" کے لئے لکھا جاتا ہے۔ جس فریق کو اس قسم کے مباحث میں صرف اپنے حریف کو زک پہنچانا مقصود ہو۔ اس سے کسی معقول بات کے سننے کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔

ہم اپنے ہمعصر کو یہ مشورہ دینگے۔ کہ حقیقی کامیابی زک پہنچانے میں نہیں ہے۔ بلکہ دلائل سے معقول کرنے میں۔ اور یہ وہ جنس ہے جس سے "الفضل" کا جیب و دامن خالی ہے۔ (وکیل)

اسلام اور حریت و مساوات

میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے جس مضمون کا جواب لکھنے کیلئے "الفضل" نے تمام علماء ہند کو چیلنج دیا تھا۔ اس کا جواب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے نے ہمارے پاس لکھ کر بھیجدیا ہے۔ جو عنقریب "وکیل" میں شائع ہونا شروع ہو جائیگا۔

اسلام دین الفطرۃ ہے۔ ہمارا اعتقاد ہے۔ کہ وہ دنیا کے تمام بہترین اصول تہذیب و

اخلاق اور تمام جائز ذرائع کامرانی و فیروزمندی کو شامل ہے۔ اور اس نے اپنے پیرو ان کو وہ سب کچھ دیا ہے۔ جو بنی نوع انسان کی رہبری و رہنمائی و استواری کیلئے ضروری ہے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ اور کوئی منزل ایسی نہیں ہے۔ جس کے لئے یہ دین مقدس ہمیں پوری روشنی نہ دیتا ہو۔ ناظرین کرام دیکھیں گے۔ کہ خواجہ صاحب نے مضمون زیر بحث میں اس نقطہ نگاہ کو کہاں تک ملحوظ رکھا ہے۔ اور کس کامیابی کے ساتھ شاہد مقصود سے ہمکنار ہوئے ہیں۔

"الفضل" نے مرزا صاحب کی "قرآن دانی" کا فخر کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ لیکن اپنے مضمون میں مرزا صاحب نے قرآن سے نہیں بلکہ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ برخلاف اس کے خواجہ صاحب نے قرآن کے بحر ناپیدا کنار میں پر ذوق غوطے لگا کر وہ گوہر گرانمایہ پیدا کئے ہیں۔ کہ جو دیکھنے ہی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ("وکیل")

اسلام اور حریت و مساوات

وو ضع المیزان الا تطغوا فی المیزان و اقیموا الوزن بالقسط ولا تخسروا المیزان

(الرحمٰن)

ترجمہ۔ اور رکھی میزان۔ کہ تم ترازو میں زیادتی نہ کرو۔ اور انصاف سے سیدھی ترازو تولو۔ اور تول کو نہ گھٹاؤ۔

وکیل مطبوعہ ۳ لغایت ۵ دسمبر ۱۹۲۰ء میں مضمون مندرجہ عنوان کے تحت جو کچھ ہم نے لکھا تھا۔ اس کا جواب الفضل نمبر ۴۶ جلد ۸ مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۲۰ء میں مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب قادیانی نے شایع فرمایا ہے

مرزا صاحب ممدوح جب سابقین اولین میں سے حضرت ابوذر غفاریؓ کی ہجو ملیح کرتے ہیں۔ اور ایسے لفظوں میں کرتے ہیں۔ جو لسان العصر الہ آبادی کے قطعہ کا مفہوم ہے

سنتے ہیں ہم کہ حضرت واعظ ہیں نیک مرد — علامہ زماں ہیں بڑے فیلسوف ہیں
ذات شریف آپ کی مستجمع صفات — یہ اور بات ہے کہ ذرا بیوقوف ہیں

جب صحابہ کرام اور تابعین کو "شریروں" سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو ہم گنہگار کس شمار میں ہیں ہماری نسبت مرزا صاحب ممدوح نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں جن کا مفہوم یہ ہے۔ کہ ہم بے ادب ہیں"۔ ظالم ہیں۔ خود سر ہیں"۔ کافر ہیں"۔ اس کے علاوہ جس انداز سے ہماری ناچیز شخصیت کے مقابلہ میں رجز خوانی کرتے ہیں۔ کچھ انہی کی مخصوص شان خلافت وامامت کے مناسب ہے۔ جن مسلمانوں کو خدا نے توفیق دی ہے۔ کہ وہ حسب ذیل آیات پر عمل کریں۔ ان کے لئے زیبا نہیں ہے۔ کہ عامیانہ جذبات مخالفت میں نقاہت ومتانت کو ہاتھ سے دیں۔

۱۔ ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسنؕ (۱۴-۲۲) — ۱۔ ترجمہ۔ نیک نصیحت اور حکمت سے اللہ تعالےٰ کے راستہ کی طرف بلا۔ اور بہترین چیز کے لئے ان سے جھگڑا کر۔

مرزا غلام احمد صاحب۔ "خدا بخشے بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں"۔ ابھی تک موجودہ نسلوں کی یاد میں تازہ ہیں۔ جان نثاران اسلام کی فہرست میں ان کا نام بھی ہے۔ یہ اور بات ہے۔ کہ بعض عقائد میں ہم ان سے اختلاف رکھتے ہیں۔ لیکن خدا تعالےٰ کے ارشاد پر غور کرو۔

۲۔ ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم کذٰلک زینا لکل امۃ عملھم (۷-۱۹) — ترجمہ ۲۔ تم اور لوگوں کو برا نہ کہو۔ جو اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں پس وہ اللہ کو زیادتی سے بغیر علم کے برا کہنے لگیں گے۔ اس طرح ہم نے ہر ایک امت کو ان کے عمل کی بدولت زینت دی۔

ایک حق پرست اور بت پرست کے مذہبی جذبات کی نوعیت میں کچھ فرق نہیں۔ اگر فرق ہے۔ تو یہ ہے۔ کہ حق پرست "عالم" اور بت پرست "جاہل" ہوتا ہے۔ بوجہ جہل وہ

حقیقت سے ناآشنا ہوتا ہے۔ اور صرف "صورت" جو اسے محسوس ہوتی ہے۔ قابل پرستش سمجھتا ہے۔ اختلاف رائے کے باعث کسی کو برا کہنا اسلام کی تعلیم کے سخت مخالف ہے ہم نے اپنے مضمون محولا بالا میں مرزا صاحب مرحوم کا نام مناسب عزت و احترام سے لکھا تھا۔ لیکن کاتب نے جہاں اور غلطیاں کتابت میں کی ہیں۔ وہاں یہ فروگزاشت بھی کی ہے۔ کہ ان الفاظ کو حذف کر دیا۔

ایک دفعہ رسول کریم نے حضرت عکرمہؓ کی شکایت پر کہ صحابہؓ آپکو "ابن ابی جہل" کہ کر مخاطب کرتے تھے۔ صحابہؓ کو منع کر دیا۔ اور فرمایا۔ کہ "مردوں کو برا کہنا زندوں کو تکلیف دینا ہے"۔ مبارک ہیں وہ مسلمان جو اس "خلق عظیم" کے "اسوہ حسنہ" پر چلتے ہیں۔ جس کی تعریف اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ مرزا صاحب مرحوم انتقال کر چکے ہیں۔ ان کے عقائد پر بحث ہو سکتی ہے۔ مگر ان کی شخصیت کو برا کہنا ایسا ہی ہے جیسا کہ بتوں کو برا کہنا جو نہ سن سکتے ہیں۔ نہ جواب دے سکتے ہیں۔ یہ کچھ استبداد پسند شخصیت پرستوں ہی کے لئے زیبا ہے۔ اگر مرزا صاحب ممدوح ہمیں اور دو چار بے نقط سنا کر جذبہ مخالفت کو ٹھنڈا کر سکتے ہیں۔ تو یہ امر بھی ہماری انتہائی مسرت کا موجب ہوگا۔ کیونکہ ہمیں یقین ہے۔ کہ مرزا صاحب ممدوح ہمارے عیوب سے اتنے واقف نہیں ہیں۔ جتنے کہ ہم خود ہیں۔ بتر زانم کہ گفتی۔

ہمارا حق وکالت

مرزا صاحب ممدوح اگرچہ امور متنازعہ میں حکم نہیں ہیں۔ مگر ہمارا حق وکالت تسلیم نہیں کرتے۔ گریجوایٹ صاحب[۵] جن کے سوالات کے جواب میں مرزا صاحب نے خط لکھا۔ ہم نہیں جانتے۔ کہ کون ہیں؟ اور ہم ان کی وکالت بھی نہیں کرتے۔ مرزا صاحب ممدوح بھول گئے ہیں۔ کہ یہ سوالات اور جوابات "الفضل" کے صفحات پر شائع ہو چکے ہیں۔ اس لئے اب ہر ایک مسلمان کا حق ہے۔ کہ اس حملہ کی مدافعت کرے۔ جو اسلام پر کیا گیا ہے۔ اور ہمیں بھی یہ حق حاصل ہے۔

نہ دارد کسے با تو ناگفتہ کار
ولیکن چو گفتی دلیلش بیار

۵ مجھے اب معلوم ہوا ہے۔ کہ گریجوایٹ صاحب میرے چچا کے لڑکے خواجہ احمد حسین صاحب ہیں۔ جو کسی وقت مرزا صاحب کے مرید تھے۔

قول فیصل

۱- فبای حدیث بعدہ یومنون (۱۳-۹)
ترجمہ ۳- یہ لوگ قرآن کے بعد کس حدیث پر ایمان لائیں گے۔

تحقیق تو یہی ہے۔ کہ قرآن شریف "قول فیصل" ہے۔ جس میں ہر ایک شے کی تفصیل ہے اس کی موجودگی میں

۱۔ افغیر اللہ ابتغی حکما وھو الذی انزل الیکم الکتاب مفصلاً
ترجمہ۔ اللہ کے سوا کسی "حکم" کی تلاش جرم ہے اور اس نے تمہاری طرف تفصیلی کتاب اتار دی"

کتاب اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کی تلاش کرنا جرم ہے۔ ظلم ہے۔ فسق ہے۔ کفر ہے۔ جیسا کہ حسب ذیل آیات سے ثابت ہوتا ہے :۔

۴۔ ومن اظلم ممن ذکر بایات ربہ ثم اعرض عنھا ان من المجرمین منتقمون۔
۴- اور جس نے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے ظلم کیا۔ اور پھر ان سے منہ موڑ لیا تحقیق ہم مجرموں سے انتقام لینے والے ہیں۔

۵۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظالمون۔
۵۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی چیز سے حکم نہ کریں۔ وہ ظالم ہیں۔

۶۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفاسقون۔
۶۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی چیز سے حکم نہ کریں۔ وہ فاسق ہیں۔

۷۔ ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون۔
۷۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی چیز سے حکم نہ کریں۔ وہ کافر ہیں۔

ہمارا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ کہ مرزا صاحب ممدوح کو کتاب اللہ کا فیصلہ منظور نہیں ہے۔ ایسی غلط فہمی پیدا نہ کرنا چاہیئے۔ ہمارا مدعا یہ ہے۔ کہ باوجود ادعا قرآن دانی صاحب موصوف نے احادیث اور مفسرین کے اقوال ہی سے استدلال کیا ہے۔ اور افسوس ہے۔ کہ وہ بھی صحیح نہیں۔ جیسا کہ ہم مناسب مقام پر واضح کر دیں گے۔

بحث جبکہ اصول اسلام کے متعلق ہو۔ تو کتاب اللہ اور صرف کتاب اللہ ہی کے رو سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔ کہ کیا ہیں؟ احادیث خود ثبوت کی محتاج ہیں۔ اور ان میں

موضوع بھی ہیں، اور ضعیف بھی، مسلمانوں کے بعض فرقے بعض کو تسلیم کرتے ہیں اور بعض سے انکار، شکوک وشبہات سے معرا نہیں۔ لیکن کتاب اللہ کی تعریف لاریب فیہ ہے۔ جو علم کی تعریف ہے۔ جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہ ہو۔ کتاب اللہ محفوظ ہے۔

۸۔ انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون (۱۴-۱)
ترجمہ۔ ۸۔ تحقیق ہم ہی نے قرآن کریم اتارا۔ اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

احادیث پر اس تعریف کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اگر آج احادیث کا تمام ذخیرہ ضایع ہو جائے تو اسلام پر کوئی حرف نہیں آتا۔ لیکن اگر قرآن کی ایک آیت، ایک لفظ بلکہ ایک حرف بھی ضایع ہو جائے۔ تو خاتمہ ہے۔ اس لئے ہم مرزا صاحب ممدوح اور ان کی جماعت کو امتیازات اور تفریقات کی طرف نہیں بلکہ مساوات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ کہ

۹۔ تعالوا الی کلمۃ سوآء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ
ترجمہ۔ ۹۔ آؤ اس قول کی طرف کہ ہم میں اور تم میں مساوات ہو۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور نہ کسی شئی کو اس کا شریک بنائیں۔ اور نہ اللہ کے سوا اپنے میں سے کسی کو رب بنائیں۔

اور اگر یہ فیصلہ آلہی منظور نہ ہو۔ تو

اشہدوا بانا مسلمون (۳-۱۵)
ترجمہ۔ گواہ رہو۔ کہ ہم مسلمان ہیں۔

کتاب اللہ کے فیصلہ کے سوا کسی شخصیت کا فیصلہ خواہ اس کا دعویٰ رسالت اور نبوت ہی کیوں نہ ہو۔ ہم ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ایسی شخصیت "اربابا من دون اللہ" کی ذیل میں آتی ہے۔ ان کی اطاعت ان کی پرستش ہے۔ جو ان لوگوں کے مناسب ہے جو سوچنے سمجھنے کے بغیر کورانہ تقلید کرتے ہیں۔

یہ تو ہماری انتہائی بدقسمتی ہے۔ کہ ہم قرآن کے حافظ نہیں ہیں، اور مرزا صاحب ممدوح اس پر ہمیں جتنی بھی ملامت کریں۔ بجا ہے۔ اس لئے قیاس ہو سکتا ہے۔ کہ مرزا صاحب ممدوح حافظ ہیں۔ اور اس پر آنجناب جتنا بھی فخر کریں۔ بجا ہے۔ لیکن اس

ادعا کے مطابق کہ آنجناب حافظ قرآن و قرآن دان ہیں استدلال قرآن ہی سے مناسب تھا۔

اصل اصول تحقیق یہ ہے۔ کہ محکمات کے جواب میں متشابہات پیش کرنا غلط طریق استدلال ہے۔ اور ان کے مقابلہ میں احادیث پیش کرنا تو خطرناک غلطی ہے۔ اور مفسرین کے اقوال کو سنداً پیش کرنا تو کوئی حجت نہیں ہوسکتی۔

بے شبہ قرآن کے بعد احادیث کا درجہ ہے۔ لیکن محققین کا اس پر اتفاق ہے۔ کہ احادیث اگر موضوع نہیں ہیں۔ تو رسولؐ کریم اور صحابہؓ کے اقوال یا آنحضرتؐ اور صحابہ کے اعمال کا تذکرہ ہیں۔ اور خاص خاص حالات و واقعات وخصوصیات وقت کے مناسب ہیں۔ حالات غیر محدود اور احکام محدود ہوتے ہیں۔ قرآن اصول احکام وغیرہ کی جامع ومانع کتاب ہے۔ اس لئے احکام اور حالات میں مطابقت کیلئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔ رسول کریمؐ سب سے پہلے مجتہد تھے۔ احادیث کا اطلاق اصولاً عام نہیں ہوسکتا۔ جب تک وہی حالات وغیرہ موجود نہ ہوں۔ ان سے استدلال کرنا غلط مبحث ہے۔

اصل اصول اسلام	فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون

مرزا صاحب ممدوح کی رائے میں حریت ومساوات، نہ تو ارکان اسلام میں داخل ہیں اور نہ اصولی احکام ہیں۔ ارکان اسلام تو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا۔ ملائکہ پر ایمان لانا۔ کتب پر ایمان لانا۔ رسولوں پر ایمان لانا اور یوم آخر پر ایمان لانا ہیں۔ اور اصولی احکام کی دو قسمیں ہیں۔ تخلیہ و ترکیہ، تخلیہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا اور نماز اور حج اور روزہ اور زکوۃ۔ اور ترکیہ قتل نہ کرنا۔ چوری نہ کرنا۔ زنا نہ کرنا۔ خیانت نہ کرنا بقول آنجناب باقی اوامر و نواہی الہٰی کے فروع ہیں۔ اس لئے اگر حریت ومساوات کی خاص تعریف کے تحت ان کے مناسب ہوں۔ تو فروع ہی میں داخل ہوں گے۔ مرزا صاحب نے یہ نہیں کہا۔ کہ اصولاً ہوں گے۔ یا کس طرح؟ اگر اس کی تشریح فرما دیتے۔ تو غالباً بحث کا خاتمہ ہو جاتا۔

مذہبی مساوات

حریت و مساوات کو فروع میں داخل کرنا اور وہ بھی کسی خاص تعریف کے تحت یہ کہنا ہے۔ کہ حریت و مساوات کو جو اہمیت تعلیمیافتہ جماعت دے رہی ہے۔ صحیح نہیں۔ لیکن ہمارے تعجب کی کوئی حد نہیں رہتی۔ جب ہم مرزا صاحب ممدوح کے ان فقروں کا مطالعہ کرتے ہیں۔ جو "مذہبی مساوات" کے زیر عنوان آں جناب نے لکھے ہیں:۔

"پہلی مساوات خواجہ صاحب نے مذہب کی بیان کی ہے۔ اور کچھ شک نہیں۔ کہ یہ مساوات سب سے بڑی ہے۔ اور سب سے پہلے اسے اسلام ہی نے قائم کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے آقا اور رہنما حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی رسول کریم صلے اللہ علیہ وعلی آلہ وسلم کے بعد ایک ایسے شخص ہوئے ہیں جنہوں نے اس مسئلہ پر اسقدر زور دیا ہے۔ جو اس کی عظمت کے مطابق تھا"

کم از کم مرزا صاحب ممدوح کے آقا اور رہنما کے خیال میں مسئلہ "مساوات مذہبی" ایک خاص شان اور عظمت رکھتا ہے۔ اگر یہ فروع میں داخل ہے۔ اور وہ بھی کسی خاص تعریف کے تحت" تو آپ کے آقا اور رہنما کا اس پر "زور" دینا اور "فروع" پر آپ کا بھی عرق آور "زور" دینا ایک بے حقیقت بات ہے۔ جب یہ مسئلہ کچھ ایسا اہم ہی نہیں تو "زور" پر "زور" دینا "زور" کا بیجا صرف ہے۔ جو محض اسراف ہے۔

مرزا صاحب ممدوح سے ہم نہایت ادب کے ساتھ پوچھتے ہیں۔ کہ یہ مساوات کن "اصول" یا "فروع" کے تحت صحیح ہو سکتی ہے۔ اگر یہ فروع میں داخل ہے۔ تو وہ کونسی خاص تعریف ہے۔ جس کے تحت یہ مساوات جائز ہو سکتی ہے؟ "ان اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ"

ارکان اسلام

مرزا صاحب ممدوح نے ارکان اسلام کے ثبوت میں حسب ذیل آیات کا حوالہ دیا ہے:۔

۱۔ ومن یکفر باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر فقد ضل ضلالا بعیدا۔

۲۔ ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذٰلک سبیلا اولئک ھم الکافرون حقا واعتدنا للکافرین عذابا مھینا۔

آیات صاف ہیں۔ لیکن جب اتباعِ ظن پر مخفی اغراض مائل کرتے ہیں۔ تو انسان حقانیت سے دور ہو جاتا ہے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ آیا رسل وغیرہ پر ایمان لانا ایسا ہی مقصود بالذات ہے۔ جیسا اللہ تعالیٰ پر؟

سب سے پہلے یہ ذہن نشین کر لینا چاہیئے۔ کہ رسول بشر ہی ہوتے ہیں۔ اور بشر بھی "مثلکم"۔ تاکہ یہ مغالطہ نہ ہو۔ کہ کسی اور قسم کے بشر ہوتے ہیں۔ وہ کھاتے، پیتے، اٹھتے بیٹھتے، چلتے، پھرتے ہیں۔ اور بہ تقاضائے بشریت ان کمزوریوں سے بھی مبرا نہیں ہوتے جن کے بغیر آجتک کوئی بشر نہیں ہوا۔ بہ حیثیت رسول ان کا کام یہ ہے۔ کہ وہ ارشاد الٰہی لوگوں تک پہنچا دیں۔ ان کا کام صرف "بلاغ" ہے۔ اور وہ "حفیظ" اور "وکیل" نہیں ہوتے۔ وہ "ارباباً من دون اللہ" نہیں ہوتے۔ اس لئے ان کی اطاعت کی غرض اگر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرنا نہیں ہے۔ تو شرک ہے۔

۱۰۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

ترجمہ۔ ۱۰۔ جس نے رسول کی اطاعت کی۔ اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔

۱۱۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ

۱۱۔ اور جو رسول ہم نے بھیجا۔ اس کے بھیجنے سے ہمارا مقصود یہی رہا ہے۔ کہ اللہ کے اذن سے اس کا کہا مانا جائے

بے شمار آیات ہیں جن کے رو سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ رسول کی اطاعت بوجہ مطابقت منشاء الٰہی ہوتی ہے۔ ورنہ اطاعت "ارباباً من دون اللہ" ہے۔ بلکہ رسولوں کا کام ہی یہ ہے۔ کہ بذریعہ تبلیغ اور اسوۂ حسنہ لوگوں کو اللہ کے بندے بنائیں۔ نہ کہ اپنے بندے بنائیں۔

۱۲- ماکان لبشرٍ ان یؤتیہ اللّٰہ الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عباداً لی من دون اللہ ولکن کونوا ربانیین بما کنتم تعلمون الکتاب وبما کنتم تدرسون ولا یامرکم ان تتخذوا الملٰئکۃ والنبیین ارباباً یامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون (۳-۱۶)

ترجمہ-۱۲- کسی بشر کے یہ شایاں ہی نہیں- کہ اللہ اسکو کتاب اور حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہنے لگے- کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بنو- بلکہ (یہ کہیگا کہ) خدا پرست ہو کر رہو- اس لئے کہ تم لوگ کتاب پڑھاتے رہے ہو- اور اس لئے کہ تم پڑھتے رہے ہو- جو وہ تم سے نہیں کہیگا- کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا بناؤ- بھلا تم تو اسلام لاچکے ہو- اور وہ اس کے بعد تمہیں کفر کرنے کو کہے-

ان آیات سے یہی واضح ہوتا ہے- کہ رسول کافروں کو مسلمان بناتے ہیں- نہ کہ مسلمانوں کو کافر" اور مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے- کہ رسولوں اور فرشتوں کو" ارباباً من دون اللہ" بنائے- یہ بشر بحیثیت رسول جو کچھ حکم کرتا ہے- وہ خدا کا حکم ہے- اور خدا ہی کا حکم اور صرف اسی کا حکم ماننا اسلام ہے- بلکہ خود رسول اللہ بھی اسی حکم کی تعمیل کرتا ہے- اور اسی طرح کرتا ہے جس طرح اور لوگوں کو کرنے کے لئے کہتا ہے-

۱۳- افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم من فی السموات والارض طوعاً وکرھاً والیہ یرجعون- (۳-۱۷)

۱۳- ترجمہ- کیا اللہ کے دین کے سوا کچھ اور ڈھونڈتے ہو- جو کچھ زمین و آسمان میں ہے سبھی کے حکم میں ہے- خوشی سے یا زور سے اور اسی کی طرف پھر جاوینگے-

یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے- اللہ ہی کا حکمبردار ہے- یعنی دین الٰہی یہی ہے- جو ہر ایک شئے کی فطرت میں ودیعت ہے- یہی اسلام ہے- "ذٰلک الدین القیم"

۱۴- ومن یبتغ غیر الاسلام دیناً فلن یقبل منہ (۳-۱۷)

ترجمہ-۱۴- اور جو کوئی اسلام کے سوا دین چاہے- وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائیگا-

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے- کہ رسول کا اپنا ذاتی کوئی حکم نہیں ہوتا- حکم صرف

اللہ تعالیٰ کا ہے۔ ان الحکم الا للہ ۔ اور ولا شرک فی حکمہ احدا۔ اس کے حکم میں کوئی شریک نہیں۔

یہی وجہ ہے ۔ کہ اس آیت میں جس کا حوالہ مرزا صاحب ممدوح نے دیا ہے ۔ وہ لوگ کافر قرار دئیے گئے ہیں ۔ جو اللہ اور اس کے رسول میں فرق کرتے ہیں ۔ یہی وہ لوگ ہیں جو رسولوں کو پوجتے تھے ۔ کسی کو ابن اللہ اور کسی کو اوتار اور دیوتا اور "ارباباً من دون اللہ" سمجھتے تھے۔

۱۵۔ لا نفرق بین احد منھم ۲-۳ ترجمہ ۔ ۱۵۔ ہم ان میں سے کسی کو جدا نہیں کرتے کا بھی یہی مفہوم ہے ۔ کہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کیلئے تبلیغ کرتے ہیں ۔ اور ان کی ایک ہی تبلیغ ہوتی ہے ۔ اس اصول کو اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے ۔ کہ

۱۶۔ من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعا ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا (۶-۹)

ترجمہ ۔ ۱۶۔ ایک شخص کا قتل ناحق تمام انسانوں کا قتل ہے ۔ اور ایک انسان کی جان کی حفاظت تمام انسانوں کی جان کی حفاظت ہے۔

جو لوگ یہ سمجھتے ہیں ۔ کہ تمام انبیاء کو نام بنام ماننا چاہئے ۔ وہ اگر ان انبیاء کی شخصیت پر نظر رکھتے ہیں ۔ تو کافر ہیں ۔ اول تو قرآن شریف میں چند رسولوں اور نبیوں کے کسی کے نام بھی نہیں بتائے گئے ۔ حالانکہ کوئی امت رسول سے خالی نہیں رہی ۔ اس لئے ایک رسول کا ماننا سب رسولوں کا ماننا ہے ۔ بشرطیکہ اصولاً ہو ۔ اور ایک کا انکار سب کا انکار ہے ۔ اگر شرارتاً ہو ۔ ماننا تو صرف خدا ہی کا ہے ۔ رسول پر ایمان لانا مقصود بالذات نہیں ہے ۔ یہاں تک کہ رسالت کا اجر بھی لوگوں پر نہیں ہے ۔ اور نہ رسول اجر طلب کر سکتا ہے ۔ رسول آسمانی بادشاہت کا اعلیٰ عہدہ دار ہوتا ہے ۔ جیسا کہ دنیوی بادشاہوں کے نواب ہوتے ہیں ۔ اگر یہ لوگوں سے رشوت طلب کریں ۔ تو جرم کے مرتکب ہوں گے ۔ ان کو تنخواہ سرکار سے ملتی ہے ۔ اسی طرح رسولوں کو اجر اللہ تعالیٰ دیتا ہے ۔ آنحضرت کی آخری وصیت کا یہی مفہوم ہے ۔ کہ اللہ تعالیٰ کی زمین اور

بندوں میں برتری تلاش نہ کرو۔

تلک الدار الاخرۃ نجعلھا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا (۲۰-۱۲)

ترجمہ۔یہ دار الآخرت ہم ان لوگوں کو دینگے۔ جو ملک میں بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے۔

۱۷-وقالت الیھود لیست النصٰری علی شیء وقالت النصٰری لیست الیھود علی شیء وھم یتلون الکتٰب" (۱۱-۱۴)

ترجمہ۔۱۷-یہود نے کہا۔کہ نصاریٰ گمراہ ہیں اور نصاریٰ نے کہا۔کہ یہود گمراہ ہیں۔ حالانکہ وہ سب کتاب پڑھتے ہیں۔

یہود نصاریٰ کو اور نصاریٰ یہود کو گمراہ بتلاتے تھے۔ اور دعویٰ یہ کرتے تھے۔کہ بس جنت کے اجارہ دار ایک ہم ہی ہیں۔

۱۸-وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصٰری تلک امانیھم (۱-۱۳)

ترجمہ۔۱۸۔اور کہتے ہیں۔کہ یہود و نصاریٰ ہی جنت میں داخل ہوں گے۔یہ ان کی آرزوئیں ہیں۔

قول فیصل یہ ہے۔کہ "تلک امانیھم" اور

۱۹-قل ھاتوا برھانکم ان کنتم صٰدقین بلیٰ من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (۱-۱۳)

ترجمہ۔۱۹-کہدے۔کہ اگر تم سچے ہو۔تو اپنی دلیل لاؤ۔ ہاں جو شخص اپنا منہ اللہ کے تابع کردے۔ اور وہ نیک ہو۔ تو اس کا اجر اس کے اللہ کے پاس ہے۔ اور نہیں نہ کوئی خوف ہے اور نہ غم۔

ہمارے مرزا صاحب ممدوح بھی یہود و نصاریٰ کی طرح باتیں بناتے ہیں۔

۲۰-کذلک قال الذین لا یعلمون مثل قولھم

ترجمہ۔۲۰۔اسی طرح ان لوگوں نے ان ہی کی سی بات کہی ہے جن کے پاس علم نہیں۔

اور اسلام کی وہی تصویر پیش کرتے ہیں۔ جو یہود و نصاریٰ کرتے ہیں۔ وہم یتلون

الکتب" یہود تو یہ کہتے تھے - کہ بس حضرت موسیٰ ہی ایک ذریعہ ہیں - ایک ہی مہر تاباں ہیں - جن کی روشنی کے بغیر بارگاہ الٰہی تک پہنچنا محال ہے - اور نصاریٰ یہ کہتے تھے - کہ حضرت عیسےٰ کے سوا کوئی اور نام دنیا کو دیا ہی نہیں گیا - وہی ایک نجات کا وسیلہ ہیں - آج ہمارے مرزا صاحب ممدوح بھی یہی ارشاد فرماتے ہیں - ہمیں ڈر ہے - کہ کہیں مرزا صاحب ممدوح یہ دعویٰ نہ کر بیٹھیں - کہ بس انہی کے آقا اور رہنما کی ایک ذات مستجمع صفات نجات کا وسیلہ ہے -

اگر یہود و نصاریٰ اور ہمارے مرزا صاحب کا یہ دعویٰ صحیح ہے - تو وہ کونسا "کلمہ" ہے جو اہل کتاب میں "مساوی" ہے ؟ اور اس کی طرف کیوں دعوت دی گئی ہے ؟ حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسےٰؑ یا حضرت محمدؐ کو نجات کا ذریعہ سمجھنا "اربابًا من دون اللہ" بنانا ہے - اسلام کا اعلان یہ ہے -

۲۱- ان الذین امنوا والذین ھادوا والنصٰری والصابئین من امن باللہ والیوم الاخر و عمل صالحًا فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون (۱-۸)	ترجمہ - ۲۱- وہ لوگ جو رسول پر ایمان لائے اور وہ لوگ جو یہود اور نصاریٰ اور صابی کہلاتے ہیں - کچھ انہی کی تخصیص نہیں - خواہ کوئی ہو - جو اللہ پر اور یوم آخر پر ایمان لاتا ہے - اور نیک کام کرتا ہے - وہی نجات پائیگا -
من اسلم وجھہ للہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون -	ترجمہ - جو اپنے آپ کو اللہ کے تابع کر دے اور وہ نیک ہو - اس کا اجر اس کے اللہ کے پاس ہے - اور انہیں کوئی خوف اور غم نہیں ہے

رسول پرستی اسلام کی تعلیم نہیں ہے - بلکہ رسول بندگان خدا کا سب سے بڑا خادم ہوتا ہے

۲۲- واخفض جناحك للمومنین (۱۴-۲)	ترجمہ - ۲۲- اور اپنے بازو مومنوں کیلئے جھکا -

۲۳- واذا جاءك الذين يؤمنون بآيتنا فقل سلام عليكم (۷-۱۱) ترجمہ ۲۳- اور جب تیرے پاس ہماری آیات پر ایمان لانے والے لوگ آئیں۔ تو کہہ۔ کہ تم پر سلام ہو۔

ہمیں تو کتاب اللہ سے کوئی ایسی آیت معلوم نہیں ہوئی جس کے ذریعہ سے یہ ثابت ہو کہ مدعیان نبوت و رسالت کو سجدہ کیا کرو۔ ان کے پاؤں دھو دھو کر پیا کرو۔ ان کا "پس خوردہ" لڑجھگڑ کر بھی ہاتھ آئے۔ تو جنت الماوٰی کی اعلیٰ نعمت سمجھ کر کھایا کرو۔

اسلام کا اصل اصول وحدت ہے

مرزا صاحب ممدوح جن کو ارکان اسلام سمجھتے ہیں۔ اور جو ہم "پکی روٹی" میں بچپن میں پڑھ چکے ہیں۔ اور جن سے ہر ایک مسلمان واقف ہے یہ صحیح ہیں۔ لیکن سوائے "توحید" ان میں سے ایک بھی مقصود بالذات نہیں۔ "رسول" توحید ہی کی تبلیغ کرتے تھے۔ ملائکہ توحید ہی کے نغمہ سنج ہیں۔ اللہ تعالےٰ ہی کی تحمید و تقدیس کرتے ہیں۔ اور یوم آخر توحید ہی کا خالص جلوہ گاہ ہے۔

لمن الملك اليوم لله الواحد القهار ترجمہ۔ یوم آخر کی بادشاہت کس کے لئے ہے واحد القہار اللہ تعالےٰ کے لئے ہے۔

فردا کہ پیشگاہ حقیقت شود پدید
شرمندہ رہروے کہ نظر بر مجاز کرد

۲۴- كل من عليها فان ويبقى وجه ربك ذو الجلال والاكرام ۲۷-۱۳ ترجمہ ۲۴- دنیا کی ہر ایک شئی فانی ہے۔ اور صرف تیرے پروردگار صاحب بزرگی و اکرام کی ذات باقی رہے گی۔

۲۵- لا تدع مع الله الٰهًا اٰخر لا اله الا هو كل شئ هالك الا وجهه له الحكم واليه ترجعون۔ (۲۰-۱۲) ۲۵- اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکار۔ کیونکہ صرف وہی معبود ہے۔ اور اس کی ذات کے سوا ہر ایک شئی۔ ہلاک ہونے والی ہے۔ اسی کا حکم ہے۔ اور اسی کی

طرف بازگشت ہے۔

یہی وجہ ہے۔ کہ ہم نے صرف "توحید" کے تحت "حریت و مساوات" پر بحث کی، جو تمام ارکان کا رکن اور اصول کی اصل ہے۔ اگر اس معیار پر ہمارا دعویٰ غلط ثابت ہوتا۔ تو ہم جھوٹے اور ہمارا دعویٰ بھی جھوٹا۔ لیکن مرزا صاحب ممدوح کی اخلاقی جرأت پر تعجب ہے۔ کہ اس موضوع پر جو کچھ ہم نے لکھا۔ خاموشی سے نظر انداز کر دیا۔ اور اس تمام عبارت سے ایک لفظ "مطلق العنان" ہم پر لعن طعن کرنے اور رجز خوانی کے لئے منتخب کر لیا ہے۔ کیا اچھا ہوتا۔ اگر اتنا لکھ دیتے۔ کہ اصل اصول سے آں جناب کو اتفاق یا اختلاف ہے۔ کیونکہ یہی ہماری بحث کا مدار تھا۔ اگر یہ صحیح نہیں۔ تو ہمارا دعوے اور دلائل سب ہیچ ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ ہم کوئی لفظ غلط معنوں میں استعمال کریں۔ اس کا اطلاق بے جا کریں۔ کوئی مثال غلط پیش کریں۔ لیکن اصل موضوع پر اس کا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ حق طلبی اور حق گوئی کا یہ تقاضا تھا۔ کہ تمام عبارت کے مفہوم پر بحث کی جاتی۔ تعجب ہے۔ کہ وہ تمام عبارات جس کا ایک لفظ "مطلق العنان" ہے۔ آپ کی توجہ کی دامنگیر کیوں نہ ہوئیں۔ کیا فی الحقیقت آپ کی یہی غرض ہے۔ کہ سائل یا مخاطب کی تحریر یا تقریر میں کوئی بات ایسی ہاتھ آئے۔ کہ اس کو ملزم ٹھہرایا جائے۔ قائل و معقول کرنے کا یہ عجیب طریقہ ہے۔ جو آنجناب نے اختراع فرمایا ہے۔ کسی محقق کی رائے میں وقیع نہیں ہو سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی نسبت ہم نے ایک لفظ "مطلق العنان" استعمال کیا۔ تو آپ کی رائے میں ہماری گستاخی شیطنت کی حد تک پہنچ گئی ہے۔ بجا ارشاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں ایک اسم "مُضل" یعنی گمراہ کرنے والا بھی ہے۔ اور قرآن میں شیطان کو بھی "مُضل" فرمایا گیا ہے۔

انہ عدو مضل مبین (۲۰-۵) ترجمہ۔ بے شک وہ صریح بہکانے والا دشمن ہے۔

کیا مرزا صاحب ممدوح صاحب ممدوح کی قرآن دانی کچھ اس کی تاویل کر سکتی ہے؟

تلک الدار الاخرۃ نجعلہا للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا (۲۰-۱۲)
ترجمہ - یہ دار آخرت ہم نے ان لوگوں کے لئے بنایا ہے - جو ملک میں برتری اور فساد کا ارادہ نہیں رکھتے -

ہم نے آیات بینات کے رو سے ثابت کیا - کہ چونکہ پیدائش انسان کی نفس واحدہ سے ہوئی ہے - اس لئے حریت اور مساوات انسان کا پیدائشی حق ہے - مرزا صاحب ممدوح نے اس دعویٰ کو تسلیم کرتے ہوئے

وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب
ترجمہ - ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب مخصوص کر دی "

کو جواب میں پیش کیا ہے - اور ثابت یہ کیا ہے - کہ اس سے نسلی عدم مساوات بھی واضح ہوتی ہے - کیونکہ قرآن کریم نے نبوت اور کتاب کے فیضان کو آل ابراہیم میں مخصوص کر دیا ہے " لیکن اس تخصیص کی جو وجہ بتائی ہے - وہ اس دعویٰ کی تردید کیلئے کافی ہے -

مرزا صاحب کی قرآن دانی سے یہ بعید ہوگا - اگر اس آیت کا آنجناب کو علم نہ ہو -

۲۶ - قال انی جاعلک للناس اماما قال ومن ذریتی قال لا ینال عہدی الظلمین (۱۵-۱)
۲۶ - فرمایا تحقیق میں تجھے لوگوں کا پیشوا بناؤں گا - کہا - اور میری اولاد سے ؟ فرمایا - کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا -

اس آیت سے واضح ہوتا ہے - کہ " ذریت " میں سے " ظالمین " مستثنےٰ ہیں -
" تقسیم دولت " کے تحت ہم نے لکھا تھا - کہ " اصل اصول یہ ہے - کہ جو شخص جس شئے کا اہل اور مستحق ہے - وہ شئے اسی کے قبضہ میں رہنی چاہیئے "

اس آیت سے بھی یہ اصل اصول واضح ہوتا ہے - اور مرزا صاحب ممدوح نے دبی زبان سے اسے تسلیم کر لیا ہے -

من ز بصرہ، بلال از حبش، صہیب از شام
ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ ابوالعجبیت ؟

لیکن کیا مرزا صاحب ممدوح کی قرآن دانی سے ہم یہ توقع کر سکتے ہیں، کہ

لکل امۃ رسول — ترجمہ ہر امت کیلئے ایک رسول ہے۔

کی بھی کچھ تفسیر فرمائیں گے۔ ممکن ہے۔ کہ مرزا صاحب ممدوح "نبوت" اور "کتاب" کی تخصیص فرمائیں۔ اس لئے ہم انہی کے اصول موضوعہ کے مطابق انہی کے آقا و رہنما کے ایک مصرعہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

"من نیستم رسول نیاوردہ ام کتاب"

اگرچہ اصولاً اس موضوع پر بحث فضول ہے۔ لیکن مرزا صاحب ممدوح نے اس میں نئی غلط فہمی پیدا کی ہے۔

وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب — ترجمہ۔ ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب مخصوص کر دی۔

پر جو کچھ بحث ہو سکتی ہے۔ وہ کچھ مرزا صاحب ممدوح اور مولانا مولوی محمد علی صاحب کے مابین ہی مناسب ہے۔ کم از کم ہم تو اتنا کہہ سکتے ہیں۔ کہ "مذہبی مساوات" جس پر آپ کے آقا اور رہنما نے زور دیا۔ اور جس کی عظمت پر آپ بھی زور دیتے ہیں۔ آپ کی غلط فہمی کا ازالہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

تدعوا من ادبر وتولی وجمع فاوعی (۲۹-۷) — ترجمہ۔ (یہ آگ) اس شخص کو بلاتی ہے جس نے پیٹھ دی اور منہ موڑا۔ اور مال جمع کر کے بند رکھا۔

مالی مساوات

مرزا صاحب ممدوح مذہبی مساوات کی عظمت تسلیم کرتے ہیں۔ کہ "اسلام نے اس مساوات کو بھی قائم کیا ہے"۔ مگر مالی مساوات کو اصولاً تسلیم نہیں کرتے۔ تاریخ دانی کے ساتھ

یہ دعویٰ کہ ہم ایک "ظلم عظیم" اور "خطرناک تحریف" کے مرتکب ہوئے ہیں وہی ادعا قرآن دانی ہے۔ لیکن حضرت ابوذر غفاریؓ کی ہجو بلیغ اور بعض صحابہ اور تابعین کو "شریروں" سے تعبیر کرنا خدا جانے کس "دانی" کے تحت ہوگا۔

بحث ہمیشہ اصول کے تحت ہوتی ہے۔ جب مذہبی و نسلی مساوات تسلیم کی گئی ہے۔ تو ہم سمجھتے ہیں۔ کہ اصولاً تسلیم کی گئی ہے۔ مالی مساوات سے انکار بھی اصولاً ہوگا۔ مرزا صاحب ممدوح کی تحریر میں یہ اجتماع ضدین انوکھا منطق ہے۔ سب سے پہلے ہمارا مطالبہ یہ ہے۔ کہ مرزا صاحب اس اصول کی تشریح فرمائیں۔ جس کے تحت مذہبی مساوات تسلیم کرتے ہیں۔ اس کے بعد مالی مساوات سے انکار کی وجہ اصولاً واضح فرمائیں۔

ہم نے تو واضح لکھا ہے۔ کہ اصل اصول اسلام وحدت ہے۔ جو کثرت کو ایک مرکز پر لاتا ہے۔ اور تمام احکام میں یہی اصول کام کرتا ہے۔ اس لئے تقسیم دولت بھی اسی اصول کے تحت ہونی چاہئے۔ اسی اصول کے تحت رسولوں کی نسبت یہ ارشاد ہے۔ کہ "لانفرق بین احد منھم" اسی اصول کے تحت امتیازات اور تفریقات زیر بحث کو اسلام مٹاتا ہے۔ اور وحدت اور اجتماع کے مرکز پر لاتا ہے۔ اب مرزا صاحب ممدوح بتائیں۔ کہ وہ کون سا اصول ہے جس کے تحت آپ مالی مساوات تسلیم نہیں کرتے۔

غریب مزاج حضرت ابوذر غفاری رضؓ کے پاس تو قرآن حکیم کی یہ آیت سند تھی۔ کہ

۲۷۔ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی	۲۷۔ ترجمہ۔ جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے تھے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے تھے۔ انہیں دکھ دینے والے عذاب کی بشارت دے۔

بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم هٰذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔ (۱۰-۱۱)

جس دن اس کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان کے ماتھے اور ان کے پہلو اور ران کی پیٹھیں داغی جائینگی یہی وہ ہے۔ جو تم اپنے نفسوں کیلئے جمع کرتے تھے۔ پس اپنے جمع کئے کا مزہ چکھو۔

ان آیات میں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔ ایک تو جمع شدہ مال تمام وکمال خرچ کرنا چاہیئے۔ نہ کہ اس کا کچھ حصہ جیسا کہ مرزا صاحب ممدوح کا استدلال ہے۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو "ھا" نہ ہوتا۔ بلکہ "منھا" ہوتا۔ دوسری بات قابل توجہ یہ ہے۔ کہ لوگ مال جمع "لانفسکم" کرتے ہیں۔ اور مرزا صاحب ممدوح کے استدلال کے رو سے یہ جائز ہے۔

اب مرزا صاحب ممدوح اس غریب مزاج صحابی کے جواب میں جس کا سابقین اولین میں ساتواں نمبر ہے۔ کوئی آیت پیش کریں۔ تو ہم بھی جھک کر سلام کریں گے۔

تاریخ کا یہ فتویٰ عام ہے۔ کہ جو قوم روپیہ پیسہ کی محبت میں مبتلا ہوئی اس کی تباہی ایک ناگزیر امر ہے۔ آیت محولا بالا میں جن الفاظ میں اس حقیقت کو واضح بیان کیا گیا ہے۔ کسی تفسیر کا محتاج نہیں۔ اسلام میں تفرقہ اور نفاق ڈالنے کا سب سے پہلا ذریعہ یہی تھا۔ مرزا صاحب ممدوح کی تاریخدانی ایسے اسباب کی تلاش میں ہے۔ جو آں جناب کا اختیار ہے کہ خود اختراع فرمائیں۔ ورنہ تاریخ کے صفحات پر تو موجود نہیں ہیں

زکوٰۃ

مرزا صاحب ممدوح کی قرآن دانی سے یہ توقع بعید نہیں۔ کہ آں جناب کسی آیت کے رو سے زکوٰۃ کے متعلق تعین حصص کی تشریح فرمائیں گے۔ مزید بحث ہم مناسب مقام پر کرینگے۔

عفو

تمام آیات جو ہم نے تقسیم مال کے متعلق پیش کیں۔ وہ بخیال مرزا صاحب ممدوح غیر متعلق، بے ربط ہیں۔ اور مسئلہ زیر بحث پر چسپاں ہی نہیں ہوتیں۔ مگر مرزا صاحب کی قرآن دانی نے ہمیں اس فیض سے محروم ہی رکھا۔ جو ان کے صحیح مفہوم واضح بیان کرنے سے ہمیں ملتا۔ فرماتے ہیں۔ کہ صرف ایک آیت سے کچھ استدلال ہو سکتا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔

ویسئلونک ماذا ینفقون، قل العفو" ترجمہ۔ اور تجھ سے سوال کرتے ہیں۔ کہ کیا خرچ کریں۔ کہدے۔ کہ عفو۔

اس کے بعد فرماتے ہیں۔ کہ "عفو کے کئی معنے ہیں"۔ اور "یہ کئی معنی" کی ذمہ واری بھی آں جناب مفسرین کے سر تھوپتے ہیں۔ قرآن دانی کا تو یہ تقاضا تھا۔ کہ "یہ کئی معنی" آیات بینات سے ہی واضح فرماتے بہر حال مرزا صاحب ممدوح ان "کئی معنی" میں حکم "زکوٰۃ کے ساتھ آیت زیر بحث کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ یہ ناسخ و منسوخ کا حربہ ایسا خطرناک ہے جس کی ضرب سے کوئی آیت نہیں بچ سکتی۔

مرزا صاحب ممدوح فرماتے ہیں۔ کہ

"یہ خیال کہ اسلام کا یہ حکم ہے۔ کہ جو مال ضرورت سے زائد بچے۔ اسے تقسیم کر دینا چاہئے۔ بالکل خلاف اسلام اور خلاف عمل صحابہ ہے"۔

مرزا صاحب کی قرآن دانی اور تاریخ دانی دونو دعووں کو ثابت کرنے سے قاصر رہی ہے۔

ہم نے اس موضوع پر بھی بحث اصولاً کی تھی۔ اور لکھا تھا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ فی الارض بنایا ہے۔ اور بحیثیت نائب تمام اشیاء فی الارض اس کے قبضہ میں دی گئی ہیں۔ اصل اصول یہ

ہے۔ کہ جو شخص جس شئے کا اہل اور مستحق ہے۔ وہ شئے اس کے قبضہ میں رہنی چاہئے۔ ضرورت سے زیادہ جو شئے ہو۔ وہ اس کے اہل اور مستحق کو دینی چاہئے۔

اس کی تائید میں ہم نے چند آیات کا حوالہ دیا تھا۔ اور لکھا تھا۔ کہ مال خواہ محنت و مشقت سے یا بذریعہ تجارت یا زراعت یا صنعت و حرفت یا جنگ میں لڑکر یا مفت ہاتھ آئے۔ اس کا مصرف قرآن حکیم نے ایک ہی بتایا ہے۔ اور وہ یہ ہے۔ کہ جو اس کے اہل اور مستحق ہوں۔ ان کو دیا جائے۔

مرزا صاحب نے دو آیات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ کہ غیر متعلق ہیں۔ آیات دربارہ مال "فی" اور "نفل" اور "غنیمت" پر بحث کی ہے۔ کہ اس تقسیم میں مساوات نہیں ہے۔

"علم الاقتصاد، نفقہ، اسراف"

مناسب ہے۔ کہ ہم دوبارہ مرزا صاحب ممدوح کو انہی آیات کی طرف توجہ دلاتے ہوئے علم الاقتصاد کو تائید میں پیش کریں۔ "نفقہ" "اسراف" قرآن حکیم میں انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ جن معنوں میں علم الاقتصاد میں یہ اصطلاحیں استعمال ہوتی ہیں۔

"نفقہ" وہ ہے۔ جو ضروریات زندگی کے لئے مکتفی ہو۔

"اسراف" وہ ہے۔ جو نفقہ سے زیادہ ہو۔

انگریزی میں نفقہ کا صحیح ترجمہ Necessaries of life "ضروریات زندگی" اور اسراف کا ترجمہ Luxuries ہے۔

ہمارا یہ دعوٰے ہے۔ کہ "عفو" کے معنے وہ مال ہے۔ جو ضروریات زندگی سے زیادہ ہو۔ اگر انسان اس کو "لانفسکم"

استعمال کرے گا۔ تو مسرف ہوگا۔ یہ مال اون کا حق ہے۔ جن کو اس کی ضرورت ہے۔ اور مستحقین وہ ہیں۔ جو اقربین سے ابن السبیل تک قرآن میں مذکور ہیں۔ اس پر بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ مرزا صاحب ممدوح نے تسلیم کرلیاہے۔ کہ

"اسلام کے احکام کے مطابق یہ فرض ہے۔ کہ انسانی زندگی کی حفاظت پوری طرح ہو"

اس فرض شناسی کے بعد مرزا صاحب ممدوح کو خود ہی تدبیر سے کام لینا چاہیئے۔ کہ انسانی زندگی کی حفاظت پورے طور پر کس طرح ہو سکتی ہے۔ یہ کچھ مشکل نہ تھا۔ مگر ایک اور خیال نے مرزا صاحب ممدوح کے دل میں چٹکی لی۔ کہ اگر

"اعلےٰ سے اعلےٰ کھانوں اور عمدہ سے عمدہ کپڑوں اور وسیع اور کھلے اور آراستہ اور پیراستہ مکانوں اور خوشنما چمنوں اور میوہ دار باغوں کے لئے روپیہ رکھکر باقی اگر بچے گا" تو وہ غربا میں تقسیم ہوگا۔ اس جمع شدہ کے بعد کیا خاک بچے گا؟

تعجب ہے۔ کہ قرآن دانی کے بعد احادیث اور مفسرین کے قول سے تو آں جناب استدلال کر چکے تھے۔ اب عیش پسند امراء کے خیالات کو سنداً بیان کرنا باقی تھا۔ یہ درجہ بدرجہ تنزل واقع میں حیرت انگیز ہے۔ جو لوگ

"حیاۃ الدنیا وزینتھا"

کے دلدادہ ہیں۔ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں

"حب الشھوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ

"والانعام والحرث"

ہے جو

"متاع الحیٰوۃ الدنیا"

ہے۔ جتنا بھی فائدہ اٹھائیں۔ تھوڑا ہے۔ اور آل فرعون اور ان سے بیشتر لوگ اموال اور اولاد ہی کے دلدادہ تھے۔ اس لئے لوگوں کو غلام بناتے تھے۔ اور کثرت ازدواج میں اپنی آپ مثال تھے۔ مگر اسلام کی کیا تعلیم ہے؟

"واللہ عندہٗ حسن الماٰب"

اس "متاع غرور" پر فریفتہ ہونا اور "لہو ولعب میں زندگی بسر کرنا کافروں کا کام ہے۔

مرزا صاحب ممدوح نے :-

"اعلےٰ سے اعلےٰ کھانوں اور عمدہ سے عمدہ کپڑوں اور وسیع اور کشادہ اور آراستہ اور پیراستہ مکانوں اور خوشنما خیموں اور میوہ دار باغوں میں

"حیاۃ الدنیا وزینتھا"

اور

"متاع الحیٰوۃ الدنیا"

کا نقشہ کھینچ دیا ہے۔ یہ فہرست مکمل ہو جاتی۔ اگر اس کے ساتھ حسین عورتوں کی کثرت کا بھی مذکور ہوتا۔

المختصر اسلام کے رو سے ہر ایک شخص کے لئے "نفقہ" ہے۔ اس سے زیادہ اگر وہ اپنے نفس کے لئے مال جمع کرے گا۔ یا خرچ کریگا۔ تو مسرف ہے۔ یہ اور بات ہے۔ کہ وہ مال امانتاً اپنے پاس رکھے۔ مگر اپنے نفس کے لئے رکھنے کا مجاز نہیں ہے۔ اس کو جب ضرورت ہو۔ فی سبیل اللہ ہی خرچ کرنا چاہیئے۔

مرزا صاحب ممدوح نے یہ عجیب غلط فہمی پیدا کی ہے۔ کہ اس سے ہمارا مقصود یہ ہے۔ کہ سب مال لٹا کر یا دے دلا کر خود دست سوال دراز کرو۔ ہم تو مساوات کا یہ مفہوم ہاں سمجھتے ہیں۔ کہ اس کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ مرزا صاحب ممدوح نے احادیث جواب میں پیش کی ہیں، اگر ہمارا یہ مدعا ہوتا۔ تو جواب صحیح ہے۔ لیکن جب یہ بات ہی نہیں۔ تو خواہ مخواہ غلط فہمی پیدا کرنا کیا ضرور تھا۔

اس غلط فہمی کا ازالہ ہم اللہ تعالےٰ کے لفظوں میں کرتے ہیں۔

۲۸۔ انما الحیٰوۃ الدنیا لعب ولھو وان تؤمنوا وتتقوا یؤتکم اجورکم ولا یسئلکم اموالکم ان یسئلکموھا فیحفکم تبخلوا ویخرج اضغانکم ھانتم ھؤلاء تدعون لتنفقوا فی سبیل اللہ فمنکم من یبخل ومن یبخل فانما یبخل عن نفسہ واللہ الغنی وانتم الفقراء وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم (۲۶-۵)

ترجمہ۔ ۲۸۔ یہ دنیا کی زندگی تو بس کھیل اور تماشہ ہے۔ اور اگر ایمان رکھوگے اور پرہیزگاری کرتے رہوگے۔ تو وہ تم کو تمہارے اجر عنایت کریگا۔ اور تمہارے مال تم سے نہیں طلب کریگا۔ اور اگر وہ تم سے تمہارے مال طلب کرے۔ اور تم سے چمٹے۔ تو تم بخل کرو۔ اور اس سے تمہاری دلی عداوتیں ظاہر ہوں تم لوگ سن رکھو۔ کہ تم ایسے ہو۔ کہ تم کو خدا کے راستہ میں خرچ کرنے کو بلایا جاتا ہے۔ اس پر بھی تم میں ایسے ہیں جو بخل کرتے ہیں۔ اور جو بخل کرتا ہے۔ تو حقیقت میں خود اپنے نفس سے بخل کرتا ہے۔ ورنہ اللہ تو بے نیاز ہے اور تم محتاج ہو۔ اور اگر تم روگردانی کروگے۔ تو غیر قوم کو تمہاری جگہ دی جائے گی۔ اور وہ تم جیسے نہیں ہوںگے"۔

ان آیات میں "مساوات" کی خوبی بیان کی گئی ہے۔ کہ اگر لوگ فی سبیل اللہ مال خرچ

کرینگے۔ تو نتیجہ یہ ہو گا۔ کہ تمام دنیا خوشحال ہو جائے گی۔ جو کچھ انسان انفرادی حیثیت میں قومی ضروریات کیلئے صرف کرتا ہے۔ وہ فی الحقیقت اپنے ہی نفس کے لئے خرچ کرتا ہے۔ اور جو بخل کرتا ہے۔ وہ اپنے ہی نفس سے بخل کرتا ہے۔ قوم کی تباہی افراد کی تباہی ہے۔ لیکن جو افراد اس جدوجہد میں لگے ہیں۔ وہ مرزا صاحب ممدوح کے لفظوں میں کہ اعلیٰ سے اعلیٰ اور عمدہ سے عمدہ کھانے اور کپڑے استعمال کریں۔ جو مال اپنے نفس کے لئے جمع کرتے ہیں۔ اور قومی ضروریات میں صرف نہیں کرتے۔ وہ قوم کی تباہی کا موجب ہوتے ہیں۔ سنت اللہ یہ ہے۔ کہ ایسی قوم ایک اور قوم کے ہاتھ سے تباہ ہو جاتی ہے جس میں یہ بخل اور حسد نہیں ہوتا۔ قوموں کے عروج اور تنزل کے اسباب ان آیات میں چند لفظوں میں مفصل بیان کئے گئے ہیں۔ جب ان مساوات کا نتیجہ عام خوشحالی ہے۔ تو اس سے یہ نتیجہ پیدا کرنا کہ مالدار مفلس ہو جائیں گے۔ ایک غلط فہمی ہے

الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ وفضلا

ترجمہ۔ شیطان تم کو محتاجی کا وعدہ دیتا ہے اور فواحشات کا حکم کرتا ہے۔ حالانکہ اللہ تمہیں مغفرت اور فضل کا وعدہ دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ خود ہمیں ہر ایک کام میں میانہ روی کی ہدایت فرماتا ہے۔ کہ نہ تو ہاتھ بالکل کھول دو۔ نہ بالکل بند کر دو۔ بلکہ میانہ روی اختیار کرو۔

والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا وکان بین ذالک قواما

ترجمہ۔ وہ لوگ جب انہوں نے مال خرچ کیا۔ نہ انہوں نے اسراف کیا۔ اور نہ کمی۔ بلکہ میانہ روی اختیار کی۔

بلکہ جو مال کے اہل نہیں۔ ان کو دینا ہی نہیں چاہیئے۔

ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیاما

ترجمہ۔ اپنے وہ مال نااہل لوگوں کو مت دو جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے قیام کا سبب بنائے

لیکن اگر مرزا صاحب ممدوح کو آیات قرآنی کے جواب میں احادیث سے استدلال کرنا ہی ہے۔ تو شوق سے ان احادیث کا مطالعہ فرمائیں۔ جن سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ

رسول کریم اور صحابہ کو دوسروں کی ضرورت کا اسقدر احساس تھا۔ کہ اپنی ضرورت سے ان کی ضرورت مقدم سمجھتے تھے۔ لیکن ہم قرآن ہی کی آیات سے جواب دیتے ہیں۔

۲۹۔ ولا یجدون فی صدورھم حاجۃً مما اوتوا و یوثرون علی انفسھم ولو کان خصاصۃ ومن یوق شح نفسہ فاولئک ھم المفلحون (۲۸-۴)

۲۹۔ وہ اپنے دلوں میں اس چیز سے خلش نہیں پاتے۔ جو ان کو ملے۔ اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ تنگی ہو۔ جو شخص اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا۔ پس وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

معلوم نہیں۔ کہ مرزا صاحب ممدوح نے کس سند پر لکھا ہے۔ کہ ہم خلاف اسلام اور خلاف عمل صحابہؓ مساوات کا خیال ظاہر کرتے ہیں۔

مالی مساوات سے مالدار کیوں جی چراتے ہیں

مذہبی مساوات اور نسلی منافرت اور مغایرت اور امتیازات اور تفرقیات کو مٹانے کی ضرورت کو تسلیم کرنے کے بعد اصولاً مرزا صاحب ممدوح کے لئے کچھ چارہ کار نہ تھا۔ کہ مالی مساوات کو بھی تسلیم کر لیتے۔ مگر مساوات مالداروں کے لئے قائم کرنا مشکل ہے۔ اور اونٹ کا سوئی کے ناکے سے نکل جانا آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ:۔

۳۰۔ واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق فما الذین فضلوا برادی رزقھم علی ما ملکت ایمانھم فھم فیہ سواءٌ افبنعمۃ اللہ یجحدون (۱۴-۱۶)

ترجمہ۔ ۳۰۔ اور خدا ہی نے تم میں سے بعض کو بعض پر روزی میں برتری دی ہے۔ تو جن کو زیادہ روزی دی گئی ہے۔ وہ اپنی روزی لوٹا کر اپنے زیردستوں کو نہیں دے دیا کرتے۔ کہ اس میں مساوات ہو جائے۔ تو کیا یہ لوگ خدا کی نعمتوں کے منکر ہیں۔

ان مالداروں کو بھی ڈر لگا رہتا ہے۔ کہ ایسا نہ ہو۔ کہ ان کے زیردست ان کے ہمسر ہو جائیں۔ یہی کفران نعمت ہے۔ ان آیات سے بڑھکر اور کیا قول فیصل مساوات

حالی کی تائید میں ہو سکتا ہے

حریت اور غلامی

مرزا صاحب ممدوح نے ہمارے ایک فقرہ سے خود بخود یہ بات پیدا کر لی ہے۔ کہ ہم عدم مساوات کے معترف ہیں۔ حالانکہ اسی عبارت میں مرزا صاحب ممدوح خود معترف ہیں۔ کہ اسلام غلامی کا مخالف ہے۔ جس کا یہ مفہوم ہے۔ کہ حریت کا حامی ہے۔ ورنہ یہ عجب منطق ہو گی۔ اگر اس سے حریت کے برخلاف نتیجہ اخذ کیا جائے۔ جب اسلام کا یہ منشا ہے۔ کہ دنیا غلامی سے آزاد ہو جائے تو نتیجہ صاف ہے۔ کہ "حریت" دنیا میں قائم ہو جائے۔ اور اس طرح مساوات بھی ہو گی۔ اور دونو لازم وملزوم ہیں۔ اور یہی مفہوم "لیبلوکم فی ما اتاکم" کا ہے۔

عورت اور مرد میں مساوات

مرزا صاحب ممدوح نے ورثہ کے متعلق ہماری غلطی واضح کی ہے۔ طلب حق کا یہ تقاضا ہے۔ کہ ہم اپنی غلطی کو تسلیم کریں۔ اور اس میں کوئی شرمندگی یا سبکی نہیں۔ طالبان حق کے لئے تو ایسی غلطی کا اعتراف کچھ بھی دشوار نہیں۔ لیکن مرزا صاحب ممدوح کو اس سے کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ان کی "وسیع نظری" نے عورت اور مرد میں بھی مساوات تسلیم کر لی ہے۔ اور یہی ہمارا مدعا تھا۔ لیکن چوتھے اور آٹھویں حصہ میں مرد کا دگنا حصہ اسی صورت میں ہو گا۔ جبکہ دونو مساوی ورثہ چھوڑ جائیں۔ مگر جیسا کہ مرزا صاحب ممدوح کی "وسیع نظری" نے واضح فرمایا ہے۔ کہ مرد کے ذمہ صنف ضعیف کی حفاظت ہے۔ مرد کے ذمہ عورت کا خرچ ہے۔ اور بوجہ اس "درجہ" کے جو اس کو طاقت جسمانی کی صورت میں حاصل ہے۔ یہ تمام ذمہ واری اس کے لئے ہے۔ مرد کماتا ہے۔ کاروبار کرتا ہے۔ اس لئے اس کے پاس بہ نسبت عورت کے زیادہ روپیہ ہو گا۔ اب اگر عورت سو روپیہ چھوڑ مرے اور مرد چار سو روپیہ۔ تو عورت کا حصہ دوگنا ہو گا۔ اگر مرزا صاحب ممدوح ذرا اور "وسیع نظری" سے عورت اور مرد کے حقوق کو دیکھیں گے۔ تو دونو میں مساوات ہی پائیں گے۔

وللرجال علیھن درجہ ۔ "درجہ" کا مفہوم عدم مساوات نہیں ہے۔ جیسا کہ ہم نے

"تقسیم مال" کے تحت لکھا ہے۔ کہ مالداروں کو ضرورت سے زیادہ مال ان لوگوں کو دینا چاہیے۔ جو مستحقین ہیں۔ تاکہ مساوات قایم ہو جائے۔ اور جو مال دار ایسا نہیں کرتے وہ کفران نعمت کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ مسلم ہے۔ کہ روزی میں ان کو زیر دستوں پر فضیلت حاصل ہے۔ اس طرح مرد کو عورت پر درجہ ہے۔ مرد قوی اور عورت ضعیف ہے۔ ان میں مساوات اس صورت میں قایم ہو سکتی ہے۔ کہ مرد عورت کی حفاظت کرے۔ کار و بار کرے۔ اور عورت کی ضروریات زندگی کا کفیل ہو۔ نہ یہ کہ اس طاقت جسمانی کا ناجائز فائدہ اٹھائے۔ یہ تو کفران نعمت ہو گا۔

ہوئے تم دوست جس کے
دشمن اسکا آسماں کیوں ہو

مرزا صاحب ممدوح مہذب ممالک یورپ و امریکہ میں اشاعت اسلام میں دل و جان سے کوشش فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالی آنجناب کی سعی مشکور فرمائے۔ لیکن اگر اسلام اسی شکل و صورت میں ان ممالک میں رونما ہو رہا ہے۔ کہ قرآن و حدیث کی رو سے مرد کو اختیار ہے۔ کہ عورت کو مارے۔ ایک سے زیادہ بیویاں کرے۔ اور خود پسند کر کے نکاح کرے۔ لیکن عورت کو یہ اختیار حاصل نہیں۔ تو جہاں تک ہمیں معلوم ہے۔ پادری اس سے زیادہ مکروہ صورت میں اسلام کو عیسائی دنیا میں پیش نہیں کر سکتے۔ معلوم ہوتا ہے۔ مرزا صاحب ممدوح کو باوجود ادعا قرآن دانی یہ غلط فہمی ہوئی ہے۔ "الرجال قوامون علی النساء" میں "الرجال" سے مراد خاوند اور "النساء" سے مراد ان کی عورتیں ہیں۔ حالانکہ ان سے مراد فرقہ اناث و ذکور ہیں۔ یعنی جمہور۔ چنانچہ "وان خفتم شقاق بینهما" میں ضمیر جمع مخاطب اسی جمہور کی طرف راجع ہے۔ اور "بینهما" میں ضمیر تثنیہ غائب میاں، بیوی کی طرف، یعنی سزا دینا خاوند کے اختیار میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کا فیصلہ جمہور یا پنچایت کے ہاتھ میں ہے۔ خاوند کو کوئی اختیار نہیں ہے۔ کہ بیوی کو مارے۔ اگر وہ ایسا کرتا ہے۔ تو طاقت جسمانی کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ جو کفران نعمت ہے۔

ایک سے زیادہ بیویاں حسب پسند خود بخود کرنا بھی کفران نعمت ہے۔ اس موضوع

پر ہم مرزا صاحب کو "چیلنج" دیتے ہیں۔ کہ حریت و مساوات کے بعد وہ اس پر ہم سے بحث کر سکتے ہیں۔ خاوند کو ہرگز ہرگز اختیار نہیں ہے۔ کہ وہ ایک سے زیادہ بیویاں حسب پسند خود بخود کرے۔ چونکہ یہ ایک مستقل بحث ہے۔ اس لئے اس سے زیادہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ ایسا نہ ہو۔ کہ اصل مدعا فوت ہو جائے۔

نفلی روزہ کی مرزا صاحب نے ایک ہی کہی۔ "واھجروھن فی المضاجع" سے واضح ہوتا ہے۔ کہ یہ سرکش عورتوں کیلئے بطور سزا تجویز کی گئی۔ کہ "ان کو خوابگاہ سے علیحدہ کرو"۔ اب اگر ایک نیک بیوی اپنے خاوند سے خوابگاہ کی خواستگار ہو۔ اور میاں نفلی روزہ رکھنا چاہتے ہوں۔ تو فرمایئے۔ میاں بیوی کی اجازت کے بغیر نفلی روزہ رکھ سکتا ہے؟ اگر رکھ سکتا ہے۔ تو یہ اس نیک بیوی کو ناکردہ گناہ سزا ہو گی"۔

یہ امر کہ عورت کی رضامندی کے ساتھ نکاح میں اس کے والد یا کسی اور قریبی رشتہ دار کی رضامندی حاصل کرنا چاہئے۔ عورت ہی کے فائدہ کی بات ہے۔ کیونکہ عورتوں کو مردوں سے عام اختلاط کا موقعہ نہیں مل سکتا۔ البتہ مرد مردوں کے عیوب سے واقف ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی رضامندی کا یہ مفہوم ہے۔ کہ جو عیوب عورت سے پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔ وہ مردوں کی وساطت سے ظاہر ہو جائیں۔ اگر مرزا صاحب ممدوح یہ ثابت کر دیں۔ کہ اگر عورت کسی مرد سے محض اپنی رضامندی سے نکاح کرے۔ تو یہ نکاح جائز ہی نہیں۔ تو یہ اور بات ہے۔ کیا یہی ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

اصولی احکام

ارکان اسلام کے بعد جن سے مرزا صاحب ممدوح کی مراد اصول اسلام ہیں۔ آنجناب اصولی احکام پر بحث کرتے ہیں کہ یہ دو قسم پر منقسم ہیں۔ ایک "فعلیہ" اور دوسرے "ترکیہ"

فعلیہ تو توحید اور رسالت پر شہادت دینا اور نماز اور روزہ اور حج اور زکوۃ اور ترکیہ بخل نہ کرنا چوری نہ کرنا۔ زنا نہ کرنا اور خیانت نہ کرنا۔

مرزا صاحب ممدوح یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ یہ احکام اعمال یا عبادت کے متعلق ہیں

اعمال اور بھی ہیں۔ مگر باقی اوامر و نواہی سب انہی کے فروع ہیں۔

کثرت میں جلوۂ وحدت

صلوٰۃ۔ توحید اور رسالت پر ہم بحث کر چکے ہیں، صلوٰۃ کی تاکید بار بار قرآن حکیم میں آئی ہے۔ مگر جہاں تک اس کا تعلق ہمارے موضوع کے ساتھ ہے۔ ہم مرزا صاحب ممدوح کو اس دلکش نظارہ کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ جس کا منظر مساجد ہیں۔ اس ضمن میں بھی حریت اور مساوات کا جلوہ نظر آتا ہے۔ یہاں امیر و غریب اور شاہ وگدا، اور کالے اور گورے، اور عجمی اور عربی میں کوئی امتیاز نہیں۔ یہاں مسیحی گرجا کی طرح امراء کی نشست آگے اور غربا کی پیچھے نہیں ہے۔ یہاں سب دوش بدوش اللہ تعالےٰ کے حضور دست بستہ کھڑے ہیں۔ یہاں مساوات نے تمام امتیازات اور تفریقات مٹا دئے ہیں۔

یہ اجتماع بجائے خود "مساوات" کا شاہد ہے۔ لیکن اس میں ایک اور کرشمہ بھی ہے جو "دامن دل میکشد کہ جا اینجا است" ہر ایک آنکھ مرکز وحدت پر لگی ہوئی ہے۔

۳۱۔ فول وجهك شطر المسجد الحرام ؕ و حيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره (۲-۷)	ترجمہ۔ ۳۱۔ مسجد محترم کی طرف اپنا منہ کر لیا کرو۔ اور جہاں کہیں ہوا کرو۔ اسی کی طرف اپنا منہ کر لیا کرو۔

یہ تو وہ نظارہ ہے جو صلوٰۃ کی صورت میں جلوہ افروز ہے۔ لیکن وہ حقیقت کیا ہے۔ جو اس صورت میں رونما ہو رہی ہے؟ جس نے تمام امتیازات اور تفریقات کو مٹا دیا ہے؟ جس نے شاہ وگدا کو ایک صف میں دوش بدوش کھڑا کر دیا ہے؟ مومنوں کے دلوں کو ٹٹولو۔ اس حقیقت کا نور الٰہی کے قلب میں ملیگا۔ ورنہ جو صلوٰۃ اس حقیقت سے خالی ہے اس پر "ویل" ہے۔

حج — یہ دلکش نظارہ مسجد حرام میں وسیع پیمانہ پر اسی حقیقت کا جلوہ نما ہے۔ یہ حقیقت وہی وحدت ہے۔ جو کثرت کے تمام امتیازات اور تفریقات کو ایک مرکز پر لا کر مٹا رہی ہے۔ ممالک عالم سے مختلف نسلوں، مختلف حیثیت اور مختلف رنگوں اور

مختلف زبانوں کا ایک مرکز پر اجتماع ایک ہی لباس یعنی "احرام" میں "حریت اور مساوات" کا کیسا دل لبھانے والا نظارہ ہے۔

حج کا نظارہ جس شخص نے دیکھا ہے۔ وہ اس پیشگوئی کی تصدیق کر سکتا ہے۔ کہ کس طرح لوگ "من کل فج عمیق" اس مرکز پر جمع ہوتے ہیں "لیشہدو امنافع لھم" (۱۱-۱۷) اور اس عالمگیر اخوت اور حریت و مساوات کو محسوس کرتے ہیں۔ جس کا مدعی صرف عالمگیر دین اسلام ہی ہو سکتا ہے۔ یہی اخوت، حریت، مساوات، تمام اقوام عالم کے بھلے کی بات ہے۔ اور اس کا جلوہ وہ حج کی صورت میں اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں "من دخلہ کان امنا" اس عالمگیر امن کا مژدہ ہے۔ جو عالمگیر اخوت، حریت، مساوات کا لازمی نتیجہ ہے۔ جس دل میں یہ حقیقت نہیں۔ اس کے لئے حج کچھ مفید نہیں۔ اس پر بھی دیل ہے

ع خر عیسٰے اگر بہ مکہ رود ۔ چوں بیاید ہنوز خر باشد

اگر مرزا صاحب ممدوح دوبارہ ہمارے مضمون مطبوعہ دکیل ۳ لغایت ۵ دسمبر ۱۹۲۰ء کے مطالعہ کی تکلیف گوارا فرمائیں۔ تو دیکھیں گے۔ کہ ہم نے کیا کیا عنوان قایم کئے ہیں۔ توحید کے تحت، اخوت کے تحت، "امن" کے تحت ہم نے حریت اور مساوات کا مفہوم واضح کیا ہے۔ صلوٰۃ اور حج اسی حقیقت کی صورتیں ہیں۔ صورت پرستی پر "دیل" ہے۔

جن کو آنجناب احکام اور اعمال اور عبادات سے تعبیر کرتے ہیں۔ وہ محض صورتیں ہیں۔ جن میں وحدت، اخوت، حریت، مساوات، امن کی حقیقت ایک غرض مشترک ہے۔ جو شخص اس حقیقت کو نظر انداز کرتا ہے۔ وہ محض بت پرست ہے۔ اور ایسا ہی بت پرست ہے۔ جیسا کہ یہود و نصاریٰ تھے۔ ان کے پاس کتاب تھی جس کو پڑھتے پڑھاتے تھے۔ ان میں رسل اور انبیاء تھے۔ جنکو وہ مانتے تھے۔ وہ ملائکہ اور یوم آخر کو بھی مانتے تھے۔ نہ صرف یہی بلکہ بہشت کے بھی واحد اجارہ دار تھے۔ ان کو تمام اقوام عالم پر فضیلت حاصل تھی۔ اگر یہ باپ دادے کی جاگیر ہوتی۔ تو کیوں کھو بیٹھتے۔ وہ اپنے رنگ میں صلوٰۃ و حج و زکوٰۃ و روزہ کے بھی پابند تھے۔ مرزا صاحب ممدوح کا یہ خیال کہ

حج کے سوا باقی تمام احکام اسلامی ہیں نے کے نازل ہوئے تھے۔

الم تر الی الذین قبلھم واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ ترجمہ ۔کیا تونے ان سے پہلے لوگوں کو نہیں دیکھا۔ جو نماز پڑھتے اور زکوٰۃ دیتے تھے"

کے مخالف تھے۔ یہ سب کچھ تھا۔ مگر ایک حقیقت سے بے خبر تھے۔ جس کی یہ سب صورتیں ہیں۔ ان کے اعمال میں روح ایمان نہ تھی۔ اس لئے محض صورت پرست۔ بت پرست رہ گئے تھے۔ آنجناب نے قرآن کو ایک معمہ سمجھ رکھا ہے۔ بے شبہ تدبر۔ تذکر۔ تفکر کے بغیر یہ حقیقت ظاہر نہیں ہوتی۔ لیکن آنجناب کی قرآن دانی ہمارے لئے کیا مفید ہو سکتی ہے؟ اگر بچوں کی طرح صرف صورتوں کا کھلونا ہمارے دل بہلانے کے لئے پیش کرتے رہیں گے۔

ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ترجمہ۔ اگر تمہارے پاس کوئی علم ہو۔ تو ہمیں بتاؤ۔

جلوہ بر من مفروش اے ملک الحجاج کہ تو

خانہ مے بینی و من خانہ خدا مے بینم

ہم اس حقیقت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور آنجناب ان صورتوں میں محو ہو کر بحث کرتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ آنجناب ارکان و احکام کی بھول بھلیاں میں الجھے ہوئے ہیں۔ حقیقت ایک ہی ہے۔ اور ایک ہی ہو سکتی ہے۔ صورتیں بے شمار ہیں۔ اس کثرت میں اگر وحدت کا جلوہ آنجناب کو نظر نہیں آتا۔ تو ارشاد بجا ہے۔ کہ ہم نے آپ کی آنکھوں کے سامنے "خیالات پریشان" کا ایک طوفان برپا کر دیا ہے۔ مگر سچ تو یہ ہے۔ کہ ہم نے نہیں۔ بلکہ آنجناب نے خود بخود پیدا کیا ہے۔

یہی محمل کے پردہ میں وہ لیلےٰ جلوہ آرا ہے

غبار چشم مجنوں ہے۔ جسے سمجھا وہ صحرا ہے

ہم نے تمام اضافات، تمام امتیازات، تمام تفریقات، تمام صورتوں کو نظر انداز کرتے ہوئے ان سب کی ایک حقیقت، ایک ہی اصل جو تمام اصولوں کی اصل ہے۔ ایک ہی رکن جو تمام ارکان کا رکن ہے۔ آنجناب کی توجہ کے لئے پیش کی تھی۔ کہ اس کسوٹی

کسوٹی پر حریت و مساوات کو پرکھ کر دیکھ لیں۔ کہ سچی ہے یا جھوٹی؟ اور یہ حقیقت کیا ہے؟

۳۲۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی انما الٰھکم اللہ واحد فاستقیموا اللہ واستغفروہ (۲۴-۱۵)

ترجمہ۔ کہدے۔ کہ میں بھی تمہارے جیسا ایک انسان ہوں۔ مجھے حکم آتا ہے۔ کہ تمہارا ایک ہی خدا ہے۔ پس اللہ کی طرف قایم ہو جاؤ اور اس سے مغفرت مانگو۔

اس پر تمام اقوام عالم، تمام مذاہب کا اتفاق ہے۔ اور ہو سکتا ہے۔ جس سے اگر کوئی محروم رہا ہے۔ اور غالباً آنجناب کے آقا و رہنما مرزا صاحب مرحوم اس اصولی حکم و عمل و عبادت سے محروم رہے ہیں۔ تو اللہ تعالےٰ معاف کر سکتا ہے۔ غرض تمام گناہ معاف ہو سکتے ہیں۔ مگر شرک ناقابل معافی ہے۔ کیونکہ اس حقیقت، اس اصل اصول اس رکن ارکان سے کچھ مناسب نہیں رکھتا۔

۳۳۔ ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ یغفر ما دون ذلک لمن یشاء ومن یشرک باللہ فقد افترٰی اثما عظیما۔ (۵-۴)

ترجمہ ۳۳۔ اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشتا اس کے سوا جس کو چاہتا ہے۔ بخشتا ہے۔ جس نے اللہ سے شرک کیا۔ وہ گناہ عظیم میں پھنسا۔

اگر یہ حقیقت پیش نظر نہیں۔ تو کچھ بھی نہیں۔

۳۴۔ الم تر الی الذین یزکون انفسھم۔ (۵-۴)

ترجمہ ۳۴۔ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ جو اپنے آپ کو پاکیزہ کہتے ہیں

۳۵۔ الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتاب (۵-۵)

۳۵۔ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا۔ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے۔

۳۶۔ الم تر الی الذین یزعمون انھم اٰمنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک (۵-۶)

۳۶۔ کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو گمان کرتے ہیں۔ کہ وہ اس چیز پر ایمان لائے جو تجھ پر اور تجھ سے پہلے اتری

۳۶- الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ - (۵-۸)

ترجمہ ۳۶- کیا تونے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں حکم ہوا تھا- کہ اپنے ہاتھ روکو نماز قایم کرو- اور زکوٰۃ دو-

امید ہے- کہ اب "خیالات پریشان کا طوفان" ختم گیا ہوگا- اور وہ آیات جو ہم نے مضمون محولہ بالا میں درج کی تھیں- "غیر متعلق" نظر نہ آئیں گی-

صیام

وہ لوگ جو بقول مرزا صاحب ممدوح اعلیٰ سے اعلیٰ کھانے کھاتے ہیں- حیران ہو گئے ہوں گے- کہ یہ عجیب اصولی حکم ہے- کہ بھوکے رہو- پیاسے رہو" یہی نہیں- کہ ایک مہینہ بھوکے پیاسے رہے- تو چھٹی ہوگئی- ذرا ذرا سی بات پر کفارہ اور بدلہ بھی صیام ہی یہ تو "وبال" ہیں- مرزا صاحب ممدوح اون کو کیا جواب دینگے؟ کیا اصول ذہن نشین کرینگے؟ "لعلکم تتقون"

دوسری طرف بیچارے مساکین ہیں جن کا یہ حال ہے- کہ آگئی تو روزی- ورنہ روزہ ضرور ان اعلیٰ خورندوں کو دیکھکر غالب کے ہم نوا ہوں گے-

روزہ مرا ایمان ہے لیکن غالب
خس خانہ و برف اب کہاں سے لاؤں

زکوٰۃ

قد سمع اللہ قول الذین قالوا ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء سنکتب ما قالوا ۴-۱۰

ترجمہ تحقیق اللہ نے ان لوگوں کی بات کو سنا جنہوں نے کہا- کہ اللہ فقیر اور ہم مالدار ہیں- ہم ان کی بات لکھ رکھیں گے-

مرتدین عرب کی طرح اب بھی لوگ موجود ہیں- جو یہ کہتے ہیں- کہ زکوٰۃ انکم ٹکس ہے- جو جبراً وصول کیا جاتا ہے- اور ایسے لوگوں کی بھی کمی نہ ہوگی جو "للہ وللرسولِ" کا یہ مفہوم سمجھتے ہوں- کہ بت پرستوں کی طرح خدا کو بھوگ لگاؤ- اور رسول کریم کے مزار پر چڑھاوا چڑھاؤ- جب تک اصولاً زکوٰۃ ہو یا صدقہ" خواہ کسی قسم کی خیرات ہو" یہ ظاہر نہ کیا جائے- کہ اس کی کیا حقیقت ہے- ایک عمل بے علم ہے- مرزا

صاحب ممدوح کے فہم قرآن نے جو کچھ اس موضوع پر نکات اور معارف کا انکشاف کیا ہے - وہ یہ ہے - کہ بقول بعض مفسرین آیہ "العفو" کی تنسیخ ہے - ہمیں تو خیرات کی نوعیت میں خواہ وہ کسی قسم کی ہو - کوئی فرق نظر نہیں آتا - اس کی صورتیں مختلف ہیں - جن میں ایثار بھی شامل ہے - اصولاً ہم اس موضوع پر بحث کر چکے ہیں - اس مقام پر ہم یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں - کہ وہی اصل اصول جو صوم و صلوٰۃ کی صورتوں میں نظر آتا ہے - زکوٰۃ میں بھی ہے - اس کو ہم ایک مثال سے واضح بیان کرتے ہیں -

حضرت عیسےٰ کے پاس ایک مالدار شخص آیا - اور کہا - کہ "ربی" میں کونسی نیکی کروں - کہ حیات ابدی حاصل کروں" - فرمایا "حکموں پر عمل کر" پوچھا "کون سے حکموں پر" فرمایا "خون نہ کر" زنا نہ کر - چوری نہ کر" جھوٹی گواہی نہ دے" اپنے والدین کی عزت کر" اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت کر" اس شخص نے کہا - کہ "میں نے ان سب پر عمل کیا ہے - اب مجھ میں کس بات کی کمی ہے" فرمایا - کہ "اگر تو کامل ہونا چاہتا ہے - تو جا اپنا مال و اسباب بیچکر غریبوں کو دے - تجھے آسمان پر خزانہ ملیگا - اور آ کر میرے پیچھے ہولے" مگر وہ یہ بات سن کر غمگین ہو کر چلا گیا - کیونکہ بڑا مالدار تھا - آنحضرت نے اپنے حواریوں کو مخاطب کر کے فرمایا - کہ "اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے نکل جانا اس سے آسان ہے - کہ دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو" حواریوں نے حیران ہو کر پوچھا - کہ "پھر کون نجات پا سکتا ہے" فرمایا - کہ "یہ آدمیوں سے تو ہو نہیں سکتا - لیکن خدا کے فضل سے سب کچھ ہو سکتا ہے" متی $\frac{16}{19، 27}$

یہ بالکل صحیح ہے - کہ مال کی محبت ایسی ہی ہے - کہ خدا کی بادشاہت سے جو دائمی امن" عالمگیر اخوت اور حریت اور مساوات کا مفہوم ہے - روکتی ہے - قرآن حکیم نے جہاں یہ حکم دیا ہے - کہ

فاستبقوا الخیرات (۶-۱۱) ترجمہ "خیرات میں سبقت کرو"

وہاں اس کی مخالفت نہیں - کہ جو کچھ بھی نیکی کسی سے کم و بیش ہو سکتی ہے - وہ نہ کرے

مبتدی اور منتہی میں جو فرق ہے۔ وہی خیرات کے احکام میں ہے۔ یہ حکمت اوامر و نواہی میں یکساں ملحوظ رکھی گئی ہے۔ اگر ابجد خوانان مکتب خیرات یہ سمجھ لیں۔ کہ زکوۃ ہی متعین حصص میں مقصود ہے۔ تو یہ غلط فہمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ

۳۸۔ ان فی خلق السمٰوٰت والارض واختلاف اللیل والنھار لاٰیٰت لاولی الالباب الذین یذکرون اللہ قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم و یتفکرون فی خلق السمٰوٰت والارض ربنا ما خلقت ھٰذا باطلا۔ (۴-۱۱)

ترجمہ۔ ۳۸۔ آسمانوں اور زمین کا بنانا۔ رات اور دن کا بدلنا۔ یہ عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ جو کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور کروٹیں لیتے اللہ کا ذکر کرتے ہیں۔ اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں۔ کہ اے ہمارے پروردگار تو نے یہ سب کچھ بےفایدہ پیدا نہیں کیا۔

اگر کوئی شخص مرزا صاحب ممدوح کی طرح احادیث سے اصول کی ناواقفیت کے باعث یہ استدلال کرے۔ کہ بس پانچ وقت نماز کافی ہے۔ تو غلط فہمی ہے۔ حالانکہ اسلام کا منشا یہ ہے۔ کہ لوگ "قیاماً وقعوداً وعلیٰ جنوبھم" ہر وقت اور ہر حال میں اللہ ہی کا ذکر کریں۔ انسان ان تینوں حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ایک نہ ایک وقت ہوگا۔ مگر بقول حضرت عیلے ہر ایک شخص ابتدا میں اتنی برداشت نہیں رکھتا۔ اس لئے حکمت کا تقاضا ہے۔ کہ تھوڑا تھوڑا رفتہ رفتہ آہستہ آہستہ، درجہ بدرجہ انسان ترقی کرتا ہوا انتہا کو پہنچ جائے۔

ہم نے صاف صاف الفاظ میں لکھا ہے۔ کہ "حریت و مساوات" آج دنیا میں موجود نہیں۔ اور آج سے پہلے بھی دنیا میں موجود نہ تھے۔ مگر انسانی جد و جہد کا نصب العین یہی ہیں۔ گذشتہ واقعات بتا رہے ہیں۔ کہ ہم بہت کچھ ترقی کر چکے ہیں۔ اور کر رہے ہیں۔ اور کرتے جائیں گے۔

۳۹۔ وان لیس للانسان الا ما سعےٰ ترجمہ۔ ۳۹۔ انسان کیلئے وہی کچھ ہے جو اس

وان سعیہ سوف یری، ثم یجزاہ الجزاء الاوفی، وان الی ربك المنتہی (۲۷-۷)
نے کمایا۔ البتہ اس کی کمائی دیکھی جاویگی پھر اس کو پورا بدلہ دیا جاویگا۔ اور یہ کہ تیرے رب تک پہنچنا ہے۔

اس تشریح کے بعد کیا مرزا صاحب ممدوح ہمیں بتائیں گے۔ کہ وہ کون سے ارکان، کون سے اصول، کون سے احکام ہیں، جو صرف آنجناب کے فہم کے لئے خاص ہیں؟

خاکساران جہاں را بحقارت منگر

نمازیں پڑھو، روزے رکھو، رکعات گن گن کر پڑھو، ایک ایک دن کا حساب کرکے روزے رکھو، ایک ایک پیسہ شمار کرکے زکوٰۃ دو، کون منع کرتا ہے، یہی غنیمت ہے، لیکن اگر بقول سیدنا عیسٰےؑ کمال حاصل کرنا چاہتے ہو۔ تو وہ وہی بات ہے۔ جس کی طرف ہم دعوت دے رہے ہیں۔ اور قرآن حکیم کی آیات بینات میں دے رہے ہیں۔

اصول کے سمجھنے میں مرزا صاحب ممدوح کی غلط فہمی

مرزا صاحب ممدوح نے اصولی احکام کی احادیث کی رو سے تشریح فرمائی ہے۔ احادیث صحیح ہیں، اور رسول کریم کا ارشاد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

جو لوگ اصول سے ناواقف ہیں۔ وہ احادیث سے غلط استدلال کرتے ہیں، اور یہی وجہ ہے۔ کہ مسلمانوں میں بے شمار فرقے پیدا ہو گئے۔ اس کی مثال مرزا صاحب ممدوح بھی ایک ہیں۔

آنجناب نے تین احادیث پیش کی ہیں۔ ایک سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ بناء اسلام پانچ چیزوں پر ہے۔ اللہ اور رسول پر گواہی دینا، اور نماز اور روزہ اور زکوٰۃ (اس میں حج کا ذکر نہیں ہے)، تیسری حدیث میں بھی حج کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ سرے سے توحید اور رسالت کا مذکور نہیں۔ ان پر ہم دو اور احادیث کا اضافہ کرتے

ہیں۔ ایک تو حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے۔ کہ
من قال لا الٰہ الا اللہ فدخل الجنۃ ترجمہ جس نے کہ دیا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ وہ جنت میں داخل ہو گیا۔

اس میں نہ تو روزہ کا نہ نماز کا نہ زکوٰۃ کا اور نہ رسالت کا مذکور ہے۔ دوسری حدیث متفق علیہ حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے۔ اور انہی لفظوں میں ہے۔ مگر اس پر "وان سرق وان زنی" زیادہ ہے۔ اس میں اصولی احکام کا بھی صفایا ہے۔

خوش قسمتی سے کتب احادیث میں ان امور کا بھی مذکور ہے۔ جن سے واضح ہوتا ہے۔ کہ رسول کریم کو کن کن لوگوں سے سابقہ پڑا۔ اہل نجد و اہل بادیہ جن کی عقل و فہم کا اندازہ آنحضرتؐ ہی اچھی طرح کر سکتے تھے۔ آنحضرتؐ کے پاس بلا تکلف آتے اور سوال کرتے، ان کے عقل و فہم کے مطابق اور طاقت برداشت اور استطاعت کے موافق ان کو جواب دیا جاتا۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ یہ لوگ مکتب اسلام کے ابجد خوان تھے۔ لیکن "و زدناھم ھدیٰ و یزداد الذین اٰمنوا ایمانا" کے بھی کچھ معنی ہیں۔ بلاشبہ جہاں تک الفاظ کے ساتھ کلمات اور کلمات کے ساتھ کتب کا تعلق ہے۔ حروف ابجد ہی ان سب کی بنا ہیں۔ مگر حروف اور الفاظ اور کلمات سے مقصود وہ معانی ہیں۔ جن کے لئے یہ وضع ہوئے ہیں۔ حروف صورتیں ہیں۔ اور معانی ان کی حقیقت ہیں۔ ہمیں مرزا صاحب ممدوح کے فہم قرآن سے توقع تھی۔ کہ وہ حریت و مساوات کی پاکیزہ اصطلاحوں کو اصول کے مطابق بیان فرمائیں گے۔ مگر مرزا صاحب ایک غلطی میں الجھ کر رہ گئے۔ اور اسلام کی ایسی ہی سیاہ۔ مکروہ۔ نفرت انگیز تصویر پیش کی ہے۔ جو پادری مسیحی دنیا میں دکھلا چکے ہیں۔ "اسلامی اخوت کا مطلب" واضح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ "اسلام کے رو سے تمام بنی نوع انسان اپنی پیدائش میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ... ان کو ایک دوسرے کو حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ اور ایک دوسرے کی مدد کرنی چاہئے

...... باوجود اس تعلیم کے انسان نے حقیقی بھائیوں اور دوسرے لوگوں میں فرق کیا ہے...... اس آیت کو عام کر کے کامل مساوات کا ثبوت نکالنا غلط ہے۔"

مرزا صاحب ممدوح ہمیں معاف فرمائیں گے۔ اگر ہم یہ کہنے پہ مجبور ہوں۔ کہ آنجناب اصول کا مفہوم نہیں سمجھے۔ ہم نے اپنے مضمون محولا بالا میں واضح کیا تھا۔ کہ "ضرورت سے زیادہ" مال خواہ وہ کسی طرح ہاتھ آئے۔ ان کو دینا چاہئے۔ جو اس کے اہل اور مستحق ہیں۔ ان میں اقربین سے لیکر ابن السبیل تک سب شامل ہیں۔ جو شخص کام کرنے والے ہیں اور جانتے ہیں۔ کہ کام کرنا کیا ہوتا ہے۔ وہ سمجھ سکتے ہیں۔ کہ کام "گھر" سے شروع ہوتا ہے۔ سب سے پہلے تو انسان کا اپنا وجود ہے۔ جبتی ضرورت ہو۔ انسان کو پہلے اپنے لئے اور اس کے بعد اقربین کیلئے اور اس کے بعد درجہ بدرجہ ابن السبیل تک بقدر ضرورت اور حاجت مال صرف کرنا چاہیئے۔ اگر "وسیع نظری" سے کام لیا جائے۔ تو معلوم ہو جائیگا کہ ایک شخص کے اقربین دوسرے شخص کے اقربین نہیں ہوتے۔ مگر کسی نہ کسی شخص کے ہونگے۔ زید عمرو کا حقیقی بھائی نہیں۔ مگر بکر کا ہے۔ اسی طرح خالد اور عمرو حقیقی بھائی ہیں۔ اگر عمرو خالد سے اور بکر زید سے وہی سلوک کرے۔ جو حقیقی بھائیوں کے ساتھ کرنا چاہیئے۔ تو وسیع نظری بتائے گی۔ کہ "مساوات" کیلئے یہی نظام قائم رکھنا چاہیئے۔

"اصول" وہی ہیں۔ جن کی صداقت خواہ ان پر کسی پہلو سے بحث کی جائے۔ ثابت ہو جائیں۔ جو لوگ اصول سے ناواقف ہیں۔ وہ اس غلط فہمی میں الجھے ہوئے ہیں۔ کہ "اقربین" کو بہ نسبت دیگر اشخاص کے کچھ زیادہ ملنا چاہیئے۔ اس غلط فہمی کا ہم ایک اور مثال سے ازالہ کرتے ہیں۔

یہ مسلم ہے۔ کہ اسلام عالمگیر دین ہے اور رسول کریمؐ کافۃ الناس کیلئے مبعوث ہوئے

قل یا ایها الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا — ترجمہ۔ کہدے کہ اے لوگو۔ میں تم سب کیطرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں۔

لیکن ارشاد الٰہی بعثت پر یہ ہوا۔ کہ

انذر عشیرتک الاقربین — ترجمہ۔ ڈرا دے اپنے اقربین کو۔

رسول کریم نے تبلیغ پہلے مرکز ہی سے شروع کی۔ پہلے عرب سے شروع کی۔ اور عرب میں پہلے اقربین ؔ سے شروع کی۔ آیہ انذر عشیرتک الاقربین ؔ سے بھی وہی استدلال ہو سکتا ہے۔ جو

یسئلونک ماذا ینفقون قل ما	ترجمہ۔ تم سے سوال کرتے ہیں۔ کہ کیا چیز خرچ
انفقتم من خیر فللوالدین	کریں۔ کہدے۔ کہ تم جو مال خرچ کرو سا ماں باپ
والاقربین والیتمیٰ والمساکین	اور قریبیوں اور یتیموں اور مسکینوں
وابن السبیل (۲-۱۰)	اور مسافروں کیلئے کرو۔

اگر مرزا صاحب ممدوح کا استدلال صحیح ہو۔ تو اسلام کا حصہ عرب کیلئے بہ نسبت عجم زیادہ ہے۔ یہ استدلال اصولاً غلط ہے۔

المختصر اصولاً ہر ایک کام مرکز ہی سے شروع ہوگا۔ اسی میں سہولت ہے۔ اور یہی تقاضائے حکمت ہے۔ جو لوگ کسی اصول کے ماتحت کام نہیں کرتے۔ وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ مرزا صاحب ممدوح نے بھی بحث کسی اصول کے ماتحت نہیں کی۔ اور اصول سے ناواقفیت کے باعث غلط فہمی میں الجھ گئے۔

اصول سے ناواقفیت کے باعث مرزا صاحب ایک اور غلط فہمی میں الجھے ہوئے ہیں۔ ہم نے لکھا تھا۔ کہ انسان فی الارض خلیفہ ہے۔ اور وہ اشیاء فی الارض پر بطور امانت قبضہ رکھتا ہے۔ اصول کے مطابق قبضہ اسی شخص کا ہونا چاہیئے۔ جو اس شئی کا اہل اور مستحق ہے۔ اس لئے جو شخص مال محنت سے کماتا ہے۔ وہی اس پر قبضہ رکھنے کا اہل اور مستحق ہے۔ لیکن یہ مال وہ ضرورت سے زیادہ اپنے نفس کے لئے استعمال کرنے کا مجاز نہیں۔ ایسا مال وہ صرف امانتاً اپنے قبضہ میں رکھ سکتا ہے۔ اور امانتاً وراثت میں منتقل بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس شخص کے بعد اس کے اقربین ایسے مال کو اپنے قبضہ میں رکھنے کے اہل اور مستحق ہیں۔ اور جیسا جیسا قرب میں بُعد ہوگا۔ ویسے حصص بھی ہوں گے۔ ٹھیک اسی نسبت سے حصص ہوں گے۔ جو نسبت ان کو اہلیت و استحقاق میں ہوگی۔ ان میں ہر ایک شخص اسی طرح اس مال کو صرف کریگا۔ جس طرح اون کا

مورث کرنے کا مجاز تھا۔ مرزا صاحب ممدوح کو معلوم ہو گا۔ کہ نابالغ اور فاتر العقل کی ذات اور مال کا محافظ چونکہ وہ خود اس کا اہل نہیں ہوتا۔ دوسرا شخص ہوتا ہے جو اس کا اہل ہو۔ اس اہلیت اور استحقاق کو مدنظر رکھتے ہوئے مرزا صاحب ممدوح ہمیں بتائیں گے۔ کہ اسلام نے حقیقی بھائیوں اور دوسرے لوگوں میں جہاں تک مساوات کا تعلق ہے۔ کیا فرق کیا ہے؟ اور کیوں کیا ہے؟

اسی اہلیت کو مدنظر رکھتے ہوئے "الرجال قوامون علی النساء" کی تفسیر بھی آسان ہو گی۔ کہ عورت صنف ضعیف ہے۔ اس لئے وہ اپنی حفاظت آپ نہیں کر سکتی۔ اس کی حفاظت کا ذمہ دار مرد ہوتا ہے۔ اس سے یہ غلط فہمی پیدا کرنا کہ "حکم مرد ہی کے سپرد کیا گیا ہے" اصول مساوات سے ناواقفیت کے باعث ہے۔

جہاد

آخر میں ہم مرزا صاحب ممدوح سے نہائیت ادب سے معافی مانگتے ہیں۔ لیکن یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتے۔ کہ "جہاد" پر بحث ہمارے مضمون سے بے تعلق نہ تھی۔ حریت اور مساوات اور امن کو توڑنے والی یہی جنگ ہے۔ اس لئے ضمناً اس پر بھی بحث کی گئی؛ جہاد کا مفہوم جنگ نہیں ہے۔ جیسی کہ جنگ عام اصطلاح میں سمجھی جاتی ہے۔ البتہ "قتال" جہاد کی ایک صورت ہے۔ مگر جیسا کہ ہم نے واضح بیان کیا ہے۔ وہ خاص خاص حالات ہی میں جائز ہے۔ ورنہ جہاد جن معنوں میں قرآن حکیم میں استعمال ہوا ہے۔ وہ ہمارے تمام مضمون کا مفہوم ہے۔ ہم نے ترکیہ "احکام" پر اس لئے بحث نہیں کی۔ کہ ہمارا مدعا خلیہ میں واضح ہو جاتا ہے۔ البتہ ہم اتنا دریافت کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ کہ کیا ان احکام میں "مساوات" ہے۔ یا "عدم مساوات"؟ اور اگر عدم مساوات ہے۔ تو کیا ایک بادشاہ یا امیر کسی مسکین کو قتل کر دے۔ تو وہ اس سزا کا مستوجب نہ ہو گا۔ جو قاتل کیلئے مقرر ہے۔ مگر ہم امید کرتے ہیں۔ کہ مرزا صاحب ان میں بھی "مساوات" ہی پائیں گے۔

سب سے آخر اس امر کا اظہار بھی نامناسب نہ ہو گا۔ کہ جو شخص کسی حملہ کی محض مدافعت کرتا ہے۔ وہ حملہ آور کے مقابلہ میں کمزور پہلو اختیار کرتا ہے۔ ہم نے بھی ارادتاً یہی پہلو

اختیار کیا ہے۔ اور اپنے مضمون مطبوعہ وکیل میں انہی دلائل پر بحث کی ہے۔ جو مرزا صاحب ممدوح کے ذہن میں پختہ ہو سکتی ہیں۔ اور اس وقت تک ہم مدافعت ہی کر رہے ہیں۔

اڈیٹر صاحب وکیل کیخدمت میں التماس	جو کچھ مرزا صاحب ممدوح اور اڈیٹر صاحب "الفضل" نے آپ کی نسبت لکھا ہے۔ اسے نظر انداز فرمائیں۔

وان تصبروا وتتقوا فان ذلك من عزم الامور۔ ترجمہ۔ اور اگر تم صبر کرو اور خدا سے ڈرو۔ پس تحقیق یہی عزم امور ہے۔

اڈیٹر صاحب "الفضل" آپ کو زک دینا چاہتے ہیں۔ خدا گواہ ہے۔ کہ ہمیں تمار بازوں کی طرح حاربیت کا خیال نہیں ہے

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ اولئک الذین ھدھم اللہ واولئک ھم اولوالالباب (زمر) ترجمہ۔ میرے ان بندوں کو بشارت ہے۔ جو بات کو سنتے اور اس کی خوبیوں کی پیروی کرتے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جنھیں اللہ نے ہدایت کی۔ اور یہی صاحب عقل ہیں

جہاں تک ہم نے غور کیا ہے۔ مرزا صاحب ممدوح اسلام کو ایک ایسی ہی ملت سمجھتے ہیں جیسا کہ یہود و نصاریٰ سمجھتے ہیں

ولن ترضی عنك الیھود ولا النصریٰ حتی تتبع ملتھم۔ (بقر ۱۴) ترجمہ۔ تجھ سے یہود و نصاریٰ کبھی راضی نہ ہونگے۔ جبتک تو ان کے دین کا تابع نہو

آپ ان کو اللہ تعالےٰ ہی کے لفظوں میں جواب دیں۔

قل ان ھدی اللہ ھو الھدیٰ (۱۴۱) ترجمہ۔ تو کہ دے۔ کہ اللہ نے جو راہ بتائی ہے وہی راہ ہے۔

اسلام عالمگیر دین فطرت ہے۔ عالمگیر اخوت، عالمگیر امن، عالمگیر حریت و مساوات کا اعلان کرتا ہے۔ مرزا صاحب ممدوح فرشتوں اور رسولوں کو دیوتا اور اوتار سمجھتے ہیں۔ جن کی پوجا کرنی چاہئے۔ اور ہم ان کو اللہ تعالےٰ کے حکمبردار سمجھتے ہیں۔ اور

اسی پر ہمارا ایمان ہے۔ بہ بین تفاوت رہ از کجا است تا بہ کجا" یہی فرق ہمارے اور
ان کے نقطہ خیال میں ہے۔ وہ اپنے اور ہم اپنے نقطہ خیال سے بحث کرتے ہیں۔ اب
دیکھنا یہ ہے۔ کہ" تا در میانہ خواستہ کردگار چیست" قرآن دانی اور دین اسلام کے
حقیقی فہم پر وہ جتنا بھی ناز کریں۔ ان کے لئے مناسب ہے۔ ہماری تو یہ دعا ہے کہ
"رب زدنی علما"

اسلام اور حریت و مساوات

از قلم جناب مرزا بشیر الدین محمود صاحب قادیانی

کچھ حصہ مضمون کا لکھا تھا۔ کہ مجھے پہلے آب و ہوا کی تبدیلی کے لئے باہر جانا پڑا۔
پھر لاہور اور کوئٹہ کا سفر پیش آگیا۔ اور بعض اور اہم کام بھی پیش آگئے
اس لئے اس مضمون کے مکمل کرنے میں دیر ہو گئی۔ اب سفر سے آکر اس جواب
کو شایع کرتا ہوں۔ خاکسار مرزا محمود احمد (۱۶ مارچ ۱۹۲۱ء)

احباب کو یاد ہوگا۔ کہ "الفضل" میں میرا ایک خط چھپا تھا۔ جس میں ایک صاحب کے
چند سوالات کا جواب تھا۔ ان سوالات کا مدعا یہ تھا۔ کہ حریت و مساوات اسلام کے
بنیادی اصول ہیں۔ اور خلفاء اور اماموں کا فرض ہے۔ کہ وہ چھوٹی قوموں کو ظالموں
کی دستبرد سے بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کریں۔ اور کیا یورپ کی بعض حکومتیں چھوٹی
حکومتوں کو نگل نہیں چکیں۔ اور کیا ان کا یہ منشاء نہیں۔ کہ اسلامی حکومتوں کی جگہ
مسیحی حکومتیں قایم کر دیں۔ اور کیا انگریزوں نے ہندوستان میں مساوات قایم رکھی
ہے۔ اور کیا انگریز ہندوستانیوں سے برا سلوک نہیں کرتے۔ پھر آپ نے ان کے رفع
کرنے کے لئے کیا کوشش کی۔"

میں نے ان سوالات کے جواب ان صاحب کو مختصر طور پر لکھوا دئے۔ اور یہ

بھی لکھا۔ کہ حریت و مساوات اسلام کے احکام کے مطابق کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کا جواب اسی صورت میں دیا جا سکتا ہے۔ جب پہلے یہ معلوم ہو جائے۔ کہ سائل کے نزدیک ان دونو الفاظ کی کیا تشریح ہے؟ ممکن ہے۔ بعض صورتوں میں یہ اسلامی احکام میں داخل ہوں۔ اور بعض میں داخل نہ ہوں۔ میری اس تحریر سے یہ غرض تھی۔ کہ جب ان الفاظ کی وہ تشریح کرینگے۔ تو کئی قسم کی حریت اور کئی قسم کی مساوات جسے وہ اس وقت جائز بلکہ ضروری سمجھتے ہیں۔ خود ان کو بری لگنے لگیگی۔ اور خود انہی کے الفاظ سے ان کا سوال حل ہو جائے گا۔

خواجہ عباد اللہ صاحب کا مضمون

اس مضمون کے شایع ہونے پر اصل سائل صاحب تو نہ بولے۔ لیکن خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر نے ایک مضمون وکیل میں شایع کرایا جس کا مطلب یہ تھا۔ کہ گویا میں نے حریت و مساوات کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اور بعض آیات سے بعض قسم کی حریت و مساوات ثابت کرنی شروع کی۔ جیسا کہ ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے۔ یہ فعل ان کا جلد بازی پر مبنی تھا۔ وہ اس بات کا جواب دے رہے تھے۔ جو میں نے نہ لکھی تھی۔ اور بعض ایسی باتیں ثابت کر رہے تھے جن کا میں نے کبھی اور کہیں انکار نہ کیا تھا۔

خواجہ صاحب کی درشت کلامی

میں نے ان کو اپنے مضمون مندرجہ "الفضل" ۲۰ دسمبر ۱۹۲۰ء میں ان کی اس غلطی پر متنبہ کیا۔ اور ان کے مضمون کی بعض غلطیوں پر بھی آگاہ کیا۔ اور جیسا کہ ان لوگوں کا جو غلطی پر ہوتے ہیں۔ اور اپنی اصلاح کرنے کو اپنی ہتک سمجھتے ہیں۔ خاصہ ہے۔ انہوں نے اس مضمون کے جواب میں نہائت گندہ دہنی سے کام لیا ہے۔ اور مختلف پیرایوں میں گالیاں دیکر اپنا غصہ نکالنا چاہا ہے۔ اور سب سے عجیب بات یہ ہے۔ کہ باوجود دوبارہ یاد دلائے جانے کے پھر بھی اسی رنگ میں مضمون لکھتے چلے گئے ہیں۔ کہ گویا میں حریت و مساوات کا ہر رنگ اور ہر شکل میں مخالف ہوں۔ حالانکہ میں نے ابھی اس مضمون کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار بھی نہیں کیا۔ اور بار بار یہی لکھا ہے۔

کہ ان الفاظ کی تشریح ہونے پر میں بتا سکتا ہوں۔ کہ آیا ان امور کا خیال رکھنا اسلام کے مطابق ہے۔ یا مخالف۔

خواجہ صاحب کے مضمون کی حقیقت

خواجہ صاحب نے اپنے تازہ مضمون میں جہاں پہلے مضمون کی طرح بے سر و پا اور غیر متعلق باتوں کی بھر مار کی ہے۔ وہاں کئی ایسی باتیں میری طرف منسوب کی ہیں۔ جو میں نے کبھی نہیں لکھیں۔ اور غلط باتیں میری طرف منسوب کر کے آیات قرآنی اس کی سند میں لکھنی شروع کر دی ہیں۔ اور وہ بھی ایسے ہتک آمیز طریق پر کہ کوئی سچا مسلمان اس طریق کو برداشت نہیں کر سکتا۔ کیونکہ بالکل بے محل آیتوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اور اس قدر تعلی سے کام لیا ہے۔ کہ ہم کے سوا وہ اپنا ذکر ہی کرنا پسند نہیں کرتے۔ گو بعض دوستوں نے ان کی اس تعلی اور غلط مبحث کی عادت اور سخت کلامی کو دیکھکر مجھے مشورہ دیا ہے۔ کہ جبکہ وہ اصل مضمون کی طرف نہیں آتے۔ اور خواہ مخواہ منگھڑت باتوں کا جواب دینے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ تو مجھے ان کا جواب لکھنے کی ضرورت نہیں۔ ہماری جماعت کے اور کسی دوست کو ان کے مضامین کے جواب دینے پر مقرر کر دیا جائے۔ لیکن چونکہ ممکن ہے۔ خواجہ صاحب جان بوجھ کر اس راستہ پر نہیں چل رہے۔ بلکہ وہ اپنے نفس کے دھوکا میں آئے ہوئے ہیں اس لئے میں ایک دفعہ پھر ان کو راستی کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اور امید ہے۔ کہ اب وہ اس بے اصولے پن سے رکنے کی کوشش کرینگے۔ جس کو وہ اختیار کئے ہوئے ہیں۔ اگر اب بھی انہوں نے بجائے اصل مطلب کی طرف آنے کے اسی طرح بے سر و پا باتوں کی طرف توجہ کی۔ تو ان کا جواب دینے کیلئے اور بہت سے احباب موجود ہیں۔ جو اپنے اوقات میں سے کچھ ان کی خاطر بچا سکتے ہیں۔ اور اللہ تعالےٰ کے فضل سے ان سے علم اور سمجھ میں ہر طرح بالا ہیں۔

خواجہ صاحب کے اسلام کے خلاف خطرناک عقائید

سب سے پہلے تو میں پھر خواجہ صاحب کو اس امر کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ کہ جس مضمون کا جواب

وہ لکھنے بیٹھے ہیں ۔ اس کا ہرگز وہ مطلب نہیں ۔ جو وہ سمجھے ہیں ۔ میں نے حریت و مساوات کے متعلق اپنی رائے ہرگز بیان نہیں کی ۔ بلکہ سائل سے ان الفاظ کا مطلب پوچھا ہے ۔ تاکہ اس کی تشریح کے مطابق اس کو جواب دیا جائے ۔ آپ بلا اس کے کہ میرا خیال آپ کو معلوم ہو ۔ ایک غلط بات کو میری طرف منسوب کر کے اس کا رد کرنے لگ گئے ہیں ۔ اور اس فعل میں ایسے خطرناک اور خلاف اسلام عقائد کو پیش کرنے لگ گئے ہیں ۔ کہ ان کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے ۔ تو وہ اسلام جو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لائے تھے ۔ اور جو قرآن کریم میں بیان ہے ۔ اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا ۔ جیسے یہ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر بھی نجات ہو سکتی ہے ۔ اور یہ کہ رسولوں کی بات کا ماننا بھی شرک ہے ۔ اور غیر اللہ کی عبادت ہے ۔ وغیر ذلک من الخرافات الواہیہ و المقامات الکفریہ ۔ اور باوجود اس کے میری بیان کردہ باتوں کو ضلالت اور کفر اور فسق ثابت کرنے پر زور دے ہیں ۔ مجھے اس جگہ ان مسائل پر کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ۔ کیونکہ ان سے میرے مضمون کا کچھ تعلق نہیں ۔ آپ نے تو غالباً بات کو مشتبہ کرنے کے لئے جو مسئلہ بھی سامنے آیا ہے ۔ اسے اپنے مضمون میں داخل کر دیا ہے ۔ مجھے اس امر میں آپ کی اتباع کی ضرورت نہیں ۔ اور نہ اس طرح کسی امر کا تصفیہ ممکن ہی ہے ۔

حق و باطل ظاہر ہو جاتا ہے

اس کے بعد میں خواجہ صاحب کو بتانا چاہتا ہوں ۔ کہ حق حیلوں اور بہانوں سے نہیں ٹل سکتا ۔ نہ باطل پردوں کے نیچے چھپ سکتا ہے ۔ حق بھی ظاہر ہو کر رہتا ہے ۔ اور باطل بھی ۔ پس خواہ کیسا ہی اختلاف ہو ۔ اور کسی کا بھی مقابلہ ہو ۔ امانت کو کبھی ترک نہیں کرنا چاہیئے ۔ دیانتدار انسان کا خاصہ ہوتا ہے ۔ اور ہونا بھی چاہیئے ۔ کہ وہ اپنی بات کو ثابت کرنے کے لئے کبھی باطل کی مدد نہیں لیتا ۔ اور ناجائز وسائل کو اختیار نہیں کرتا ۔ بلکہ دلیری اور جرأت سے حق کا اظہار کرتا ہے ۔ اور صداقت کو اختیار کرتا ہے ۔ خواہ اس میں اس کا کچھ نقصان ہی ہو ۔ مگر مجھے افسوس ہے ۔ کہ آپ نے بعض

وقت طیش میں آکر اس امر کو مدنظر نہیں رکھا۔ اور لوگوں کو بھڑکانے کے لئے یا میری باتوں کو حقیر ثابت کرنے کیلئے میری طرف وہ باتیں منسوب کر دی ہیں۔ جو میں نے نہیں کہیں۔ یا جن کے متعلق میں نے اس مضمون کے بالکل خلاف بیان کیا ہے۔ جو آپ نے میری طرف منسوب کر دیا ہے۔ مثال کے طور پر میں چند امور کو بیان کرتا ہوں:۔

صحابہ کی ہتک کرنیکا غلط الزام

(۱) آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ میں نے صحابہ کرام اور تابعین کو شریروں سے تعبیر کیا ہے۔ خواجہ صاحب آپ جانتے ہیں۔ اور وہ سب لوگ جو میرے خیالات سے واقف ہیں۔ یا جنہوں نے میرا وہ مضمون پڑھا ہے۔ جس کی طرف آپ اشارہ کرتے ہیں۔ جانتے ہیں۔ کہ یہ ایک خطرناک بہتان ہے۔ میں نے ہرگز کسی صحابی یا تابعی کو شریر نہیں کہا۔ بلکہ میں صحابی یا تابعی کو شریر کہنے والے یا سمجھنے والے کو شریر سمجھتا ہوں۔ میرے مضمون کا کوئی فقرہ یا جملہ نہ وضاحتاً نہ اشارتاً نہ کنایۃً اس امر پر دلالت کرتا ہے۔ کہ کوئی صحابی یا تابعی شریر ہے اور باوجود اس کے آپ کا یہ بات میری طرف منسوب کرنا اس امر پر شاہد ہے۔ کہ یا تو آپ کو صد درجہ کی موٹی عقل ملی ہے جس کی وجہ سے آپ دن کو دن اور رات کو رات بھی نہیں سمجھ سکتے۔ یا آپ کو اپنی بات کی پچ اور ضد میں حق و باطل کی بھی تمیز نہیں رہتی۔ ان دونو باتوں کے سوا تیسری اور کوئی بات میرے خیال میں نہیں آتی۔ جس پر میں آپ کے اس فعل کو محمول کروں۔ میں نے جو کچھ لکھا تھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بعض شریروں نے جو صحابہ کے اموال کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ لوگوں میں اس کے خلاف جوش پیدا کرنا شروع کیا۔ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کو جو ایک غریب مزاج آدمی تھے۔ اور زیادہ مال پاس رکھنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن دوسروں کو بھی مجبور نہیں کرتے تھے۔ جا کر اکسایا۔ کہ دیکھو۔ لوگ کس طرح مال و دولت جمع کرنے میں لگ گئے ہیں۔ اور ان کو اسقدر جوش دلایا۔ کہ ان کو جہاں کوئی مالدار صحابی مل جاتا۔ اس کو پکڑ بیٹھتے۔ کہ تمہارے پاس مال کیوں ہے۔ اور بجائے معمولی نصیحت کے آپ نے اس امر میں تشدد سے کام لینا شروع کیا۔ آخر حضرت عثمانؓ کو رپورٹ ہوئی۔

اور آپ نے ان کو مدینہ بلوا لیا۔ اس عبارت سے ظاہر ہے۔ کہ نہ تو میں نے حضرت ابوذر غفاری کو اور نہ کسی اور بزرگ کو شریر کہا ہے۔ بلکہ جو شریر تھے۔ صرف انہی کو شریر کہا ہے۔ ہاں اگر خواجہ صاحب کے نزدیک وہ اشرار جو حضرت عثمان کے وقت میں فتنہ پھیلانے کے موجب ہوئے تھے۔ صحابہ کا درجہ رکھتے تھے۔ تو پھر بے شک مجھ پر الزام آسکتا ہے۔ لیکن اگر صحابی سے مراد وہ اشخاص ہیں۔ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اور جن کو آپ نے مومنوں میں شامل کیا۔ تو پھر یہ ایک خطرناک بہتان ہے۔ کہ میں نے صحابہ تو الگ رہے۔ کسی ایک صحابی کو بھی شریر کہا ہو۔ اور مجھے افسوس ہے۔ کہ خواجہ صاحب نے خلاف تقویٰ اور دیانت مجھ پر ایسا گندہ الزام لگایا ہے۔ اگر ان کا یہ خیال ہے۔ کہ اس طرح اس مضمون پر پردہ پڑ جائے گا۔ جس پر انہوں نے قلم اٹھایا ہے۔ تو یہ ایک غلط خیال ہے۔ کیونکہ باطل کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔

تابعین کو شریر کہنے کا جھوٹا الزام

انہوں نے یہ بھی لکھا ہے۔ کہ میں نے تابعیوں کو بھی شریر کہا ہے۔ تابعی کا لفظ تو میرے مضمون میں ہے ہی نہیں۔ مگر شاید انہوں نے تابعی کا استدلال اس سے کر لیا ہے۔ کہ چونکہ میں نے حضرت عثمانؓ کے زمانہ کے بعض لوگوں کو شریر کہا ہے۔ اور اس وقت صحابہ کرام کی چونکہ ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ اس لئے اس زمانہ کے سب لوگ تابعی ہو گئے۔ یہ استدلال تو بہت باریک ہے۔ مگر اس اصل کے ماتحت غالباً خواجہ صاحب ابوجہل اور عتبہ اور شیبہ کو بھی صحابی قرار دیتے ہوں گے۔ کیونکہ انہوں نے بھی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تھا۔ اور عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھیوں کو تو ضرور وہ صحابہ میں شامل کرتے ہوں گے۔ کیونکہ وہ تو سالہا سال رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس رہے تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ خواجہ صاحب پر مجھے تعجب ہے۔ وہ اتنا بھی نہیں سمجھ سکتے۔ کہ تابعی تو اس شخص کو کہتے ہیں۔ جو صحابہ کا سچا متبع ہو۔ نہ یہ کہ ہر شخص جو صحابہ سے ملا ہو۔ وہ تابعی ہے۔ خدا تعالےٰ قرآن کریم میں تابعی کی تعریف یہ فرماتا ہے۔ کہ وَالَّذِینَ اتَّبَعُوھُم بِاِحسَانٍ۔ جو لوگ صحابہ

کے کامل متبع ہو گئے۔ پس وہی تابعی ہے۔ جو صحابہ کا کامل متبع ہے۔ اور اون کے نقش قدم پر چلنے والا ہے۔ نہ کہ ہر وہ شخص جس نے صحابہ کو دیکھا ہو۔ خواہ کس قدر ہی شریر اور مفسد کیوں نہ ہو۔ اگر خواجہ صاحب کو تاریخ سے اونی درجہ کی واقفیت بھی ہوتی تو وہ جان لیتے۔ کہ میں نے جس جماعت کی طرف اپنے مضمون میں اشارہ کیا ہے۔ وہ عبداللہ بن سبا اور اس کے پیروؤں کی جماعت ہے۔ اور ان کے شریر اور مفسد ہونے کے صحابہ بھی اور بعد کے بزرگان اسلام بھی قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو درداء اور حضرت عبادۃ ابن الصامت جیسے معزز صحابہ نے اسے مفسد اور منافق قرار دیا ہے اور اس کی تمام زندگی ہی اسلام میں فتنہ اور نفاق ڈالنے میں خرچ ہوئی ہے۔ پس ایسے شریر النفس انسان کو تابعی قرار دیکر مجھ پر یہ الزام لگانا کہ میں تابعیوں کو شریر کہتا ہوں۔ سخت ظلم ہے۔ خواجہ صاحب کو شاید معلوم نہیں۔ کہ یہی وہ شخص ہے جس نے رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی رجعت کا مسئلہ ایجاد کیا تھا۔ اور لوگوں میں یہ بات پھیلاتا تھا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پھر دوبارہ اسی جسد عنصری کے ساتھ تشریف لیجاوینگے۔

حافظ قرآن ہونے کا الزام کب لگایا گیا

دوسرا اتہام خواجہ صاحب نے مجھ پر یہ لگایا ہے۔ کہ میں نے ان پر یہ الزام لگایا ہے۔ کہ وہ حافظ قرآن نہیں ہیں ہر ایک شخص جس نے میرا مضمون پڑھا ہے۔ جانتا ہے۔ کہ یہ بات بالکل بے بنیاد ہے۔ میں نے اپنے مضمون میں ہرگز ان کے حافظ قرآن نہ ہونے پر ان کو الزام نہیں دیا۔ بلکہ میں نے صرف ان کو یہ نصیحت کی تھی۔ کہ وہ قرآن کریم کی آیات کو کلید میں دیکھکر بلا قرآن کریم میں سے نکالے کے اور ان کے مفہوم پر غور کئے کے یونہی اپنے مضمون میں درج نہ کر دیا کریں۔ کیونکہ جیسا کہ اون کے دونو مضامین سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان کو یہ عادت ہے۔ کہ بلا مطلب کا لحاظ کئے یونہی آیات درج کرتے چلے جاتے ہیں۔ اور اس طرح آیات قرآنیہ کا بے محل استعمال کلام الٰہی کی شان کے خلاف ہے۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں۔ کہ شاید بہت سی آیات کا درج کر دینا علمیت کا

ثبوت ہے۔ حالانکہ بے محل آیات قرآنیہ کا استعمال نہ صرف جہالت کا ثبوت ہے۔
بلکہ کلام الٰہی کی ہتک ہے۔ مگر ان کا یہ شوق اسقدر بڑھا ہوا ہے۔ کہ انہوں نے
لوگوں کی توجہ کو اس امر کی طرف پھیرنے کے لئے تمام ان آیات قرآنیہ کا ایک سلسلہ
وار نمبر دیا ہے۔ جو انہوں نے اپنے مضمون میں درج کی ہیں۔ حالانکہ ان میں سے
بعض تو بے موقعہ استعمال کی گئی ہیں۔ اور بعض ایسے مضامین کی تردید یا تائید میں
بیان کی گئی ہیں۔ کہ جن کو یا تو میں نے بیان نہیں کیا۔ یا میں نے اون کا انکار
نہیں کیا۔ پس ایک کی تردید اور دوسرے کی تائید دونو ہی عبث عمل ہیں۔

قرآن میں نسخ کے قائل ہونے کا غلط الزام

تیسرا اتہام خواجہ صاحب نے مجھ پر یہ لگایا ہے۔ کہ
وہ لکھتے ہیں۔ کہ میں قرآن کریم میں نسخ کا قائل ہوں۔
اور آیت زکوۃ سے آیت انفاق کو منسوخ قرار دیتا ہوں
حالانکہ یہ بات ہمارے سلسلہ کے اشد تریں دشمنوں سے بھی پوشیدہ نہیں۔ کہ ہماری
جماعت بلا استثنار احدی شروع زمانہ سے لیکر قرآن کریم کی آیات تو الگ رہیں۔
اس کے ایک نقطہ یا اس کی ایک حرکت کے نسخ کی بھی قائل نہیں۔ ہم صرف قرآن
کریم میں نسخ کے منکر ہی نہیں۔ بلکہ اس کے خلاف ہمیشہ سے زور دیتے چلے آئے
ہیں۔ اور ہمارا تمام لٹریچر اس پر شاہد ہے۔ اور ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان تمام
آیات کی ضرورت اور حکمت بیان کر سکتے ہیں۔ جن کو لوگ منسوخ سمجھتے ہیں۔ ہماری
جماعت کی طرف سے جو قرآن کریم کے پہلے پارہ کا انگریزی ترجمہ شائع ہوا ہے۔
اس میں میرا ہی لکھا ہوا ایک نوٹ آیت "ما ننسخ من اٰیۃ او ننسہا نات بخیر
منہا" کے متعلق اس مضمون کا درج ہے۔ کہ "وہ معنی جو بعض مترجم اس آیت
کے کرتے ہیں۔ یعنی بعض آیات قرآنیہ منسوخ ہو گئی ہیں۔ نہ صرف قرآن کریم کے
اور اس آیت کے مضمون کے برخلاف ہیں۔ بلکہ اقوال آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم بھی
اس کی تردید کرتے ہیں۔..... حق یہ ہے۔ کہ بعض انگریز مترجموں کا خیال کہ قرآن
کریم کے بعض حصص منسوخ ہو گئے ہیں۔ ایک غلط اور دہوکا دینے والا خیال ہے

قرآن کریم کا کوئی حصہ منسوخ نہیں ہوا۔ تمام کا تمام قرآن نہیں بلکہ اس کا ہر ایک لفظ اور اس کی ہر ایک حرکت نسخ کے عمل سے بالکل بالا ہے۔ قرآن کریم میں کوئی دو متضاد حکم نہیں ہیں۔ اس لئے نسخ کا مسئلہ درمیان میں لانے کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جو اختلافات کہ بیان کئے جاتے ہیں۔ وہ صرف نسخ کے قائلوں کے خلاف اس امر کا ثبوت ہیں۔ کہ انہوں نے قرآن کریم پر گہری نظر نہیں ڈالی" الخ صفحہ ۸۸ و ۸۹۔

اس حوالہ سے ظاہر ہے۔ کہ میں نسخ کا کیسا مخالف ہوں۔ اور اس کے علاوہ میری بہت سی تحریرات ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ میں نسخ کے مسئلہ کو ایک نہایت ہی بے بنیاد اور دین میں رخنہ ڈالنے والا مسئلہ سمجھتا ہوں۔ پھر باوجود جماعت احمدیہ کے عام عقیدہ اور میری اپنی تحریرات کی موجودگی کے نہ معلوم خواجہ صاحب کو کیونکر جرأت ہوئی۔ کہ وہ میری طرف اس عقیدہ کو منسوب کریں۔

یہ تو میں نے جماعت احمدیہ کا اور اپنا عام اور مشہور اور شائع شدہ مذہب بیان کیا ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھکر یہ بات ہے۔ کہ میرے جس مضمون سے خواجہ صاحب استدلال کرتے ہیں۔ کہ میں نے آیت انفاق کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اسی سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ میں نسخ کا قائل نہیں ہوں۔ بلکہ جس عبارت سے وہ یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ میں نے نسخ فی القرآن کا عقیدہ بیان کیا ہے۔ اسی سے اس کے خلاف ثابت ہوتا ہے۔ میری وہ عبارت جس سے انہوں نے یہ نتیجہ نکالا ہے۔ کہ میں نے آیت انفاق کو منسوخ قرار دیا ہے۔ یہ ہے۔ کہ "جو لوگ صدقات کا ذکر بتلاتے ہیں۔ (آیت انفاق میں) وہ بھی اس آیت کے کئی معنے کرتے ہیں۔ بعض تو کہتے ہیں۔ کہ عفو کے معنے ضرورت سے زائد بچے ہوئے مال کے ہیں۔ شروع اسلام میں سال بھر کے نفقہ سے جو بچ رہے۔ اس کے فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا حکم تھا۔ مگر آیت زکوۃ کے نازل ہونے پر یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ان لوگوں کے نزدیک گویا یہ آیت منسوخ ہو چکی ہے"

پھر آگے لکھا ہے" ان تمام معانی سے جو مفسرین نے کئے ہیں۔ آپ کے معنوں کی

تصدیق نہیں ہوئی۔ جس جماعت نے اس آیت کے یہ معنی کئے بھی ہیں۔ کہ جو ضرورت سے زائد بچے۔ اسے خرچ کردو۔ اس نے بھی یا تو اسے جہاد پر چسپاں کیا ہے۔ یا منسوخ قرار دیا ہے"۔

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے۔ کہ میں نے آیت انفاق کو منسوخ نہیں قرار دیا۔ بلکہ دوسروں کے اقوال نقل کئے ہیں۔ اور ایسے الفاظ ساتھ لگا کر جیسے "گویا" اور "ان لوگوں کے نزدیک" ان سے مختلف الخیال ہونے کا بھی اظہار کر دیا ہے۔ اور خود میرا اس آیت کے معنوں سے انکار کرنا جن سے اس آیت کو منسوخ قرار دینا پڑتا ہے۔ اس امر کا ثبوت تھا۔ کہ میں نسخ کا قائل نہیں۔ مگر باوجود اس کے خواجہ صاحب مفہوم عبارت کے بالکل برخلاف۔ میرے خلاف یہ بات کسی پوشیدہ مجلس میں نہیں۔ بلکہ ایک اخبار کے کالموں میں بیان کرتے ہیں۔ کہ میں آیت انفاق کے نسخ کا قائل ہوں۔ اور پھر یہ الزام لگا کر نسخ کے عقیدہ کے خلاف دلائل دینے شروع کر دیتے ہیں۔ گویا اپنی طرف سے اسلام پر سے ایک زبردست الزام کو دور کرتے ہیں۔

غرباء میں تقسیم مال کے متعلق جھوٹا الزام

چوتھا اتہام خواجہ صاحب نے مجھ پر یہ لگایا ہے۔ کہ میرے نزدیک جو مال اعلیٰ سے اعلیٰ کھانوں اور کپڑوں اور دوسرے اسباب تعیش سے بچے۔ صرف غرباء کو دیا جا سکتا ہے۔ اور اس پر حاشیہ چڑھاتے ہیں۔ کہ پھر کیا خاک بچیگا۔ اور بطور تمسخر ساتھ یہ بھی زائد کرتے ہیں۔ کہ میں نے اس طرح حیٰوۃ الدنیا و زینتھا کا پورا نقشہ کھینچدیا ہے۔ اور ان کے نزدیک یہ تصویر اور بھی مکمل ہو جاتی۔ اگر اس کے ساتھ حسین عورتوں کی کثرت کا بھی ذکر کر دیا جاتا۔ یہ بھی ایک بہتان ہے۔ جو خواجہ صاحب نے مجھ پر باندھا ہے۔ میں نے ہرگز کسی جگہ بھی اپنے مضمون میں یہ نہیں لکھا۔ کہ عمدہ سے عمدہ کھانوں اور قیمتی کپڑوں کے بعد جو کچھ بچے۔ وہ غرباء کو دیا جائے۔ بلکہ میں نے اس کے بالکل برخلاف لکھا ہے۔ جسے بگاڑ کر انہوں نے یہ رنگ دیدیا ہے۔ میں پہلے انکی عبارت اور پھر اپنی عبارت لکھتا ہوں۔ جس سے ہر ایک شخص آسانی سے

سمجھ سکیگا۔ کہ خواجہ صاحب نے کسقدر دیدہ دلیری سے کام لیا ہے۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں:
"ایک اور خیال نے مرزا صاحب ممدوح کے دل میں چٹکی لی۔ (خواجہ صاحب کی عبارت پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ جو شخص جس رنگ میں پرورش پاتا ہے۔ اسی قسم کی باتیں اس کی زبان و قلم پر جاری ہوتی ہیں) کہ اگر اعلیٰ سے اعلیٰ کھانوں اور عمدہ سے عمدہ کپڑوں اور وسیع اور کھلے اور آراستہ و پیراستہ مکانوں اور خوشنما چمنوں اور میوہ دار باغوں کے لئے روپیہ رکھکر باقی اگر بچیگا۔ تو وہ غربار میں تقسیم ہوگا۔ اس جمع شدہ کے بعد خاک بچیگا۔

تعجب ہے۔ کہ قرآن دانی کے بعد احادیث اور مفسرین کے قول سے تو آنجناب استدلال کر چکے تھے۔ اب عیش پسند امراء کے خیالات کو سنداً بیان کرنا باقی تھا۔ یہ درجہ بدرجہ تنزل واقع میں حیرت انگیز ہے"

یہ تو وہ مضمون ہے۔ جو خواجہ صاحب میری طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور جو کچھ میں نے کہا ہے۔ وہ یہ ہے۔ خواجہ صاحب نے لکھا تھا۔ کہ قرآن کریم کے رو سے جو مال ضرورت سے زائد بچے۔ وہ غربار پر خرچ کر دینا چاہئے۔ اس کے متعلق میں نے لکھا تھا۔

"ضرورت سے زائد بچے ہوئے کی اصطلاح خود مبہم ہے۔ بعض لوگ جو کچھ ان کو مل جائے۔ گو لاکھوں روپیہ کیوں نہ ہو۔ اس کو خرچ کر دیتے ہیں۔ اور ضرورت سے زائد ان کے نقطہ خیال میں کوئی مال ہوتا ہی نہیں"

پھر اسی سلسلہ میں آگے چل کر لکھا تھا۔ کہ

"اگر اس بات کی اجازت دیدی جائے۔ کہ ہر شخص اپنی ضرورت کا خود فیصلہ کرے تو پھر بھی مساوات نہیں رہے گی۔ کوئی شخص اعلےٰ سے اعلےٰ کھانوں اور عمدہ سے عمدہ کپڑوں اور وسیع اور کھلے اور آراستہ اور پیراستہ مکانوں اور خوشنما چمنوں اور میوہ دار باغوں کیلئے روپیہ رکھکر باقی اگر بچیگا۔ تو غربا میں بانٹ دیگا۔ اور غریب بچارے گاڑھا پہننے اور جھونپڑیوں میں رہنے پر مجبور ہونگے"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے ۔ کہ میں نے یہ نہیں کہا ۔ کہ امراء کو چاہئے ۔ کہ اس قدر اسباب تعیش جمع کریں ۔ بلکہ یہ کہا ہے ۔ کہ اگر خواجہ صاحب کا بتایا ہوا اصل شریعت اسلام کا بتایا ہوا ہوتا ۔ تو اس کے ساتھ کوئی تشریح بھی ہوتی ۔ ورنہ امراء یہ شرارت کرتے ۔ کہ سب سامان تعیش کو جمع کر لیتے ۔ اور اس خیال سے کہ ہمارا بچا ہوا مال غرباء کو دیا جائے گا ۔ اس کو عیاشی میں اڑا دیتے ۔ اب ہر ایک عقلمند انسان سمجھ سکتا ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے ۔ وہ خواجہ صاحب کے بتائے ہوئے مضمون کے بالکل الٹ ہے

خواجہ صاحب نے کیوں افترا پردازی کی

یہ چار موٹے موٹے بہتان ہیں ۔ جو خواجہ صاحب نے مجھ پر لگائے ہیں ۔ اور ایسے صریح طور پر غلط ہیں ۔ کہ شاید بہت سے لوگ ان کو پڑھ کر فوراً یہ فیصلہ کر دیں ۔ کہ خواجہ صاحب نے جان بوجھ کر افترا پردازی سے کام لیا ہے ۔ مگر چونکہ علم النفس سے معلوم ہوتا ہے ۔ کہ انسانی دماغ بلا سوچے سمجھے بعض خاص حالات میں اس قسم کے افعال کا مرتکب ہو جاتا ہے ۔ اس لئے میں ان پر یہ الزام نہیں لگاتا ۔ میں یہی خیال کرتا ہوں ۔ کہ اپنی سبکی اور شرمندگی کو مٹانے کے لئے ان کے نفس میں جو جوش پیدا ہوا ہے ۔ اس کے اثر کے نیچے بلا سوچے سمجھے ان کی تحریر میں بعض ایسی باتیں آگئی ہیں ۔ جو بالبداہت واقعات کے خلاف ہیں ۔ اور جن سے غرض صرف یہ ہے ۔ کہ وہ ناظرین کو میرے خلاف بھڑکا دیں ۔ یا ان پر میرے مضمون کی کمزوری اور بے ہودگی ثابت کریں ۔

خواجہ صاحب کا حق وکالت

خواجہ صاحب نے مجھ پر جو بہتان باندھے ہیں ۔ ان میں سے بعض صریح اور موٹے بہتانوں کا ذکر کرنے کے بعد میں خواجہ صاحب کے مضمون پر ایک سرسری نظر ڈالتا ہوں ۔ خواجہ صاحب بیان فرماتے ہیں ۔ کہ میں ان کی وکالت پر معترض ہوں ۔ حالانکہ اخبار میں مضمون چھپنے پر ہر ایک شخص کا حق ہے ۔ کہ اس کا جواب دے ۔ میں خواجہ صاحب کو پھر اپنی پہلی نصیحت کی طرف توجہ دلاؤں گا ۔ کہ وہ بلا غور سے مضمون پڑھنے کے یونہی نہ

جواب دینے بیٹھ جایا کریں۔ میں نے کبھی بھی اون کے حق وکالت پر اعتراض نہیں کیا؟ جو کچھ میں نے لکھا تھا۔ یہ تھا۔ کہ خواجہ صاحب کو چاہئے تھا۔ کہ وہ سائل کو میرے مطالبہ کے مطابق حریت ومساوات کی تشریح کر لینے دیتے۔ یا اگر انتظار نہ کر سکتے تھے۔ تو خود حریت ومساوات کی تشریح کر کے اس کے متعلق میری رائے دریافت کر لے۔ بلا اس کے کہ میری رائے دریافت کریں۔ مجھ پر اعتراض کرنا جائز نہ تھا۔ پس ان کا یہ لکھنا کہ میں ان کے حق وکالت پر اعتراض کرتا ہوں۔ درست نہیں۔ ہماری باتیں نہ تو پوشیدہ ہیں۔ نہ اپنے خیالات کو ہماری جماعت نے چھپایا ہے۔ جو شخص جج کو نہیں سن سکتا۔ وہ ہرگز اس بات کا مستحق نہیں۔ کہ کامیابی کا منہ دیکھے۔ ہم تو اللہ تعالےٰ کے فضل سے سب دنیا کا مقابلہ کرتے ہیں۔ اور اپنے نتائج کو تمام دنیا کے مبصروں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ لیکن ہماری طرف سے اعتراض کی اجازت کے یہ معنی نہیں ہیں۔ کہ بلا سوچے اور بسمجھے ہر شخص اعتراض کر سکتا ہے۔ اپنے وقار کے قایم رکھنے کے لئے دوسروں کا بھی فرض ہے۔ کہ وہ سوچ لیں۔ کہ وہ کس بات پر اعتراض کرتے ہیں۔ اور یہ بھی دیکھ لیں۔ کہ جس بات پر وہ اعتراض کرتے ہیں۔ کیا وہ ہم نے کہی بھی ہے یا نہیں؟

حدیث سے کیوں استدلال کیا گیا

خواجہ صاحب کو شکایت ہے۔ کہ میں نے اپنے مضمون میں حدیث سے کیوں استدلال کیا۔ اور یہ کہ جب اصول اسلام پر بحث ہو۔ تو صرف قرآن کریم سے بحث ہوگی۔ کیونکہ احادیث موضوع بھی ہیں اور ضعیف بھی۔ اور بعض خاص حالات کے ماتحت ہیں۔ اور اگر وہ صحیح بھی ہوں۔ تو بھی کتاب اللہ کے سوا کسی شخص کا فیصلہ ماننا خواہ وہ نبی یا رسول ہی کیوں نہ ہوں۔ "اربابًا من دون اللہ" کے ذیل میں آجاتا ہے۔ خواجہ صاحب کے اس بیان سے تین سوال پیدا ہوتے ہیں۔ (۱) یہ کہ میں نے حدیث سے کیوں استدلال کیا۔ قرآن کریم سے کیوں نہ کیا؟ (۲) حدیث ظنی اور ضعیف اور موضوع ہے۔ اور خاص حالات کے ماتحت ہے۔ (۳) اگر حدیث صحیح بھی ہو۔ تو بھی کتاب اللہ کے سوا کسی دوسرے شخص کا فیصلہ ماننا "اربابًا من دون اللہ" کے ذیل میں داخل ہے۔

سوال اول کا تو یہ جواب ہے۔ کہ میں تو احادیث نبی کریم کو مناسب تحقیق و تدقیق کے ماتحت نہایت ضروری یقین کرتا ہوں۔ اور سنت کے بغیر تو اسلام میں ایک ناقابل تلافی رخنہ پڑ جاتا ہے۔ پس اگر میں سنت و حدیث سے استدلال کروں۔ تو قابل تعجب نہیں۔ دوم جس قدر امور اہم تھے۔ سب کے لئے میں نے آیات قرآنیہ سے استدلال کیا تھا۔ ہاں احادیث کو بطور تائید کے بیان کیا تھا۔ اور اگر مجھے یہ معلوم ہوتا۔ کہ خواجہ صاحب احادیث کے منکر ہیں۔ تو پھر میں کبھی احادیث سے مسائل شرعیہ کے متعلق استنباط نہ کرتا۔ مگر چونکہ مجھے ان کے عقیدہ کا علم نہ تھا۔ اس لئے عام عالم اسلام پر قیاس کر کے میں نے ان کے جواب میں بعض احادیث کو بھی بیان کر دیا۔

دوسرا اس کا جواب یہ ہے۔ کہ خواجہ صاحب کو حدیث کی کمزوری تب آ کر معلوم ہوئی ہے۔ جب ان کے مقابلہ میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے۔ ورنہ انہوں نے اپنے پہلے مضمون میں خود احادیث سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ "لا فضل لعربی علی عجمی" کی حدیث" اور "خدا تعالیٰ کی زمین اور اس کے بندوں سے برتری تلاش نہ کرو۔ کی حدیث انہوں نے اپنے پہلے مضمون میں بیان کر کے اس پر خاص زور دیا ہے۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا۔ کہ بعض احادیث ان کے خلاف پڑتی ہیں۔ تو ان کو موضوع اور ضعیف قرار دینا شروع کر دیا۔ ضد و تعصب بھی انسان کو کہاں سے کہاں لیجاتے ہیں۔

اگر خواجہ صاحب کہیں۔ کہ میں تو ان مضامین کی تائید میں احادیث لایا تھا۔ جو قرآن کریم سے ثابت ہیں۔ تو میرا بھی ان کو یہی جواب ہے۔ کہ میں بھی احادیث انہی مضامین کی تائید میں لایا تھا۔ جو قرآن کریم سے ثابت ہیں۔ پھر اس پر اون کو کیوں اعتراض پیدا ہوا۔

احادیث کا درجہ

سوال دوم کہ حدیثیں ضعیف اور موضوع ہیں۔ اور پھر وقتی حالات کے ماتحت ہیں۔ ایک مستقل سوال ہے۔ جس کا اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔ بیشک احادیث اسی طرح یقینی نہیں ہیں۔ جس طرح قرآن کریم

یقینی ہے۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں۔ کہ دنیا کے کاروبار کی بنیاد بہت حد تک تاریخ پر ہے۔ اور دنیا کی معتبر سے معتبر تاریخوں سے حدیث زیادہ یقینی اور معتبر ہے۔ اور بعض حدیثیں تو اس تواتر سے پہنچتی ہیں۔ کہ ان کے مضمون سے انکار کرنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنی ذات سے انکار کردے۔ کیونکہ علاوہ قولی تائید کے لاکھوں اور کروڑوں انسان ان کی عملی تائید بھی کرتے چلے آئے ہیں۔

باقی رہا یہ کہ حدیثیں وقتی حالات کے ماتحت ہیں۔ یہ ایک حیرت انگیز انکشاف ہے کیونکہ اس کے یہ معنے ہوں گے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو زندگی بھر اسلام کی اصل تعلیم کے متعلق نہ کوئی بات کہنے کا موقعہ ملا۔ اور نہ کسی حکم پر عمل کرنے کا۔ آپ کی زندگی کے تمام حالات اور آپ کے تمام اقوال صرف وقتی حالات کے ماتحت تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اور اگر آپ یہ کہیں۔ کہ بعض باتیں تو وقتی حالات کے ماتحت بھی ہوں گی۔ پس حدیثوں کا معاملہ مشتبہ ہو گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ بیشک بعض امور وقتی حالات کے متعلق بھی ہیں۔ لیکن ان میں اور دائمی صداقتوں میں ہم انہی اصول کے ماتحت فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جن کے ماتحت ہم قرآن کریم کی آیات متشابہات کا فیصلہ کر لیا کرتے ہیں۔ اور کر سکتے ہیں۔

کتاب اللہ کے سوا کسی کی بات ماننا

تیسرا سوال خواجہ صاحب کی مذکورہ بالا تحریر سے یہ پیدا ہوا تھا۔ کہ کتاب اللہ کے سوا کسی اور شخص کی بات ماننی "اربابًا من دون اللہ" میں داخل ہے۔ خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔

اگر خواجہ صاحب کا اس بات سے یہ مطلب ہے۔ کہ بفرض محال اگر نبی خدا تعالیٰ کی بات کے خلاف کہدے۔ تو ہم اس کی بات نہیں مانینگے۔ تب تو گو میں اس قسم کے کلمہ کو گستاخی اور بے ادبی انبیاء کی قرار دوں گا۔ لیکن اس امر کی تصدیق کروں گا کہ اگر اس صورت کو ممکن سمجھ لیا جائے۔ تو اس کا مضمون سچا ہے۔ مگر پھر اس صورت میں اس جگہ اس مضمون کے بیان کرنے کی حکمت سمجھ میں نہ آوے گی۔ کیونکہ حدیث

کو اس دلیل سے رد نہیں کیا جا سکتا۔ کہ خدا تعالیٰ کے خلاف کوئی بھی بات کہے۔ خواہ نبی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کی بات قابل تسلیم نہیں۔ کیونکہ حدیث بھی رد ہو سکتی ہے۔ اور اس کا ماننا "اربابا من دون اللّٰہ" کی اطاعت کے ماتحت تبھی آسکتا ہے۔ جب سائل یہ بھی فرض کر لیا جائے۔ کہ نبی کریم صلے اللّٰہ علیہ وسلم نعوذ باللّٰہ بعض باتیں خدا تعالےٰ کے خلاف منشاء اور اس کے احکام کی مخالفت میں بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ لیکن جب خواجہ صاحب اس امر کا دعویٰ نہیں کرتے۔ تو پھر اس جگہ اس بات کے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اس کے بیان کرنے سے حدیث رسول کریم صلے اللّٰہ علیہ وسلم کس طرح درجہ اعتبار سے ساقط ہو گئی۔

اور اگر خواجہ صاحب کا یہ مطلب ہے۔ کہ نبی گو ایسی بات بھی کہے۔ جو اللّٰہ تعالےٰ کے حکم کے خلاف نہ ہو۔ تب بھی اس کا حکم ماننے کیلئے وہ تیار نہیں ہیں۔ تو پھر اس سے زیادہ انبیاء کی ہتک کوئی نہیں ہو سکتی۔ کہ دنیاوی حکام کے احکام مانے جائیں۔ ماں باپ کے احکام پر عمل کیا جائے۔ لیکن نبی کی بات تسلیم نہ کی جائے۔ حالانکہ اللّٰہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے۔ کہ

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللّٰہ۔

ترجمہ۔ ہم نے کوئی رسول دنیا میں مبعوث نہیں فرمایا۔ مگر اس حال میں کہ اللّٰہ تعالیٰ کے حکم کے ماتحت اس کی اطاعت کیجائے۔

اس آیت میں "باذن اللّٰہ" کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ نہ کہ فی اوامر اللّٰہ۔ پس اس آیت کا یہ مطلب نہیں ہو سکتا۔ کہ خدا تعالےٰ کے بتائے ہوئے احکام میں اس کی اطاعت کریں۔ کیونکہ اول تو الفاظ اس کے متحمل نہیں ہوتے۔ دوم اگر احکام آلٰہیہ میں ہی اس کی اطاعت تھی۔ تو پھر اس کی اطاعت کا ذکر کیوں کیا گیا ہے

اسی طرح اللّٰہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ

ترجمہ۔ تم لوگوں کے لئے رسول اللّٰہ میں ایک پاک نمونہ ہے۔

اور پھر فرماتا ہے۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ترجمہ۔ کہدے۔ اگر تم اللہ تعالٰے سے محبت رکھتے ہو۔ تو میری اطاعت کرو۔ تم سے اللہ تعالٰی محبت کرنے لگیگا۔

ان آیات سے صاف ثابت ہوتا ہے۔ کہ علاوہ کلام آلہی میں مذکورشدہ احکام کے رسول بھی جو حکم دے۔ اس کی اطاعت خدا تعالٰی کی طرف سے فرض ہے۔ اور شرک وہ اس لئے نہیں ہوتی۔ کہ اطاعت اپنی ذات میں شرک نہیں۔ اطاعت کسی وجود کی بھی شرک ہوتی ہے۔ جب خدا تعالٰی کی اطاعت کے مقابلہ پر پڑ جاوے۔ ورنہ اطاعت تمام انسان کسی نہ کسی مخلوق کی کرتے ہیں۔ اور چونکہ رسولوں کی اطاعت باذن اللہ ہوتی ہے۔ ان کی اطاعت کو شرک کہا ہی نہیں جا سکتا۔ شرک وہی اطاعت ہو سکتی ہے۔ جو باذن اللہ کے خلاف ہو۔ نہ کہ جو اس کے موافق ہو۔

غرض احادیث کو اس بناء پر رد کرنا کہ ان کو ماننے سے شرک لازم آجاتا ہے۔ ایک دہوکا ہے۔ جو خواجہ صاحب کو لگا ہوا ہے۔ اور درحقیقت ایسا اعتقاد رکھنا رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی ہتک کرنا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ماننی پڑیگی۔ یا تو یہ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ من ذلک خدا تعالٰی کے احکام کے خلاف بھی کہہ دیا کرتے تھے۔ اور یا یہ کہ باوجود اس کے کہ خدا تعالٰی کے احکام کے خلاف ان کی بات نہ ہو۔ تب بھی اس کو قبول کرنا گناہ ہے۔ کیونکہ اس سے شرک لازم آتا ہے۔ گویا رسالت ایک رحمت نہیں بلکہ عذاب ہے۔

حریت ومساوات اسلام میں

خواجہ صاحب نے یہ بھی سوال کیا ہے۔ کہ حریت ومساوات اگر بعض تشریحات کے مطابق اسلامی احکام میں شامل ہونگی۔ تو کیا اصولاً ہوں گی؟ یا کسی اور طرح؟ خواجہ صاحب نے اپنی طرف سے نہایت سوچکر یہ ایک معمہ پیدا کر دیا ہے۔ اور ان کا خیال ہے۔ کہ اگر میں کہوں۔ کہ اصولاً داخل

ہونگی۔ تو وہ کہیں گے۔ کہ پھر یہ اصولی مسائل ہوئے۔ اور اگر کہوں۔ کہ اصولاً داخل
نہیں ہونگی۔ تو پھر وہ سوال کرینگے۔ کہ جب اسلام میں کوئی چیز بے اصول کے داخل
ہوتی ہے۔ تو پھر اسلام مکمل کیونکر ہوگیا۔ یہ تو اسلام پر الزام ہے۔ حالانکہ یہ ایک
دھوکا ہے۔ کسی امر کا اصولاً کسی دائرہ کے اندر داخل ہو جانا اس امر کا ثبوت نہیں
ہوتا۔ کہ اسے اس کے اصول میں داخل کر دیا جائے۔ ہر ایک منضبط کلام اور دین اور
شریعت اور قانون اپنے اندر ایک رابطہ اور سلسلہ رکھتا ہے۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ
نہیں نکلتا۔ کہ اس کا ہر ایک جزو اصول میں شامل ہے۔ مدرسہ میں داخل ہونے والا
ہر ایک طالب علم کسی قانون یا اصل کے ماتحت مدرسہ میں داخل کیا جاتا ہے۔ مگر ہر
ایک طالب علم اس مدرسہ کی روح رواں نہیں کہلاتا۔ ہر ایک اینٹ جو کسی عمارت
میں لگائی جاتی ہے۔ کسی اصول کے ماتحت لگائی جاتی ہے۔ مثلاً یہ کہ وہ اس شخص
کی ملکیت ہے۔ جس کا مکان بن رہا ہے۔ یا یہ کہ معمار اسے اس جگہ کے لئے پسند کرتا
ہے۔ یا یہ کہ وہ اس موقعہ پر سامنے آگئی۔ جبکہ اس مقام پر معمار کو ایک اینٹ لگانے
کی ضرورت تھی۔ مگر کوئی نادان ہر ایک اینٹ کو جو عمارت میں لگی ہوئی ہے۔ بنیاد
نہیں کہیگا۔ اسی طرح ہر ایک حکم جو شریعت حقہ دیگی۔ کسی سلسلہ فوائد کو مدنظر
رکھتے ہوئے دیگی۔ لیکن صرف اس لئے کہ اس کا شمول کسی قاعدہ یا کسی اصل کو ملحوظ
رکھتے ہوئے دیا گیا ہے۔ ہر ایک حکم کو اس مذہب کے اصول میں شامل نہیں کر دیگا۔
پس خواجہ صاحب کا قول زخرف القول سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ اور ایک
فیلیسی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے حریت و مساوات پر کیوں زور دیا

میں نے خواجہ صاحب کے پہلے مضمون کے جواب میں
لکھا تھا۔ کہ مذہبی مساوات کے مسئلہ کو ہمارے
سامنے پیش کرنا غلطی ہے۔ کیونکہ اس مسئلہ پر تو
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد اس کی اہمیت کے مطابق زور حضرت
مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی دیا ہے۔ خواجہ صاحب میری اس بات کو میری

دوسری باتوں کے متضاد خیال کرتے ہیں۔ کیونکہ وہ پوچھتے ہیں۔ کہ اگر حریت و مساوات اصول اسلام میں سے نہیں ہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس پر زور کیوں دیا۔ میں حیران ہوں۔ کہ خواجہ صاحب اس قدر بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ کسی بات پر زور دینے کیلئے یہ ضروری نہیں۔ کہ وہ بات اصول میں شامل ہو۔ ہر ایک چیز اپنے موقعہ کے مناسب توجہ چاہتی ہے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ ایک بات چھوٹی ہو اور کسی وقت اس کی طرف کم توجہ ہو رہی ہو۔ اس وقت بڑی باتوں کی نسبت اس کی طرف زیادہ توجہ کی جائیگی۔ اسی طرح یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ایک بات خود چھوٹی ہو۔ لیکن بڑی باتوں کے ساتھ وابستہ ہو گئی ہو۔ اس لئے بڑی باتوں کی طرف توجہ کرتے وقت اس کی طرف توجہ لازماً کرنی پڑے۔ چونکہ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی طرف توجہ دلاتے وقت اس امر کا یقین دلانا بھی ضروری ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا دروازہ ہر ایک شخص کے لئے کھلا ہے۔ اس لئے لوگوں کو خدا تعالیٰ تک لانے کی غرض سے نہ کہ مساوات کا مسئلہ ثابت کرنے کے لئے اس امر پر بھی زور دینا پڑیگا۔ کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کسی قوم یا کسی ملک کے لئے بند نہیں کیا گیا۔

مذہبی اور مالی مساوات میں فرق

دوسرا اعتراض خواجہ صاحب کو یہ ہے۔ کہ جب میں نے مذہبی مساوات کو تسلیم کیا ہے۔ تو کیوں مالی مساوات کو تسلیم نہیں کرتا۔ اگر ایک کو تسلیم کیا ہے۔ تو اصولاً دوسری کو بھی تسلیم کرنا پڑیگا۔ یہ اعتراض بھی ان کا قلت تدبر سے پیدا ہوا ہے۔ مذہبی مساوات پر مالی مساوات کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اور نہ ہم اس قسم کی مذہبی مساوات کے قائل ہیں۔ جس قسم کی مالی مساوات پر خواجہ صاحب کو اصرار ہے۔ اور جس کے وہ خود بھی عامل نہیں ہیں۔

مذہبی مساوات پر مالی مساوات کا قیاس اس لئے نہیں کیا جا سکتا۔ کہ اول تو مذہبی مساوات کے یہ معنی نہیں ہوتے۔ کہ انسان اپنے مذہب میں سے زائد بچا ہوا دوسرے کو دے دیتا ہے۔ کہ ہم پر یہ الزام لگایا جائے۔ کہ جب تم مذہبی مساوات

کے قائل ہو۔ تو کیوں مالی مساوات کے قائل نہیں ہو۔ مذہب مال کی طرح نہیں کہ خرچ کرنے سے خرچ ہو جاتا ہو۔ بلکہ مذہب اگر دوسروں کو پہنچایا جائے۔ تو اصل چیز پہنچانے والے کے پاس ہی موجود رہتی ہے۔ اور جس کو پہنچائی جاتی ہے۔ وہ اگر دعوت کو قبول کرے۔ تو اس کو اسی قسم کی اور چیز مل جاتی ہے۔ نہ کہ وہ جو دعوت دینے والے کے پاس تھی۔ پس مالی مساوات کو مذہبی مساوات پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے۔ جو جائز نہیں۔

اسلام کی قائم کردہ مالی مساوات

علاوہ ازیں جس قسم کی مذہبی مساوات اسلام نے قائم کی ہے۔ اس قسم کی مالی مساوات بھی قائم ہے۔ اور اس سے کسی کو انکار نہیں یعنی جسطرح اسلام ہر ایک شخص کو دعوت دیتا ہے۔ کہ وہ حق کو قبول کرے۔ اسی طرح یہ بھی دعوت دیتا ہے۔ کہ ہر ایک شخص اپنی فطرتی قوتوں سے کام لے کر دنیاوی ترقی بھی کرے۔ اور جسطرح اسلام اس امر کی اجازت نہیں دیتا۔ کہ کسی کے اعمال کسی اور کی طرف منسوب کر دئے جائیں۔ اسی طرح یہ بھی جائز نہیں رکھتا۔ کہ کسی کا مال کسی کے حوالہ کر دیا جائے۔ پس اول تو مذہبی امور کا قیاس من کل الوجوہ مالی معاملات پر کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اور جس حد تک کیا جا سکتا ہے۔ اس کا اس مسئلہ زیر بحث سے کوئی تعلق نہیں۔ اور اس کے بیان کرنے سے خواجہ صاحب کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔

حریت اور مساوات اور اصول اسلام

میں نے اپنے مضمون میں قرآن کریم کے رو سے اصول اسلام لکھے تھے۔ خواجہ صاحب ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی اس امر پر بھی زور دیتے ہیں۔ کہ سوائے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے باقی تمام اصول بالذات مقصود نہیں ہیں۔ حالانکہ اس امر کا سوال ہی نہ تھا۔ کہ کون سے اصول بالذات مقصود ہیں۔ اور کون سے بالذات مقصود نہیں ہیں۔ سوال تو یہ تھا۔ کہ جو اصول قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں۔ ان میں حریت و مساوات شامل نہیں۔ پس اس بحث میں پڑ جانا کہ نبیوں کا

ماننا یا نہ ماننا یا کتابوں کا ماننا یا ملائکہ کو ماننا بالذات مقصود ہے۔ یا نہیں۔ ایک لغو بحث ہے۔ وہ بالذات مقصود ہوں یا نہ ہوں۔ سوال تو یہ ہے۔ کہ خدا تعالےٰ نے ان کو اصول اسلام قرار دیا ہے۔ اور کسی کا حق نہیں۔ کہ ان کے سوائے اپنے پاس سے اصول بنالے۔

نماز روزہ میں مساوات

نماز روزہ وغیرہ احکام کو بھی اصول تسلیم کرتے ہوئے خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ ان میں بھی مساوات کو مدنظر رکھا گیا۔ میں اس بحث میں نہیں پڑونگا۔ کہ کس حد تک ان احکام میں مساوات کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور کن اصول کے ماتحت۔ لیکن میں خواجہ صاحب کو دوبارہ ان کی اس غلطی پر آگاہ کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ کسی نظام کے اصول میں جو بات مدنظر رکھی جاوے۔ وہ بھی اس کے اصول میں شامل ہو جاتی ہے۔ تمام انجمنوں میں ممبروں کی حیثیت برابر کی ہوتی ہے۔ لیکن ان انجمنوں کے ممبروں سے پوچھ کر دیکھو۔ وہ کبھی اپنی انجمن کے اصول میں مساوات کو بیان نہ کرینگے۔ مثلاً انجمن حمایت اسلام ہے۔ یا اور بہت سی اسلامی یا آریہ یا سکھوں کی مجالس ہیں۔ ان سے جب اصول پوچھے جاوینگے۔ تو وہ یہ کبھی نہ کہیں گی۔ کہ ہماری انجمن کا بڑا اصل مساوات ہے۔ بلکہ جس غرض کے لئے ان کو بنایا گیا ہے۔ اس کا نام لیں گی۔ غرض کسی نظام کے اصول اور ہوتے ہیں۔ اور وہ باتیں جو نظام کے تیار کرتے وقت مدنظر رکھی جاتی ہیں۔ اور ہوتی ہیں۔ ان دونوں میں فرق نہ سمجھنے کے سبب سے خواجہ صاحب ایک حل نہ ہونے والے عقدہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔

خدا کو مطلق العنان اور مضل کہنے میں فرق

خواجہ صاحب نے اللہ تعالےٰ کے متعلق "مطلق العنان" کا لفظ استعمال کیا تھا۔ میں نے ان کو اس پر توجہ دلائی تھی۔ کہ یہ لفظ خدا تعالیٰ کی نسبت استعمال کرنا جائز نہیں۔ خواجہ صاحب اس پر دبی زبان میں اپنی غلطی کا اقرار کرتے ہوئے یہ بات پیش کرتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں مضل بھی ہے۔ مجھے اس بات کو

بڑہ کر خواجہ صاحب کی دینی واقفیت کی کمی پر افسوس آیا۔ یہ بات ایسی موٹی ہے کہ ہمارے بچے بھی اس کا جواب دے سکتے ہیں۔ اور جس نکتہ کو خواجہ صاحب نہایت باریک سمجھے ہوئے ہیں۔ ہمارے ان پڑھ بھی ان سے واقف ہیں۔ اگر خواجہ صاحب ذرا بھی غور کرتے۔ تو ان کو معلوم ہو جاتا۔ کہ خدا تعالیٰ کی نسبت مطلق الغنان کا لفظ استعمال کرنا اور اضلال کو اس کی طرف نسبت دینا دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اضلال کے معنے عربی زبان میں صرف گمراہ کرنے کے نہیں ہوتے۔ بلکہ اس کے معنے گمراہی کی طرف منسوب کرنے کے اور ہلاک کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ اور ہر ایک لفظ کے معنے اس شخص کی ذات کو مدنظر رکھ کر کئے جاتے ہیں۔ جس کے لئے وہ استعمال کیا گیا ہو۔ جیسے جبر کے معنے اصلاح کے بھی ہیں۔ اور دوسرے کو ذلیل کر کے آپ عزت حاصل کرنے کے بھی ہیں۔ جب خدا تعالیٰ کی نسبت یہ لفظ استعمال ہوگا۔ تو اس کے معنی ہمیشہ اصلاح کے ہونگے۔ اور جب بندہ کی نسبت استعمال ہوگا۔ تو ہمیشہ اس کا مطلب دوسروں کو دبا کر خود بڑائی حاصل کرنا ہوگا اسی طرح اضل جب بندوں کی طرف منسوب ہوگا۔ تو اس کے معنے اس کے مناسب حال ہوں گے۔ اور جب خدا تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا۔ تو ہمیشہ اس کے معنے گمراہ قرار دینے یا ہلاک کرنے کے ہوں گے۔ اور ان معنوں میں خدا تعالیٰ کی نسبت یہ لفظ استعمال کرنا نہ قابل اعتراض ہے۔ نہ اس کے سمجھنے میں کوئی دقت ہے۔ لیکن مطلق العنان کا لفظ بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے کوئی اچھے معنے نہیں ہیں۔ نہ لغتاً نہ محاورۃً۔ پس اضلال پر اس کا قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

مساوات ہر جگہ جاری نہ ہونے کے متعلق اعتراض

میں نے اپنے پہلے مضمون میں لکھا تھا۔ کہ مساوات بلا دیگر امور پر نظر رکھنے کے ہر جگہ جاری نہیں ہوتی چنانچہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم کی اولاد کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ "جعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب" خواجہ صاحب اس کے جواب میں مجھ پر دو اعتراض کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ میں نے اس استثنار کو

ترک کر دیا ہے۔ جو قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے۔ یعنی لاینال عہدی الظالمین"
اور دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں۔ کہ اگر اس آیت کے وہ معنی ہیں۔ جو میں نے کئے ہیں
تو پھر لکل امۃ رسولاً" کے کیا معنی ہوں گے۔ یہ دونو اعتراض بھی قلت تدبر کا
نتیجہ ہیں۔ پہلا اعتراض یہ کہ لاینال عہدی الظالمین" سے ظالموں کو مستثنےٰ کر دیا ہے
اس لئے غلط ہے۔ کہ اسجگہ یہ سوال نہ تھا۔ کہ ابراہیم کی اولاد میں سے کس کو خدا تعالیٰ
نبی بنائیگا۔ بلکہ سوال یہ تھا۔ کہ ایک عظیم الشان انعام اللہ تعالےٰ نے دوسری قوموں
کے مقابلہ میں آل ابراہیم کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے۔ پس اگر بعض آل ابراہیم بھی
اس انعام سے محروم کر دئے گئے ہیں۔ تو اس سے خصوصیت میں فرق نہیں آتا۔ آل ابراہیم
کا امتیاز پھر بھی باقی ہے۔ کہ ایک عظیم الشان انعام ان میں سے ایک فرد کے لئے مخصوص
کر دیا گیا ہے۔

دوسرا اعتراض اس لئے غلط ہے۔ کہ سب قوموں میں نبی آنے کے یہ معنی نہیں۔ کہ ہمیشہ
سب قوموں میں نبی آتے رہیں گے۔ وعدہ ابراہیمی کے پورا ہونے کے وقت سے پہلے پہلے
ہر ایک قوم میں نبی آچکے تھے۔ مگر جب وعدہ ابراہیمی کے پورا ہونے کا وقت آیا۔ تو یہ
فیض آل ابراہیم کے ایک فرد سے مخصوص کر دیا گیا۔ اور اب آل ابراہیم کے فیض سے
باہر ہو کر کوئی فیض نہیں۔ پس ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولاً کی آیت سے اس
وعدہ الٰہی پر تب اعتراض پڑ سکتا تھا۔ کہ اگر حضرت ابراہیم ابتدائے عالم میں پیدا ہوئے
ہوتے۔ کیونکہ اس صورت میں اگر نبی انہی کی اولاد سے آتے۔ تو باقی تمام اقوام اس
فیض سے محروم رہ جاتیں۔ یا یہ اعتراض تب پڑ سکتا تھا۔ کہ اگر آئندہ فیض ایمان ان
کی اولاد سے مخصوص کر دیا جاتا۔ لیکن جب تمام اقوام عالم میں نبی مبعوث ہونے کے
بعد آخری زمانہ میں محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ خدا تعالےٰ نے اس وعدہ
کو پورا کیا۔ اور جب کہ آپ پر ایمان لانے کا دروازہ سب دنیا کے لئے کھلا چھوڑا۔
تو دونو آیتوں کا مفہوم ایک وقت میں پورا ہو گیا۔ فیض نبوت ہمیشہ کے لئے آل ابراہیم
کے ساتھ بھی مخصوص ہو گیا۔ اور سب اقوام میں نبی بھی آ گئے۔ کیا بلحاظ اس کے کہ آپ

کی بعثت سے پہلے سب عالم میں بنی آچکے تھے - اور کیا بلحاظ اس کے کہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت صرف عرب نہ قرار دی گئی - بلکہ سب جہان کے انسان آپ کی امت قرار دئے گئے - یہی معنی ہیں - جن سے دونو آیتوں کے معنوں میں تطابق رہتا ہے - اور یہی وجہ ہے - کہ میں نے اپنے مضمون میں لکھا تھا کہ " ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس فیضان کو یہ خصوصیت حاصل ہے - کہ کوئی شخص حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ایک مہر تاباں سے روشنی لئے بغیر بارگاہ الٰہی تک پہنچ ہی نہیں سکتا "

معلوم ہوتا ہے - کہ خواجہ صاحب نے اعتراض کرتے وقت وہ معنے اپنے ذہن میں نہیں رکھے - جو میں نے کئے تھے - اور اپنے ذہنی معنوں کی بنا پر مجھ پر اعتراض کر دیا ہے

تقسیم دولت اور وحدت

پھر خواجہ صاحب لکھتے ہیں - کہ ہم نے واضح طور پر لکھ دیا ہے کہ اصل الاصول وحدت ہے - جو کثرت کو ایک مرکز پر لاتا ہے - اس لئے تقسیم دولت اسی اصول کے ماتحت ہونی چاہئے - خواجہ صاحب نہ معلوم توحید اور تقسیم مال کو ایک اصل کے نیچے کیونکر لاتے ہیں - ان کا ایک دوسرے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے - خواجہ صاحب خود بھی اس امر کو تسلیم نہیں کرتے اور نہ اس پر عامل ہیں - کہ کل دنیا کے اموال آپس میں برابر تقسیم ہو کر سب لوگ برابر ہوں - وحدت اور برابری تو ایک ایسا مشکل کام ہے - کہ اس کا پورا کرنا ناممکن ہے - وحدت اس وقت تک نہیں ہو سکتی - جب تک کہ مکان - لباس - کھانا - انتخاب مرد و عورت - آب و ہوا - اور کام سب میں برابری نہ ہو - یہ تو کوئی برابری نہیں - کہ زائد بچا ہوا مال دوسرے کو دیدے - جب برابری ہے - تو ایک قسم کا سب کا لباس ہونا چاہئے - سوائے اس کے کہ ایک شخص خود ہی کسی خاص قسم کے لباس سے انکار کر دے - پھر ایک قسم کا مکان اور ایک قسم کی جگہ پر ہونا چاہئے - سوائے اس کے کہ خود کوئی شخص کسی ادنےٰ جگہ کو قبول کرے - پھر ایک قسم کا انتخاب ازواج ہونا چاہئے - پھر ایک قسم کی آب و ہوا میں رہنے کا سب کو موقعہ ملنا چاہئے - سوائے اس کے کہ

کوئی شخص خود اپنے حق کو چھوڑ دے۔ پھر ایک قسم کا کام ہونا چاہیے۔ سوائے اس کے کہ کوئی شخص خود دوسرا کام پسند کرے۔ مگر باوجود اس کے پوری برابری پھر بھی نہ ملیگی۔ کئی ایسے نقائص ملینگے۔ جن کا دور کرنا اختیار سے باہر ہوگا۔ لیکن کیا کوئی عقلمند اس قسم کی برابری کے امکان کا خیال بھی کر سکتا ہے۔ بالشوزم نے کوشش کی۔ لیکن اب تک ناکامی کا منہ دیکھ رہے ہیں۔ پس حق وہی ہے۔ جو اسلام نے بیان کیا۔ کہ ہر شخص کو اس کی محنت کا پھل دیکر پھر اس پر ایسے لوگوں کی مدد مقرر کردی۔ جو کمزور ہیں۔ اور ایک حصہ مدد کا فرض کر دیا۔ اور دوسرا بطور نفل کے رکھا۔ تاکہ مختلف مدارج روحانیہ کے آدمی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں اور فاستبقوا الخیرات کے حکم کی تعمیل کریں۔

خواجہ صاحب جس مساوات کی طرف دنیا کو دعوت دیتے ہیں۔ وہ عقلاً بھی نہائت مضر ہے۔ کیونکہ اگر اس پر عمل کیا جائے۔ تو بہت سے لوگ سست ہو جائیں۔ اور دنیا کی تمام ترقی رک جائے۔

مال کما کر بطور امانت رکھنا

عجیب بات یہ ہے۔ کہ خواجہ صاحب ایک طرف تو مساوات پر زور دیتے ہیں۔ اور دوسری طرف یہ قانون بھی بتاتے ہیں۔ کہ جس نے مال کمایا ہے۔ وہ اسی کے پاس امانت رہے۔ امانت تو تب رکھی جاتی ہے۔ جب امانت رکھنے والے کو اس مال کی ضرورت نہ رہے۔ جب کہ دنیا میں بعض زیادہ مالدار اور بعض بالکل غریب نہ ہوں۔ لیکن جب کہ یہ بات نہیں۔ بلکہ دنیا کے لوگوں میں بہت بڑا فرق موجود ہے۔ تو پھر امراء کے پاس مال امانت پڑا رہنے کا کیا مطلب ہوا۔ اس کو ان لوگوں میں تقسیم کرنا چاہئے۔ جو خواجہ صاحب کے نزدیک اس کے اہل ہوں۔

خواجہ صاحب کی پیش کردہ آیت کا صحیح مطلب

خواجہ صاحب اپنے دعوے کی تائید میں قرآن کریم کی آیت "والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ" سے یہ استدلال

کرتے ہیں۔ کہ اس میں سے مال کی مساوی تقسیم کا فتویٰ نکلتا ہے۔ حالانکہ اس سے یہ بات ہرگز نہیں نکلتی۔

اول تو اس آیت کا مطلب ہی یہ ہے۔ کہ وہ لوگ جو اس وقت جبکہ دین کے راستہ میں مشکلات ہوتی ہیں۔ دین کی اشاعت میں روپیہ صرف نہیں کرتے۔ بلکہ روپیہ جوڑتے رہتے ہیں۔ سزا کے مستحق ہیں۔ مساوی تقسیم کا یہاں سوال ہی نہیں۔ فی سبیل اللہ سے مراد قرآن کریم میں اشاعت دین و نصرت دین ہوتی ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ کہ جب دین اور دنیا کا مقابلہ ہو جائے۔ تو ہر شخص کا فرض ہے۔ کہ اپنا مال اور اپنی جان اور اپنی عزت اور وطن اور دولت سب کچھ دین کے لئے قربان کر دے اور جو شخص ایسا نہیں کرتا۔ خدا تعالیٰ کے حضور سزا کا مستحق ہے۔ جس جس قدر دین کی اشاعت کیلئے مال کی ضرورت پیش آئے۔ اسی اسی قدر مال اس کی راہ میں دینا ہر مومن کا فرض ہے۔

اگر اس آیت کے یہ معنے بھی کر لئے جائیں۔ کہ اس سے عام لوگوں پر خرچ کرنا مراد ہے۔ تو بھی اس امر کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔ کہ اسجگہ "یکنزون" کا لفظ ہے۔ اور کنز کرنا اور مال کا پاس رکھنا بالکل جداگانہ باتیں ہیں۔ خواجہ صاحب نے خود اپنے مضمون میں علم الاقتصاد کا حوالہ دیا ہے۔ پس ان کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ کنز کرنے کے معنے جوڑنے کے ہیں۔ جسے انگریزی میں ہورڈنگ کہتے ہیں۔ اور اس کو تمام علم الاقتصاد کے ماہر ایک خطرناک عیب قرار دیتے ہیں۔ لیکن باوجود اس کے مالدار ہونے کو کوئی عیب نہیں قرار دیتا۔ اور جس شخص نے روپیہ کمایا ہے۔ اس کو اس مال کے تقسیم کر دینے کی ہدایت نہیں کرتا۔ ہمارے ملک میں بھی بخیل برا سمجھا جاتا ہے۔ لیکن ہر وہ شخص جس کے پاس جائداد ہو بخیل نہیں کہلاتا۔ پس اگر اس آیت میں عام حکم ہے۔ تو بھی اس میں روپیہ جوڑنے سے منع فرمایا ہے۔ نہ کہ مال کی برابر تقسیم کا حکم دیا ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے۔ کہ اسلام روپیہ جوڑنے سے منع فرماتا ہے۔ اور اسی لئے شریعت نے زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ تاکہ کوئی شخص روپیہ نہ جوڑا کرے۔

جو روپیہ جوڑیگا۔ ساٹھ ستر سال کے عرصہ میں اس کا سب مال غربا میں زکوۃ کے ذریعہ تقسیم ہو جائے گا۔ پس مال جوڑنا شرعاً ناپسند ہے۔ اور ایسا شخص جو مال جوڑتا ہے۔ واقعہ میں اسلام کے خلاف کرتا ہے۔ لیکن اگر کسی کا روپیہ تجارت میں لگا ہوا ہے۔ یا زمینوں یا مکانوں پر۔ تو ایسا شخص اگر زکوۃ ادا کرتا ہے۔ اور غریبوں اور مسکینوں کی خبر گیری کرتا ہے۔ تو اسے شریعت مجبور نہیں کرتی۔ کہ وہ اپنا سب مال برابر حصہ کر کے غربا میں تقسیم کر دے۔ اور مساوات قایم کر لے۔ اور نہ اس کو گنہگار قرار دیتی ہے۔ غرض اگر آیت کا مفہوم عام ہے۔ تو بھی اس میں روپیہ جوڑنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ جو شخص روپیہ جوڑتا ہے۔ وہ مال کو بیکار پڑا رہنے دیتا ہے۔ اور اس سے دنیا کو نقصان پہنچتا ہے۔ شریعت اسلام اس امر کو پسند کرتی ہے۔ کہ روپیہ کام پر لگا رہے۔ تاکہ اس سے دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھائیں۔ مثلاً جو شخص روپیہ تجارت پر لگائیگا۔ اس سے علاوہ لوگوں کو خرید و فروخت کے فائدہ کے یہ بھی فائدہ ہوگا۔ کہ کئی لوگوں کی تجارت کو اس سے فائدہ پہنچیگا۔ کئی لوگ اس کے ہاں ملازم ہو سکیں گے۔ مال کے بڑھنے سے اسے غریبوں کی مدد کرنے کا بھی زیادہ موقعہ ملیگا۔ درحقیقت روپیہ کا جوڑنا ایک ایسا گندہ فعل ہے۔ جو مسلمان کر ہی نہیں سکتا۔ لیکن اس بات میں اور مال کو برابر تقسیم کرنے یا مالی مساوات قایم کرنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

خواجہ صاحب کا عجیب استدلال

خواجہ صاحب نے اس آیت سے یہ بھی استدلال کیا ہے۔ کہ اس میں ولا ینفقونہا کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ "اور نہیں خرچ کرتے اس سے" یہ نہیں فرمایا۔ کہ نہیں خرچ کرتے اس میں سے" پس معلوم ہوا۔ کہ سب مال خرچ کر دینا چاہئے۔ اول تو یہ معنی بالبداہت غلط ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں اس آیت کے یہ معنے ہوں گے۔ کہ انسان جو کچھ کمائے اسے روز کے روز خرچ کرتا چلا جائے۔ کیونکہ اگر وہ آج کی مزدوری میں سے کچھ رقم اس لئے رکھ دیگا۔ کہ کل کام آویگی۔ تو یہ اس آیت کے خلاف ہوگا۔ کیونکہ اپنی

ذات کیلئے جمع کرنا اس میں منع کیا ہے۔ اور اگر جمع بھی کرے۔ تو پھر اس جمع شدہ میں سے اپنی ذات پر خرچ کرنا منع ہوگا۔ لیکن اس بات کا دعوےٰ خواجہ صاحب نہیں کرتے۔ اور عقلاً بھی ایسے معنے کرنے محال ہیں۔ پس اس کے یہ معنے ہو ہی نہیں سکتے۔ باقی رہا۔ ینفقونہا سے استدلال۔ سو یہ استدلال بوجہ عربی زبان سے ناواقفیت کے ہے۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے۔ کہ کل اور بعض اور ایسے ہی عام الفاظ کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ اور کبھی عام الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اور اس سے بعض حصہ مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کی نسبت فرماتا ہے۔ جعلکم ملوکا اور تم کو بادشاہ بنا دیا۔ حالانکہ سب بنی اسرائیل بادشاہ نہ تھے۔ ان میں سے بعض بادشاہ تھے۔

غرض ھا سے یہ استنباط کرنا کہ سب مال تقسیم کر دینے کا حکم ہے۔ درست نہیں کیونکہ عربی زبان کے قواعد کے مطابق ھا سے بعضھا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا موٹا قاعدہ ہے۔ کہ علوم عربیہ کے واقف کاروں میں سے ادنےٰ واقف بھی اس مسئلہ کو جانتا ہے۔

اسلام میں تفرقہ کی ایک وجہ مال کا حسد تھی

خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں مجھ پر یہ بھی اعتراض کیا ہے۔ کہ شروع زمانہ اسلام کے وجوہ تفرقہ میں جو میں نے یہ بات بیان کی ہے۔ کہ صحابہ کے پاس مال دیکھکر دشمنوں نے حسد سے ان پر اعتراض کئے۔ اور لوگوں میں پھیلانا شروع کیا کہ یہ دوسروں کا حق مار کر مالدار ہو رہے ہیں۔ یہ میری اختراع ہے۔ مجھے ان کی اس تحریر کو پڑھ کر ان کی علمیت پر سخت تعجب اور حیرت ہوئی۔ جس شخص کو تاریخ کا اسقدر علم بھی نہ ہو۔ وہ ایسے مباحث پر لکھنے بیٹھے۔ جن میں تاریخ کا علم ضروری ہے۔ تو اس کی دلیری پر تعجب ضرور ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کو معلوم ہونا چاہئیے۔ کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے۔ اس کی تائید کے لئے مختلف تاریخوں کی ورق گردانی کی بھی ضرورت نہیں۔ صرف اس مشہور تاریخ کا حوالہ دینا کافی ہے۔ جو زمانہ اسلام کی

تاریخوں کی ماں کہلانے کی مستحق ہے - یعنی طبری میں حضرت عثمان کے زمانہ کے اختلاف کی وجوہ میں یہ بات لکھی ہے - کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ لوگوں کے حقوق کا پورا خیال رکھتے تھے - مگر وہ لوگ جن کو اسلام میں سبقت حاصل نہ تھی - چونکہ نہ تو صحابہ کے برابر عزت پاتے تھے - اور نہ ان کے برابر اموال میں حصہ پاتے تھے - اس پر ان لوگوں نے اس تفعیل پر گرفت شروع کر دی - اور اسے ظلم قرار دینے لگے - لیکن عامۃ الناس سے ڈر کر اپنے خیالات کو ظاہر نہ کرتے تھے - صرف خفیہ طور پر یا ناواقف مسلمانوں میں یا آزاد شدہ غلاموں میں یہ باتیں پھیلاتے تھے - اسی طرح طبری لکھتا ہے - کہ حضرت ابو ذر غفاری کو ابن سودا نے جوش دلا کر امراء کے خلاف کھڑا کیا تھا - پس خواجہ صاحب گو یہ بات کہیں - کہ یہ تاریخی شہادت کمزور ہے - لیکن ان کے لئے یہ جائز نہیں - کہ اس شہادت تاریخی کے وجود کا انکار ہی کر بیٹھیں - کیونکہ یہ بات صرف ان کی جہالت پر دلالت کرے گی -

عفو کے معنی اور تفاسیر

خواجہ صاحب اس امر پر بھی اعتراض کرتے ہیں - کہ میں نے عفو کے معنی تفسیروں سے کیوں بیان کئے - اس کا جواب یہ ہے - کہ مجھے خواجہ صاحب کا مشرب معلوم نہ تھا - چونکہ عام طور پر مسلمان تفاسیر کے باہر کوئی بات سننا پسند نہیں کرتے - اس لئے میں نے تفاسیر کے حوالہ دئے - ورنہ ہمارا علم کلام شاہد ہے - اور دشمن سے دشمن بھی جانتا ہے - کہ ہم اللہ تعالےٰ کے فضل سے تفاسیر کی قید سے آزاد ہیں - ہم مفسرین کی خدمت کے مقر ہیں - مگر جو ان کی بات درست ہو - اس کو شکر گزاری سے اس کے بدلائل ثابت ہونے کے سبب سے لیتے ہیں - اور جو ان کی بات غلط ہو - اس کو رد کر دیتے ہیں - اور اس کی بجائے خود مستقل تفسیر کرتے ہیں - مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے - کہ تفاسیر کے بیان کو نقل کرنے سے میری مراد صرف ان کے خیالات بتانا ہی نہ تھی - بلکہ عفو کے جو معنے ان لوگوں کے نزدیک ثابت ہیں - ان کا بتانا بھی مد نظر تھا - اور اس میں کیا شک ہے کہ عربی زبان کے متعلق اہل عرب کی تحقیق ہی ہمارے لئے خضر راہ بن سکتی ہے -

کسی چیز کے مستحق کے پاس اس چیز کا رہنا

خواجہ صاحب نے اپنے مضمون میں مجھ پر مختلف اعتراض کرنے کے ساتھ ساتھ پھر اس امر پر زور دیا ہے۔ کہ انسان چونکہ خلیفۃ اللہ ہے۔ اس لئے جو شخص جس چیز کا مستحق ہے۔ وہ اس کے پاس رہنی چاہئے۔ میں بھی اس امر کو تسلیم کرتا ہوں۔ کہ جو شخص جس چیز کا مستحق ہے۔ وہ اس کے پاس رہنی چاہئے۔ لیکن نہ تو انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے سے اس کے متعلق کوئی استدلال ہوسکتا ہے۔ اور نہ مستحق کے یہ معنے ہیں۔ کہ مساوات کی جائے۔ بلکہ ہر شخص جو جائز ذرائع سے مال کماتا ہے۔ وہ اس کا مستحق ہے۔ اور وہ مال اس کے پاس رہنا چاہئے۔ کوئی شخص اوس سے جبراً نہیں چھین سکتا۔ سوائے اس کے کہ اس سے خدا تعالیٰ کا مقررہ کردہ حق زکوۃ وصول کرے۔ یا اور دوسرے معین حقوق وصول کرے۔ ہاں بنی نوع انسان کے اندر محبت و الفت کے بڑہانے اور تقویٰ کے درجوں کو بڑہانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے صدقہ وخیرات کی تحریک مومن کو کی ہے۔ پس ہر ایک شخص جسقدر زیادہ تقویٰ میں بڑہا ہوا ہوتا ہے۔ اسی قدر غربا اور مساکین کی خبر گیری کرتا ہے۔ مگر اس پر اسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ کہ وہ اپنا گذارہ لیکر باقی سب مال غربا میں تقسیم کردے۔

عورت کا ورثہ

عورت کے ورثہ کے متعلق خواجہ صاحب نے اپنے پہلے مضمون میں لکھا تھا۔ کہ اس کا ورثہ اس لئے آدہا ہے۔ کہ وہ اپنے خاوند کی بھی وارث ہوتی ہے۔ میں نے ان کو اس تحریف قرآنی پر آگاہ کیا تھا۔ تو انہوں نے اس غلطی کے قبول کرنے میں کوئی چارہ نہ دیکھا۔ مگر پھر بھی اپنی بات رکہنے کے لئے انہوں نے اپنے تازہ مضمون میں اس طرح بات بنائی ہے۔ کہ عورت اگر سو روپیہ کمائے گی۔ تو مرد چار سو۔ اس لئے جب وہ ایک دوسرے کے وارث ہونگے تو عورت کا حصہ دگنا ہو جائے گا۔ مگر یہ بات گٹ جپتی سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی۔ کیونکہ عورت نے اپنے تمام رشتہ دار مردوں اور رشتہ دار عورتوں کے اموال سے

سوائے شاذ حالت کے آدھا ورثہ پایا ہے۔ اور مرد نے پورا۔ بس کسی صورت میں بھی عورت کا حصہ مرد کے برابر نہیں ہو سکتا۔ میں نے خواجہ صاحب کو للرجال علیھن درجۃ" آیت الآیۃ کی طرف بھی توجہ دلائی تھی۔ اور تبایا تھا۔ کہ اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ مرد اور عورت میں شریعت نے من کل الوجوہ مساوات نہیں رکھی۔ خواجہ صاحب اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔ کہ اگر مرد کو اس کی طاقت کی وجہ سے عورت کی حفاظت کا حق دیا گیا ہے۔ تو اس حق کا اسے غلط استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ میں اس جواب پر حیران ہوں۔ کہ اس کے لکھتے ہوئے خواجہ صاحب کو اسقدر بھی خیال نہ آیا۔ کہ سوال کیا تھا۔ اور میں جواب کیا دے رہا ہوں۔ ظلم یا انصاف کا یہاں سوال نہ تھا۔ میں نے تو یہ تبایا تھا۔ کہ معاملات میں بعض ایسے حقوق مرد کو دئے گئے ہیں۔ جو عورت کو نہیں دئے گئے۔ اور اسکو انہوں نے تسلیم کر لیا ہے۔ مرد خواہ انصاف سے ان حقوق کا استعمال کرے۔ خواہ ظلم سے۔ مساوات بہر حال نہ رہی۔

شریعت نے عورت کی اصلاح کا ایک طریق مارنا رکھا ہے

میں نے لکھا تھا۔ کہ مرد کو حق ہے۔ کہ اگر عورت کو ناشزہ پائے۔ اور اور ذرائع سے اس کی اصلاح نہ ہو۔ تو اس کو مارے۔ لیکن عورت کو یہ حق نہیں۔ پس مساوات نہ رہی۔ خواجہ صاحب اس کا جواب یہ دیتے ہیں۔ کہ "الرجال قوامون علی النساء" میں رجال سے مراد فرقہ ذکور اور نساء سے مراد فرقہ نساء ہے۔ اور "ان خفتم شقاق بینھما" میں ضمیر جمع مخاطب اسی جمہور کی طرف راجع ہے۔ اور "بینھما" میں میاں بیوی کی طرف یعنی سزا دینا پنچائت کے اختیار میں ہے۔ اول تو یہ معنے ہی باطل ہیں۔ کیونکہ ان خفتم والی آیت بعد کی ہے۔ اور "والتی تخافون نشوزھن" والی آیت پہلے کی ہے۔ اور دوسرے کوئی شریف آدمی اس امر کو برداشت نہیں کر سکتا۔ کہ پنچایت بیٹھ کر اس کے متعلق یہ فیصلہ کرے کہ وہ اس قدر عرصہ تک اپنی بیوی سے ہم صحبت نہ ہو۔ یہ امر تو خاوند کے اختیار میں ہے۔ اور اسی کو شریعت نے اختیار دیا ہے۔ لیکن اگر یہ معنے بھی تسلیم کر لئے جائیں

تب بھی سوال وہی رہتا ہے۔ کہ عورت کے نشوز پر تو پنچایت کو مارنے کا حکم دیا ہے لیکن مرد کو مارنے کا حکم پنچایت کو بھی نہیں دیا۔ پس پھر بھی مساوات نہ رہی۔

تعدد ازواج اور خواجہ صاحب

ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کے متعلق خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ مرد کو اس کی حسب پسند ایک سے زیادہ نکاح جائز نہیں۔ مگر فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث وربٰع" کی موجودگی میں یہ دعویٰ ایک دعویٰ بلا دلیل سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا۔ خواجہ صاحب حدیث کا انکار کر دیں۔ مگر تاریخ کا انکار تو نہیں کر سکتے۔ آجکل کے آزاد خیالوں نے یہ عجیب طریقہ اختیار کیا ہے۔ کہ حدیث کا تو انکار کر دیتے ہیں۔ جو تاریخ سے زیادہ پختہ دلائل سے ثابت ہے۔ مگر تاریخ کو قبول کر لیتے ہیں۔ جس کی بنا حدیث کی صحت کے دلائل کی نسبت نہایت کمزور دلائل پر ہے۔ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم۔ حضرت ابوبکر۔ حضرت عمر۔ حضرت عثمان۔ حضرت علی رضوان اللہ علیہم کی ایک سے زیادہ بیویاں تھیں۔ کیا عقل اس امر کو تسلیم کر سکتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے سب بزرگوں کو ایسی مجبوریاں پیش آگئی تھیں۔ کہ جن کی موجودگی میں ایک سے زیادہ نکاح کے بغیر چارہ نہ تھا۔

عورت کا نفلی روزہ

میں نے لکھا تھا۔ کہ عورت کو نفلی روزہ رکھنا بلا خاوند کی اجازت کے جائز نہیں۔ اس پر خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ کیا خاوند کو جائز ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ خواجہ صاحب کو علمی مباحث میں پڑنے سے پہلے شریعت کے موٹے موٹے مسائل کی واقفیت ضرور حاصل کر لینی چاہئے ان کو یاد رہے۔ کہ شریعت اسلام نے اگر روزہ کے متعلق کچھ قواعد بنائے ہیں تو مرد کیلئے بھی نفلی روزہ کی قید رکھی ہے۔ مگر اس میں عورت سے اجازت لینے کی شرط نہیں رکھی۔ عورت کیلئے یہ شرط مقرر کی ہے۔ کہ وہ خاوند سے اجازت لے۔ اور میرا منشا اس حکم کے پیش کرنے سے صرف یہ ہے۔ کہ من کل الوجوہ مساوات کا مسئلہ شریعت کے خلاف ہے۔ مساوات بعض دفعہ نہائیت خطرناک ہوتی ہے۔ اور بجائے

اس سے فائدہ پہنچنے کے نقصان پہنچ جاتا ہے۔ اور اس کی خوبیاں نسبتی خوبیاں ہیں۔ اور اس کی شکلیں بھی ہزاروں ہیں۔ بعض دفعہ جو چیز مساوات نظر آتی ہے۔ وہ عدم مساوات ہوتی ہے۔

عورت کیلئے نکاح کے وقت ولی کی ضرورت

میں نے یہ بھی لکھا تھا۔ کہ عورت کو نکاح کے لئے کسی ولی کی وساطت کی ضرورت رکھی گئی ہے۔ لیکن مرد کیلئے ایسی کوئی شرط نہیں رکھی گئی۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اگر ایسا کیا گیا ہے۔ تو اسی کے فائدہ کیلئے ہے۔ کیونکہ مرد کے عیوب سے عورت واقف نہیں ہوتی۔ اس لئے کسی مرد کی ولایت میں نکاح کرنے کا اسے حکم دیا گیا۔ نامردوں کے ذریعہ ایسے مرد کے عیب و ثواب کا علم ہو جائے۔ مگر خواجہ صاحب نے یہ نہ سوچا۔ کہ سوال تو مساوات کا تھا۔ فائدہ یا عدم فائدہ کا سوال نہ تھا۔ اگر فائدہ کا سوال درمیان میں آ جائے۔ تو پھر تو اس بحث کا کچھ فائدہ ہی نہیں۔ کیونکہ اصل سائل کو انگریزوں کے طریق عمل پر اعتراض تھا۔ اور اگر یہ اصل تسلیم کر لیا جائے۔ کہ جس میں کسی کا فائدہ نظر آئے اس سے اسی رنگ میں معاملہ کیا جائے۔ خواہ مساوات نہ رہے۔ تو پھر تو بات ہی حل ہو جاتی ہے۔ انگریز بھی یہی کہتے ہیں۔ کہ یہ عدم مساوات صرف ہندوستانیوں کے فائدہ کے لئے ہے۔ اور یورپ جسقدر ممالک پر قبضہ کر رہا ہے۔ صرف اسی عذر پر کر رہا ہے۔ کہ ان لوگوں کا ہمارے ماتحت رہنا ان کے لئے نہائت مفید ہے۔

پھر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے۔ کہ اگر عورت کو مرد کی ولایت سے نکاح کا تصفیہ کرنے کا اسلئے حکم دیا گیا ہے۔ کہ عورت مرد کے عیب سے واقف نہیں ہوتی۔ تو پھر اس صورت میں تو مرد کو بھی حکم ہونا چاہئے تھا۔ کہ وہ کسی عورت کی ولایت سے نکاح کرے۔ کیونکہ جس طرح عورت کو مرد کے عیب و ثواب کا علم نہیں ہوتا۔ مرد کو بھی عورت کے عیب و ثواب کا علم نہیں ہوتا۔ جو وجہ خواجہ صاحب

بتاتے ہیں۔ وہ تو دونوں میں پائی جاتی ہے۔ پھر کیوں حکم میں برابر نہیں رکھی گئی۔

مغربی ممالک میں اسلام کی اشاعت

خواجہ صاحب یہ بھی اعتراض کرتے ہیں۔ کہ جس صورت میں میں نے اسلام کو پیش کیا ہے اس سے زیادہ بھیانک صورت میں پادری بھی پیش نہیں کرتے۔ اور اس صورت میں اسلام مغربی ممالک میں نہیں پھیل سکتا۔ مجھے خواجہ صاحب کے اس اعتراض پر تعجب ہے۔ وہ واقعات کو اس طرح نظر انداز کر دیتے ہیں۔ کہ حیرت ہوتی ہے ان کو معلوم ہونا چاہئیے تھا۔ کہ جبکہ وہ اسلام جس کے وہ قائل ہیں۔ روز بروز تنزل کی طرف قدم اٹھا رہا ہے۔ اور مسیحیوں کے حملوں سے نیم جان ہو رہا ہے وہ اسلام جسے میں پیش کرتا ہوں۔ یورپ اور امریکہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ماتحت پھیل رہا ہے۔ خود میری تین بیویاں ہیں۔ اور یورپ کے نومسلم ان مسائل کو خوب اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ بلکہ نومسلمہ عورتیں شادی شدہ مرد کے ساتھ شادی کرنے پر تیار ہیں۔ اور کرتی ہیں۔ اور ہمارے نزدیک جو اسلام کی تعلیم ہے۔ اس سے ایک حد تک واقف ہیں۔ پس عملی کامیابی کو نظر انداز کر کے عملی ناکامی کو اصل کامیابی کا راستہ قرار دینا ایک ایسا فعل ہے۔ جس کی حقیقت کو خواجہ صاحب یا ان کے ہم خیال ہی سمجھ سکتے ہیں۔

زائد مال کس کے پاس رہنا چاہئیے

خواجہ صاحب آخر میں پھر اس امر پر زور دیتے ہیں۔ کہ جو شخص مال کماتا ہے۔ اپنی ضرورت کے مطابق خرچ کر سکتا ہے۔ اس سے جو زائد بچے۔ وہ اس کے پاس امانت کے طور پر رہیگا۔ اور اگر اس کے اہل کے پاس جاویگا۔ تو بھی اسی غرض سے جاوے گا۔ میں اس امر کو نہیں سمجھ سکتا۔ کہ امانتاً اس شخص کے پاس مال کیوں رہے گا۔ امانت اسی وقت رکھوائی جاتی ہے۔ جب اس کی ضرورت نہ ہو۔ جب دنیا پر وہ زمانہ نہیں آیا۔ جب سب دنیا کے لوگ آسودہ حال ہو گئے ہوں۔ تو پھر جس شخص کے پاس زائد مال ہو۔ اس کے پاس بقیہ مال کے امانتاً رکھوا دینے کی وجہ

کیا ہے؟ موجودہ حالات میں تو قاعدہ یہ ہونا چاہیئے۔ کہ اس سے مال چھین کر فوراً ان لوگوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ جو اس سے کم مال رکھتے ہیں۔ اس مساوات کا کیا فائدہ ہے۔ کہ ایک تو لاکھوں روپیہ گھر میں امانت کے نام سے جمع کرکے بیٹھا ہوا ہو۔ اور دوسرے کے پاس اس سے آدھا سامان معیشت بھی نہ ہو۔ یہ مساوات تو صرف رسمی مساوات ہو گی۔ نہ کہ حقیقی!

پھر یہ بھی سوال ہے۔ کہ جب ضرورت سے زائد مال لوگوں کا ہے۔ تو کسی خاص شخص کے پاس اسے کیوں امانت رکھا جائے۔ یہ حق تو لوگوں کا ہونا چاہیئے تھا کہ وہ جس کے پاس چاہیں۔ اس مال کو امانتاً رکھوائیں۔ یا حکومت اس مال کو اپنے پاس رکھنے کی حقدار ہے۔ کہ وہ سب آبادی سے یکساں تعلق رکھتی ہے۔

اور اگر اس بناء پر کہ جس شخص نے محنت سے روپیہ کمایا ہے۔ وہ مستحق ہو گیا ہے۔ کہ اس پر اعتبار کیا جائے۔ روپیہ اس کے پاس رہنے دیا جائے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ آئندہ اس مال کو ورثہ میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ کیا جو شخص مستحق ہو۔ اس کی اولاد بوجہ اولاد ہونے کے ہی مستحق ہو جاتی ہے۔ اگر مال کمانے والے کے پاس بوجہ استحقاق روپیہ رہنے دیا جاتا ہے۔ تو پھر یہ شرط مقرر کی جانی چاہیئے تھی۔ کہ اگر جمع شدہ مال کی نسبت یہ یقین کر لیا جائے۔ کہ متوفی کی اولاد اسے اپنے نفس پر خرچ نہیں کرے گی۔ بلکہ اسے مساوی طور پر حاجتمندوں میں تقسیم کر دیگی۔ تب اس مال کو اس کے پاس رہنے دیا جائے ورنہ ان سے لیکر کسی اور امین کو دیدیا جائے۔ کہ اسے مساوی طور پر حاجتمندوں میں تقسیم کر دے۔

خواجہ صاحب کو نصیحت

چونکہ خواجہ صاحب کے مضمون کی تمام باتیں جو قابل توجہ تھیں۔ میرے مضمون میں آ گئی ہیں۔ اس لئے میں اسی حد تک اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔ اور خواجہ صاحب کو پھر نصیحت کرتا ہوں۔ کہ اپنا بھی اور دوسروں کا وقت بھی ضائع کرنے کی کوشش نہ

کریں ۔ اگر فی الواقعہ ان کو احقاق حق کا شوق ہے ۔ تو نفس مضمون کی طرف توجہ کریں ۔ اور ایک دفعہ سائل کے سوالات اور میرے جوابات کو پھر غور سے پڑہیں ۔ اور پھر اگر کوئی امر دریافت طلب ان کو نظر آوے ۔ تو مجھ سے دریافت کریں ۔ یونہی ادہر سے ادہر کلام کی باگیں پھیرتے جانا خلاف دانش ہے ۔ اور سوائے خلط مبحث کے اس سے کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا ۔ اور اگر وہ حق سے محروم نہیں رہنا چاہتے ۔ تو مضمون لکھتے وقت اس امر کی طرف زیادہ توجہ دیا کریں ۔ کہ جس کے خلاف وہ مضمون لکھ رہے ہیں ۔ اس کی طرف ایسی باتیں نہ منسوب کیا کریں ۔ جو اس نے نہیں کہیں ۔ کیونکہ گو اس سے ان لوگوں کو دہوکا لگ جائے ۔ جنہوں نے فریق ثانی کا مضمون نہیں پڑہا ۔ مگر اس سے مضمون نویس کے دل پر زنگ لگ جاتا ہے ۔ اور آہستہ آہستہ اس پر مسخ کی سی حالت طاری ہو جاتی ہے ۔ اور حق کے قبول کرنے سے وہ ہمیشہ کیلئے محروم رہ جاتا ہے ۔ وآخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین ۔

اسلام اور حریت و مساوات

اس عنوان سے مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے مضمون کا جواب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر کے قلم سے وسط جنوری میں "وکیل" میں شایع ہوا تھا ۔ جس کا جواب ۲۹ مارچ کے "الفضل" میں مرزا صاحب کی طرف سے شایع ہوا ہے مرزا صاحب کے پہلے مضمون کے ساتھ "الفضل" نے اس مضمون کے جواب کیلئے تمام علمائے ہند کو ایک تعلی آمیز چیلنج دیا تہا ۔ لیکن اس تازہ مضمون کے ہمراہ اس قسم کا چیلنج نہیں ہے (شاید الفضل کو خواجہ صاحب کی طاقت معلوم ہو چکی ہے) بلکہ اس میں خود مرزا صاحب نے اپنا بوجھ اپنے دوستوں پر ڈالنے کی کوشش کی ہے ۔ ہم اس میں کوئی ہرج نہیں دیکھتے ۔ کہ دوسروں سے مدد لے لی جائے ۔ لیکن اگر یہ امر چیلنج کا موضوع بن سکتا ہے ۔ تو اس کا ثبوت خود مرزا صاحب

نے اپنے مضمون میں دے دیا ہے۔

مضمون زیر نظر میں خواجہ صاحب کی "درشت کلامی" کی شکایت کی گئی ہے۔ اور ان پر "گندہ دہنی" کا الزام لگایا گیا ہے۔ "الفضل" میں یہ اصطلاحات جس پیرایہ میں استعمال کی جاتی ہیں۔ ان کو دیکھتے ہوئے ہمیں مرزا صاحب پر غلط بیانی کا الزام لگانے کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ البتہ ارباب نظر دیکھ سکتے ہیں۔ کہ خواجہ صاحب کے مضمون میں گندہ دہنی وغیرہ کا نشان تک نہیں۔

مرزا صاحب کے مضمون کا جواب خواجہ صاحب کی طرف سے ایک ہفتہ ہوا ہمیں موصول ہو چکا ہے۔ اور ناظرین کرام اسے عنقریب ان کالموں میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

(ایڈیٹر وکیل)

اسلام اور حریت و مساوات

مرزا البشیر الدین محمود صاحب قادیانی کی طرف سے "الفضل" مورخہ ۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء میں ہمارے مضمون مندرجہ عنوان وکیل مورخہ ۱۰ لغایت ۲۰ جنوری ۲۱ء کا جواب شائع ہوا ہے۔

احادیث — ہم نے اپنے مضمون مندرجہ عنوان میں لکھا تھا۔ کہ "بے شبہ قرآن کے بعد احادیث کا درجہ ہے۔" کوئی محقق اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کر سکتا۔ کہ ہم احادیث کے منکر ہیں۔ مگر مرزا صاحب ممدوح اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔

مرزا صاحب ممدوح کو اس سے انکار نہیں۔ کہ تمام مسلمانوں کا اتفاق قرآن پر ہے۔ اور یہ کہ احادیث میں اختلاف ہے۔ جو خود ثبوت کی محتاج ہیں۔ اس لیے ہم نے کیا برا کیا۔ اگر قول فیصل کی طرف مرزا صاحب کو توجہ دلائی۔

کتاب اللہ کے مطابق احادیث کا انکار خود کتاب اللہ کا انکار ہے۔ اور اسی طرح رسول کے احکام جو احکام الٰہی کے مطابق ہیں۔ واجب التعمیل ہیں۔ اور رسول

ہی پر کیا موقوف ہے - ہم ہر ایک شخص کا حکم جو حکم الٰہی کے مطابق ہو - مانینگے - اور ایسا حکم جو مخالف ہو - ہرگز تسلیم نہیں کر سکتے - خواہ اس کا صادر کرنے والا مدعی نبوت ہی کیوں نہ ہو - مرزا صاحب ممدوح اتنا تو تسلیم کرتے ہیں ،

ہم نے یہ تو نہیں لکھا - کہ رسول کریم کے تمام اقوال وقتی حالات کے ماتحت تھے - مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا - کہ اکثر اقوال وقتی حالات کے ماتحت تھے - دائمی صداقتوں کا مجموعہ کلام اللہ موجود ہے - اجتہاد آیات پر ہی مبنی ہوگا - اور جیسا کہ ہم نے لکھا ہے - رسول کریم پہلے مجتہد تھے - اجتہاد وقتی ضرورتوں اور وقتی حالات و واقعات کے لئے ہوتا ہے -

مرزا صاحب ممدوح نے تو یہ بات پیدا کی ہے - کہ رسول کی اطاعت محض احکام میں ہی فرض نہیں - بلکہ علاوہ کلام الٰہی میں مذکور شدہ احکام کے رسول بھی جو حکم دے - اس کی اطاعت خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے " اور دو آیات ثبوت میں پیش کی ہیں -

ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ترجمہ - تم لوگوں کے لئے رسول اللہ ایک پاک نمونہ ہے "

اور

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ترجمہ - کہدے - اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو - تو میری اطاعت کرو - تم سے اللہ تعالیٰ محبت کرنے لگا -

حیرت ہے - کہ مرزا صاحب ممدوح نے ان آیات سے یہ مفہوم کس طرح پیدا کر لیا ہے -

ایک شخص جو عقل سے بے بہرہ تھا - مٹی کے ڈھیلے اور اینٹ پتھر اٹھا اٹھا کر ہوا میں پھینک رہا تھا - کچھ لوگ زخمی ہوئے - اور کچھ بھاگ کھڑے ہوئے - کہ یہ کیا وحشت ہے - ایک دانا آدمی نے پوچھا - بھلے آدمی یہ کیا کر رہا ہے " جواب دیا - کہ " ہوا میں قلعہ تعمیر کر رہا ہوں " دانا آدمی نے جواب دیا - کہ عجب دانش

محال اندیش ہے۔

خشت وگل نقش صفحۂ خاکست | زیں کدورت دل ہوا پاک است
سطح اعلیٰ کہ جز لطافت نیست | قابل ہمت کثافت نیست
گرچہ سعیٔ تو کامل افتادہ است | مدعا سخت باطل افتادہ است

اس ابلہ کو عقلمند کے دلائل پسند نہ آئے۔ اور کہا۔

آنکہ اعلیٰ منزہ از ادنیٰ است | سند دعوتت حدیث کجا است
ابرہا گز نتایج خاک اند | ازچہ سیار اوج افلاک اند
گر ہوا سنگ برنمیدارد | اینقدر ژالہ ازچہ می بارد

ایسے ایسے سطحی مشاہدات سے لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں۔ اور سعی بے حاصل میں اوقات عزیز ضایع کرتے ہیں۔ یہی مفہوم اس آیت کا ہے۔ کہ

قل ان کنتم تحبون اللہ الآیہ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو۔ اور اس کے ساتھ اس کے نتیجہ سے بھی بہرہ ور ہونا چاہتے ہو۔ تو میری متابعت کرو۔ یعنی میری طرح اللہ سے محبت کرو۔

یہ ظاہر ہے۔ کہ مکان کی تعمیر خشت وگل کو ہوا میں پھینکنے سے نہیں ہو سکتی بلکہ معمار کی طرح ہوگی۔ محض سعی لاحاصل سے انسان مطلوب تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔

رسول کریمؐ تو بہترین نمونہ ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے پیش کیا ہے۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ رسول کریمؐ اللہ سے جس طرح محبت کرتے تھے۔ اسی طرح ہمیں بھی کرنی چاہیئے جس طرح آنحضرتؐ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے تھے۔ اسی طرح ہمیں بھی کرنی چاہیئے۔ ان آیات کا یہ مفہوم کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ علاوہ کلام آلہی میں مذکور شدہ احکام کے رسول جو حکم بھی دے۔ فرض ہے۔ اگر مرزا صاحب ممدوح کوئی ایسا حکم وضع وواضع کر سکتے۔ تو ہم بھی غور کرتے۔ ورنہ "اسوۂ حسنہ" کا مفہوم

وہی کچھ ہے۔ جو انبیاء کے حالات میں قرآن میں مذکور ہے۔

لقد کانت لکم اسوۃ حسنۃ فی ابراھیم والذین معہ (۲۸-۱۰) ترجمہ۔ تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں میں نیک نمونہ ہے۔

اسوہ حسنہ۔ جو انبیاء اور رسل اور ان لوگوں کی زندگی میں نظر آتا ہے۔ جن کو ان کی معیت حاصل ہے۔ جس کے لئے قید زمان و مکان لازم نہیں۔ مثل مشہور ہے۔ کہ اقوال سے اعمال زیادہ موثر ہوتے ہیں۔ لیکن جب اقوال اور اعمال دونو نیک اور مطابق ہوں۔ تو اثر دگنا ہوگا۔ وہ کونسی بات ہے۔ جو قرآن میں مذکور نہیں۔

لقد صرفنا للناس فی ھذا القرآن من کل مثل، فابی اکثر الناس الا کفورا ترجمہ۔ تحقیق ہم نے لوگوں کو ہر ایک مثل سے اس قرآن کی طرف پھیرا۔ پس اکثر کفار نے انکار کر دیا۔

وہ کون سے احکام نبوی ہیں۔ جو قرآن میں مذکور نہیں یا احکام الٰہی کے مطابق نہیں یا ان سے علاوہ ہیں۔ ؎

روئے خوبت آیتے از لطف بر ما کشف کرد
زاں سبب جز لطف و خوبی نیست در تفسیر ما

مرزا صاحب ممدوح نے آیہ

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ترجمہ۔ کہدے۔ کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو۔ تو میری متابعت کرو۔ اللہ تم سے محبت کرنے لگیگا۔

کا حوالہ تو دیا ہے۔ مگر اتنا خیال نہ کیا۔ کہ اس آیت کے مخاطب وہ لوگ ہیں۔ جو اللہ سے محبت کرنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بھی چاہتے ہیں۔ کہ اللہ ان سے محبت کرے۔ اس آیت کے صغریٰ اور کبریٰ اور نتیجہ پر غور فرماتے۔ تو معلوم ہو جاتا۔ کہ متابعت بہ تعلق محبت الٰہی ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتا ہے۔ اور یہ بھی چاہتا ہے کہ اللہ اس سے محبت کرے۔ تو رسول کریم کی طرح محبت کرنی چاہئے۔ اس آیت سے یہ

سنے پیدا کرنا کہ علاوہ احکام مذکور شدہ متابعت رسول فرض ہے۔ تحریف نہیں۔ تو اور کیا ہے؟ لطیف حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ حکم متابعت بھی "مذکور شدہ" ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر و ذکر اللہ کثیراً

ترجمہ۔ تحقیق تمہارے لئے رسول اللہ میں اسوۂ حسنہ ہے۔ وہ جو اللہ اور یوم آخر کی امید رکھتا ہے۔ اور اللہ کو بہت یاد کرتا ہے

اس میں ان تمام امور کی تشریح کی گئی ہے۔ جو قرآن میں مفصل مذکور ہیں۔ جو شخص منشائے الٰہی اور اعمال کے نتائج دیکھنا چاہتا ہے۔ اس کو رسول کریم کی طرح ایمان وعمل پیدا کرنا چاہیئے۔

اگر ہم آیات بینات کا مطالعہ کریں۔ تو واضح ہو جائیگا۔ کہ اللہ تعالیٰ کن لوگوں سے محبت کرتا ہے۔ اور کن لوگوں سے نہیں کرتا مثلاً

ان اللہ یحب المتقین (۳-۱۶)

ترجمہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں سے محبت کرتا ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ اسوۂ حسنہ کیا ہے؟ ہمیں یہ بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ انبیاء اور رسل کس کی متابعت کرتے تھے۔ جس کی وہ متابعت کرتے تھے۔ اسی کی طرف لوگوں کو بھی دعوت دیتے تھے۔ رسول جو کچھ کہتے۔ کر کے دکھاتے۔ حضرت ابراہیم کی زندگی میں بھی اسوۂ تھے۔

قل صدق اللہ فاتبعوا ملۃ ابراھیم حنیفا وما کان من المشرکین

ترجمہ۔ کہدے۔ کہ اللہ نے سچ کہا۔ پس ابراہیم حنیف کے دین کی پیروی کرو۔ اور وہ مشرکین سے نہ تھا۔

رسل کا اسوۂ حسنہ اور اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا یہی ہے۔ کہ ماسوائے سے قطع تعلق کیا جائے۔ جیسا کہ آنحضرت نے کیا تھا۔

کتاب اللہ

بالفرض اگر مرزا صاحب کا استدلال صحیح تسلیم کیا جائے۔ کہ متابعت بہ تعلق محبت الٰہی کی تخصیص نہیں۔ بلکہ یہ عام حکم متابعت ہے۔

تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ رسول کریم کس کی متابعت کرتے تھے۔

وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق (۶-۱۱)

ترجمہ۔ اور ہم نے تیری طرف حقانیت سے کتاب اتاری۔ جو پہلی کتاب کی تصدیق کرنے والی۔ اور اس کی محافظ ہے۔ پس ان کے درمیان وہ حکم کر۔ جو اللہ تعالےٰ نے اتارا اور سچائی سے ہٹ کر ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔

قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا ان تتبعون الا الظن وان انتم الا تخرصون۔ قل فللہ الحجۃ البالغۃ فلو شاء لھدکم اجمعین قل ھلم شھداءکم الذین یشھدون ان اللہ حرم ھذا فان شھدوا فلا تشھد معھم ولا تتبع اھواء الذین کذبوا بایتنا والذین لا یومنون بالاخرۃ وھم بربھم یعدلون۔

ترجمہ۔ کہدے۔ کہ کیا تمہارے پاس کچھ علم ہے۔ پس اسے ہمارے سامنے نکالو۔ تم ظن کی پیروی کرتے ہو۔ اور اٹکل دوڑاتے ہو۔ کہدے۔ کہ اللہ کی حجت بالغہ ہے۔ اگر وہ چاہتا۔ تو تم سب کو ہدایت کرتا۔ کہدے کہ اپنے ان گواہوں کو لاؤ۔ جو شہادت دیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیز حرام کی ہے پس اگر وہ شہادت دیں۔ تو تو ان کے ساتھ شہادت نہ دے۔ اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کر۔ جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا۔ اور یوم آخر پر ایمان نہیں رکھتے۔ اور وہ اپنے اللہ کے ساتھ شریک لاتے ہیں۔

وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ

ترجمہ۔ اور یہ کہ یہ میرا سیدھا راستہ ہے۔ پس اس کی پیروی کرو۔ اور مختلف راستے اختیار نہ کرو۔ وہ تمہیں اس کے راستہ

سے متفرق کر دینگے۔

وھذا کتاب انزلنہ مبارک فاتبعوہ واتقوا لعلکم ترحمون

ترجمہ۔ اور ہم نے یہ ایک برکت والی کتاب اتاری۔ پس اس کی متابعت کرو۔ اور اللہ سے ڈرو۔ شاید کہ تم رحم کئے جاؤ۔

فقد جاءکم بینۃ من ربکم و ھدی ورحمۃ فمن اظلم ممن کذب بایٰت اللہ وصدف عنھا سنجزی الذین یصدفون عن ایٰتنا سوء العذاب بما کانوا یصدفون۔

ترجمہ۔ پس تمہارے پاس تمہارے رب کی دلیل اور ہدایت اور رحمت آچکی ہے۔ پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو جھٹلائے۔ اور اون سے اعراض کرے۔ البتہ ہم اپنی نشانیوں سے اعراض کرنے والے لوگوں کو اس لئے بڑے عذاب کی جزا دینگے۔ کہ وہ اعراض کرتے تھے۔

قل اننی ھدینی ربی الی صراط مستقیم دینا قیما ملۃ ابراھیم وما کان من المشرکین قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین۔ قل اغیر اللہ ابغی ربا وھو رب کل شیء۔ (۸-۷)

ترجمہ۔ تو کہدے۔ کہ میرے اللہ نے مجھے صراط مستقیم کی ہدایت کی ہے۔ جو ملت ابراہیم حنیف کا صحیح دین تہا۔ اور وہ مشرکین میں سے نہ تہا۔ تو کہدے۔ کہ میری نماز اور میری عبادت اور میری زندگی اور میری موت اس رب العالمین خدا کے لئے ہے۔ جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ اور یہی مجھ کو حکم ہوا ہے۔ اور میں پہلے مسلمانوں میں سے ہوں۔ کہہ دے۔ کہ کیا میں اللہ کے کوئی دوسرا رب تلاش کروں۔ حالانکہ ہر ایک چیز کا خدا وہی ہے۔

واستقم کما امرت ولا تتبع اھواءھم وقل اٰمنت بما انزل اللہ من کتٰب وامرت لاعدل بینکم اللہ ربنا و ربکم (۲۵-۳۰)	ترجمہ- اور حکم پر قایم رہ - اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کر- اور کہدے- کہ میں اس کتاب پر ایمان لایا ہوں- جو اللہ تعالےٰ نے اتاری- اور مجھے حکم ہے تاکہ میں انصاف کروں- کہ تمہارے درمیان ہمارا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے-
ثم جعلنٰک علیٰ شریعۃ من الامر فاتبعھا ولاتتبع اھواء الذین لایعلمون انھم لن یغنوا عنک من اللہ شیئًا وان الظلمین بعضھم اولیاء بعض واللہ ولی المتقین ھذا بصائر للناس وھدی ورحمۃ لقوم یوقنون (۲۰-۱۸)	ترجمہ-
یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسلتہ واللہ یعصمک من الناس ان اللہ لایھدی القوم الکٰفرین.	ترجمہ- اے رسول- پہنچادے- جو تجھہ کو تیرے رب کی طرف سے اترا- اور اگر یہ نہ کیا- تو تو نے اس کا پیغام کچھ نہ پہنچایا- اور اللہ تجھہ کو لوگوں سے بچائیگا- تحقیق اللہ منکر قوم کو ہدایت نہیں کرتا-

آیات محولہ بالا سے واضح ہوتا ہے- کہ متابعت کی دو ہی صورتیں ہیں- یا تو متابعت ہوائے نفس ہوگی- یا متابعت شریعت جو کتاب اللہ میں مذکور ہے- جو رسول کریم پر نازل ہوئی- اور جس میں تمام کتب سابقہ کی صداقتیں شامل ہیں- اور یہ بھی

واضح ہوتا ہے۔ کہ رسول کریم کی متابعت موخر الذکر صورت کی ہے۔ اور یہ بھی واضح ہوتا ہے۔ کہ کتاب اللہ کے سوا کسی کی بات ماننا متابعت ہوائے نفس ہے۔

ارء یت من اتخذ الٰھہ ھواہ افانت تکون علینا وکیلا ام تحسب ان اکثرھم یسمعون او یعقلون ان ھم الا کالانعام بل ھم اضل سبیلا۔ (۱۹-۲)

ترجمہ۔ کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش کو معبود بنایا۔ کیا تو اس پر وکیل ہوتا ہے۔ کیا تو گمان کرتا ہے۔ کہ ان میں سے اکثر سنتے ہیں۔ یا سمجھتے ہیں۔ وہ چار پائیوں کی مانند ہیں۔ بلکہ وہ راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں۔

نتیجہ ایک ہی ہے۔ اور صاف ہے۔ کہ رسول کریم کتاب اللہ کے سوا اور کسی کے تابع نہ تھے۔ اب سوال یہ ہے۔ کہ رسول کی متابعت کا کیا مفہوم ہے؟ کتاب اللہ کے سوا کچھ اور مفہوم ہو ہی نہیں سکتا۔

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا اولو کان اباؤھم لا یعقلون شیئا ولا یھتدون۔ (۲-۵)

ترجمہ۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ اس چیز کی متابعت کرو۔ جو اللہ تعالےٰ نے اتاری۔ تو وہ کہتے ہیں۔ کہ ہم اس کی متابعت کرینگے۔ جسپر ہم نے اپنے آباء کو پایا۔ اگرچہ ان کے آباء نہ کچھ سمجھتے ہوں۔ اور نہ ہدایت پاتے ہوں۔

ایک تو رسول کریم خود کتاب مبارک کے تابع تھے۔ اور اول المسلمین تھے۔ دوسرے لوگوں کو ما انزل اللہ یعنی اسی کتاب اللہ کے تابع رہنے کی دعوت دیتے تھے۔ اس لئے مرزا صاحب ممدوح کا یہ خیال کہ اتباع رسول کتاب اللہ کے علاوہ بھی فرض ہے۔ محض "ظن" ہے۔ اور اربابا من دون اللہ کی پرستش ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے آیات محولہ بالا سے استدلال کیا ہے۔ اتباع ہوائے نفس یا اتباع ماسوی اللہ شرک ہے۔ ضلالت ہے۔

فاحکم بین الناس بالحق ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ — ترجمہ۔ پس لوگوں کے درمیان سچائی کا حکم کر۔ اور خواہش کی پیروی نہ کر۔ وہ تجھے اللہ کے راستہ سے گمراہ کریگی۔

افرءیت من اتخذ الٰھہ ھوٰہ واضلہ اللہ علی علم وختم علی سمعہ وقلبہ وجعل علی بصرہ غشٰوۃ — ترجمہ۔

اور

نھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی (۳۰-۴۰) — ترجمہ۔ اس نے نفس کو خواہش سے روکا تحقیق جنت اس کی جائے پناہ ہے۔

اب مرزا صاحب ممدوح کیلئے اس کے سوا چارہ نہیں، کہ یا تو یہ تسلیم کریں، کہ رسول کریم ہوائے نفس کے بھی تابع تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ یا یہ کہ محض کتاب اللہ کے تابع تھے۔ اور اس لئے فاتبعونی کا مفہوم محض کتاب اللہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ اور اس لئے احادیث کتاب اللہ سے اجتہاد ہی ہوگا۔ اور اجتہاد اور وقتی حالات لازم و ملزوم ہیں۔ دائمی صداقت کتاب اللہ کے سوا کچھ نہیں

ذالک الدین القیم — ترجمہ یہ دین استوار ہے

اس لئے ہم مرزا صاحب ممدوح کو انہی الفاظ سے مخاطب کرتے ہیں۔ جن الفاظ سے کہ

وما ینطق عن الھوٰی — ترجمہ۔ اور وہ خواہش سے نہیں بولتا۔

کے مخاطب نے اہل کتاب سے خطاب فرمایا۔

یااھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل واضلوا کثیرا وضلوا عن سواء السبیل (۶-۱۴) — ترجمہ۔ اے اہل کتاب! سوائے حق کے اپنے دین میں مبالغہ نہ کرو۔ اور اس قوم کی خواہش کی متابعت نہ کرو۔ جو اس سے پہلے گمراہ ہوئی۔ اور جس نے

بہتوں کو گمراہ کیا۔ اور راہ راست سے
بھٹک گئے۔

مرزا صاحب ممدوح کا یہ خیال کہ اگر "حدیثیں وقتی حالات کے ماتحت ہیں" تو اس کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ رسول کریم کو زندگی بھر اسلام کی اصل تعلیم کے متعلق نہ کوئی بات کہنے کا موقعہ ملا۔ اور نہ کسی حکم پر عمل کرنے کا" نرالا منطق ہے۔ رسول کریم پر قرآن زمانہ نبوت یعنی ۲۳ سال تک نازل ہوتا رہا۔ رسول کریم کتاب اللہ ہی کی آیات پڑھ کر سنایا کرتے۔ اسی کتاب کی تعلیم دیتے رہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم یتلوا علیہم ایتہ ویزکیہم و یعلمہم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبین (۴۔۸)

ترجمہ۔ اللہ تعالےٰ نے ایمان والوں پر انہی میں سے رسول بھیجکر احسان کیا ہے جو اس کی نشانیاں ان کے سامنے پڑہتا اور ان کو سنوارتا ہے۔ اور ان کو کتاب وحکمت سکہاتا ہے۔ حالانکہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہ تھے۔

وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب

ترجمہ۔ اور ہم نے اس کی اولاد میں نبوت اور کتاب دی۔

مرزا صاحب ممدوح نے اس آیت سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ "ایک عظیم الشان انعام اللہ تعالےٰ نے دوسری قوموں کے مقابلہ میں آل ابراہیم کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے" اس لئے اس آیت سے عدم مساوات کا مفہوم پیدا ہوتا ہے

ہم نے مرزا صاحب ممدوح کی توجہ

لاینال عہد الظالمین

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ کا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا۔

کی طرف مبذول کرتے ہوئے لکھا تہا۔ کہ اگر آل ابراہیم کی خصوصیت ہوتی۔

تو ظالموں کو مستثنےٰ نہ کیا جاتا۔ اس لئے جیسا کہ ہم نے اصول اہلیت و استحقاق میں واضح کیا ہے۔ تو یہ تخصیص اگر بفرض بحث تسلیم کی جائے۔ بوجہ نسب نہ ہوگی۔ یعنی اس وجہ سے نہ ہوگی۔ کہ وہ حضرت ابراہیم کی اولاد ہیں۔ بلکہ اس لئے ہوگی۔ کہ وہ اس کے اہل اور مستحق ہیں۔

لیکن اصولاً ہم اس تخصیص کو جس پر مرزا صاحب ممدوح نے حصر کیا ہے۔ تسلیم نہیں کرتے۔ اس لئے لکل امۃ رسولًا کے معنے دریافت کئے تھے۔ جواب یہ ملا ہے۔ کہ دیگر امم کے رسل حضرت ابراہیم سے پیشتر مبعوث ہو چکے تھے۔ حضرت ابراہیم کے بعد نبوت وراثتاً آل حضرت کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی۔ اگرچہ مرزا صاحب ممدوح نے یہ نہیں لکھا۔ کہ انتقال نبوت یا امامت کی اب کیا صورت ہے؟ مگر مرزا صاحب ممدوح کے استدلال سے قیاس ہو سکتا ہے۔ کہ کیا ہے؟

آیت زیر بحث سے کوئی تخصیص اولاد ابراہیم کی نہیں۔ مرزا صاحب ممدوح کا یہ خیال کہ یہ انعام بمقابلہ دیگر اقوام ہے۔ ایک قیاس ہے۔ جس کی کوئی سند پیش نہیں کی گئی۔ آیۂ

ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولًا ترجمہ۔ ہم نے ہر ایک امت میں ایک رسول بھیجا۔

اس قیاسی تخصیص کی تردید کر رہی ہے۔ جعلکم ملوکًا سے بھی یہی استدلال ہو سکتا ہے۔ کہ بنی اسرائیل کی تخصیص ہے۔ حالانکہ ملوک دیگر امم میں بھی تھے۔ اور ہر ایک زمانہ میں تھے۔ کچھ بنی اسرائیل کی تخصیص نہیں۔ اسی طرح ولقد بعثنا فی کل امۃ رسولًا سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ تمام امم میں بلا امتیاز رسل مبعوث ہوئے۔ یہ استدلال کہ دیگر امم میں حضرت ابراہیم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوا۔ آیت زیر بحث کے کسی لفظ سے تو ہو نہیں سکتا۔ البتہ تحریف کا اختیار ہے۔

مرزا صاحب ممدوح کے استدلال سے یہ پایا جاتا ہے۔ کہ چونکہ نبوت اور کتاب آل ابراہیم سے مخصوص ہو چکی ہے۔ اس لئے یہ فیض اولاد ابراہیم ہوگا۔ فیض

حقانیت نہیں - ورنہ اولاد ابراہیم کی تخصیص بے معنی ہے - اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ

یاایھا الناس انا خلقنکم من ذکر و انثی وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم ان اللہ علیم خبیر (۲۶-۱۴)

ترجمہ - اے لوگو - ہم نے تمہیں مرد اور عورت سے پیدا کیا - اور تمہیں گروہ اور قبیلے بنایا - تاکہ تم پہچانو - تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ پرہیزگار معزز ہے - تحقیق اللہ ہی علیم و خبیر ہے -

کسی کی آل یا اولاد ہونا کوئی قابل فخر بات نہیں - معیار عزت صرف تقوی ہے - اس لئے نبوت اور کتاب کا انعام اولاد ابراہیم کیلئے بوجہ حسب و نسب مخصوص نہیں ہو سکتا - اس موضوع پر ہم مفصل بحث کر چکے ہیں - کہ ذات پات کی قدرتی تقسیم محض تعارف کے لئے ہے - معیار عزت نہیں، جیسا کہ لوگوں نے سمجھ رکھا ہے - پہلے مرزا صاحب ممدوح یہ ثابت کریں، کہ اسلام ذاتوں کے امتیاز کا ایسا ہی حامی ہے - جیسا کہ منو کے دہرم شاستر میں مذکور ہے - پھر آیت زیر بحث سے استدلال کریں -

مناسب معلوم ہوتا ہے - کہ اس مقام پر ہم "اہل و مستحق" کی مزید تشریح کریں - اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے -

واذا ابتلی ابراھیم ربه بکلمت فاتمھن قال انی جاعلك للناس اماما، قال ومن ذریتی قال لا ینال عھدی الظلمین (۱-۱۵)

ترجمہ - اور جب اللہ تعالی نے ابراہیم کو کئی باتوں میں آزمایا - پس اس نے وہ پوری کردیں - تو فرمایا - کہ میں تجھے لوگوں کا امام بنانے والا ہوں - کہا اور میری اولاد سے؟ تو فرمایا - کہ میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچتا -

واذ جعلنا البیت مثابة للناس وامنا - - -

جب کعبۃ اللہ لوگوں کے اجتماع اور امن کی جگہ قرار دیا گیا -

واذ قال ابراهیم رب اجعل هذا بلدا امنا وارزق اهله من الثمرات من اٰمن منهم باللہ والیوم الاخر قال ومن کفر فامتعه قلیلا ثم اضطره الی عذاب النار (۱-۱۵)

ترجمہ - اور جب ابراہیم نے کہا کہ اے خدا - اس شہر کو امن کی جگہ بنا - اور ان لوگوں کو میووں کی روزی عنایت فرما جو ان میں سے اللہ اور یوم آخر پر ایمان لائیں - فرمایا - مکر بھی چندے بہرہ ور ہوں گے - پھر ان کو دوزخ کے عذاب کی طرف مجبور کر دونگا -

چونکہ وادی مکہ غیر زرعی تھی - حضرت ابراہیم کو معلوم ہو چکا تھا - کہ ظالم اس انعام کے اہل نہیں ہیں - اس لئے تخصیص کی - کہ من اٰمن منھم باللہ والیوم الاخر" ارشاد الٰہی ہوا - کہ نہیں - کچھ اہل ایمان کی تخصیص نہیں - بلکہ کافر بھی اس سے دنیوی زندگی میں جو بمقابلہ آخرت قلیل ہے - بہرہ ور ہوں گے - حضرت ابراہیم نے دونو دعاؤں میں فیض رحیمی اور رحمانی کا خیال نہ کیا - ایسی ایسی غلطیاں انبیاء اور رسل سے بھی بہ تقاضائے بشریت سرزد ہو جاتی ہیں -

وما ارسلنا من قبلك من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطن فی امنیته فینسخ اللہ ما یلقی الشیطن ثم یحکم اللہ اٰیته واللہ علیم حکیم لیجعل ما یلقی الشیطن فتنة للذین فی قلوبهم مرض والقاسیة قلوبهم وان الظلمین لفی شقاق بعید ، ولیعلم الذین اوتوا العلم انه الحق من ربك فیؤمنوا به فتخبت له قلوبهم ، وان اللہ لهاد الذین اٰمنوا الی صراط

ترجمہ - ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول اور نبی نہیں بھیجا - مگر جب وہ آرزو کرتا تھا - تو شیطان اس کی آرزو میں (القا) ڈال دیتا تھا - اللہ تعالٰے شیطان کے ڈالے ہوئے القا کو مٹاتا ہے - پھر اللہ تعالی اپنی نشانیوں کو محکم کرتا ہے - اور اللہ ہی علیم و حکیم ہے تاکہ اس چیز کو جو شیطان ڈالتا ہے - ان لوگوں کیلئے آزمایش بنائے - جن کے دلوں میں مرض ہے - اور جن کے دل سخت ہیں - اور گنہگار تو گمراہی میں دور پڑے

مستقیم" (۱۷-۴) ہیں۔ تاکہ صاحب علم جانیں۔ کہ وہ تیرے رب کی طرف سے تحقیق ہے۔ پس وہ اس پر ایمان لائیں۔ اور ان کے دل عاجزی کریں۔ اور اللہ تعالےٰ مومنوں کو سیدھا راستہ بتانے والا ہے۔

ناسخ و منسوخ

ان آیات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ رسول کریم سے پیشتر تمام انبیاء اور رسل کے قلب میں القائے شیطانی بہ تقاضائے بشریت ان کی تمناؤں میں مل کر ہوتا رہا ہے۔ رسول کریم کی ذات اس سے مستثنےٰ ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن شروع سے اخیر تک کلام اللہ ہے۔ دیگر کتب کی یہ کیفیت نہیں۔ ان آیات اور آیہ

ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا نات بخیر منھا او مثلھا ؕ الم تعلم ان اللہ علےٰ کل شئ قدیر (۱-۱۳)

ترجمہ۔ ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے یا بھلا دیتے ہیں۔ تو اس سے بہتر یا برابر پہنچاتے ہیں۔ کیا تو نہیں جانتا۔ کہ اللہ ہر ایک شئے پر قادر ہے۔

سے واضح ہوتا ہے۔ کہ انبیاء اور رسل بعض آیات کو بھول جاتے۔

وما انسٰنیہ الا الشیطٰن (۱۵-)

ترجمہ۔ اور مجھہ کو شیطان نے ہی بھلایا۔

یا تمنائے نفس سے مخلوط کرتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کتب سابقہ اور صحف انبیاء میں نقائص موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان نقائص کو بذریعہ انبیاء و رسل یکے بعد دیگرے محو فرماتا رہا۔ اور اس طرح دین کی تکمیل ہوتی رہی۔ یہ کمال بلاشائبہ نقص صرف قرآن ہی میں پایا جاتا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا (۶-۵)

ترجمہ۔ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی۔ اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام

پسند کیا۔

تمام انبیاء اور رسل کی نسبت یہ ارشاد ہے۔ کہ اذا تمنے القے الشیطن فے امنیتہ
لیکن خاتم النبین علیے اللہ علیہ وسلم کی نسبت یہ ارشاد ہے۔ کہ

والنجم اذا ھوی، ما ضل صاحبکم وما غوی، وماینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (۲۷-۵)

ترجمہ۔ قسم ہے تارے کی جب گرے۔ تمہارا رفیق گمراہ اور بے راہ نہیں ہوا۔ اور نہ اپنی خواہش سے بولتا ہے۔ یہ تو حکم ہے۔ جو پہنچتا ہے۔

قرآن مصدقاً لما بین یدیہ" تمام کتب سابقہ کی تصدیق کرتا ہے۔ لیکن ان میں سے اس حصہ کا ناسخ ہے۔ جو القائے شیطانی کی ذیل میں آتا ہے۔ جس کی دستاویز پر انبیاء و رسل کی مخالفت ہوتی رہی۔ جو اس کو محو کرنے کیلئے یکے بعد دیگرے مبعوث ہوتے رہے۔ چونکہ یہ حصہ آیات مخالفین کے ہوائے نفس کا موئد تھا۔ اس لیئے وہ اس پر قایم رہتے۔ اور انبیاء و رسل کی مخالفت کرتے۔ اور ان آیات کو سنداً پیش کرتے

عفو

مرزا صاحب ممدوح نسخ کے مخالف ہیں۔ مگر مفسرین کے اقوال کو جو نسخ کے قائل ہیں۔ بطور حجت پیش کرتے ہیں۔ ان مفسرین کی تائید مرزا صاحب ممدوح اس حد تک کر سکتے تھے۔ کہ "عفو" کے معنی ایسا مال ہے۔ جو ضرورت سے زائد ہو۔ مفسرین کا یہ خیال کہ یہ آئیت منسوخ ہو چکی۔ نہ آپ اور نہ ہم ماننے کیلئے تیار ہیں۔

فی سبیل اللہ

ہم نے لکھا تھا۔ کہ ضرورت سے زائد مال جس کو اور جہاں ضرورت ہو۔ وہاں صرف کرنا چاہیئے۔ اور دلائل آیات بینات پیش کی تھیں۔ مرزا صاحب ممدوح اتنا تو تسلیم کرتے ہیں۔ کہ فی سبیل اللہ سے مراد قرآن کریم میں اشاعت دین و نصرت دین (جس کا بیڑا آنجناب نے اٹھایا ہوا ہے) ہوتی ہے۔ اور ہر شخص کا فرض ہے۔ کہ اپنا مال اور اپنی جان اور اپنی عزت اور وطن اور دولت سب کچھ دین کے لیئے قربان کر دے۔ اور جو شخص ایسا نہیں کرتا

خدا تعالےٰ کے حضور سزا کا مستحق ہے - افسوس ہے - کہ اس پر بھی مرزا صاحب ممدوح ایسی ضرورت پر صرف مال اصولاً تسلیم نہیں کرتے - حالانکہ اس کو اعلیٰ فرض بھی سمجھتے ہیں - جس کی خلاف ورزی انسان کو سزا کا مستوجب بناتی ہے - اگر مرزا صاحب ممدوح ذرا تدبر سے کام لیتے - تو نیک نیتی سے تسلیم کرتے - کہ واقع میں اصل الاصول یہ ہے - کہ ضرورت سے زائد دین میں صرف کرنا چاہئے - جہاں اور جس کو اس کی ضرورت ہو - اشاعت دین اور نصرت دین کی ضرورت تو خود تسلیم کرتے ہیں - اس لئے اصولاً صرف مال ضرورۃ ہوگا -

مرزا صاحب ممدوح اس ضرورت کو تسلیم کرینگے - کہ یورپ اور امریکہ میں اشاعت اسلام ہو - لندن میں ایک عالیشان مسجد تعمیر ہو - اور لوگ اپنا مال اور اپنی جان اور اپنی عزت اور وطن اور دولت سب کچھ مرزا صاحب ممدوح کے حوالہ کر دیں - کہ اس کام پر لگائیں - لیکن اس ضرورت کو محسوس نہیں کرتے - کہ اقربا سے ابن السبیل تک مستحقین کی امداد ایسی ہی فرض ہے - دیندار تو فاقہ کش ہوں - دنیا میں ذلیل زندگی بسر کریں - اور اسلام کی بدنامی کا موجب ہوں - ان پر مال صرف کرنا فی سبیل اللہ نہیں ہوتا - اور نصرت دین اور اشاعت دین میں داخل نہیں - مرزا صاحب ممدوح نے فی سبیل اللہ کی جامع و مانع تعریف جیسا کہ قرآن میں کی گئی ہے نہیں کی - آنجناب کی قرآن دانی سے یہ توقع نہ تھی - فی سبیل اللہ کا مفہوم یہ ہے - کہ "جو کچھ اللہ تعالیٰ نے کرۂ ارض پر پیدا کیا ہے - اور انسان کے قبضہ تصرف میں امانتاً دیا ہے - احکام الٰہی کے منشار کے مطابق صرف ہو" اس موضوع پر ہم مفصل بحث کر چکے ہیں - مشکل یہ ہے - کہ مرزا صاحب ممدوح نہ تو اصول سے واقف ہیں - اور نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں -

ارکان اور اصول

جو کچھ مرزا صاحب ممدوح نے فی سبیل اللہ کی تعریف کی ہے - اس کے رو سے زکوٰۃ جو بقول آں جناب معینہ اور مقررہ رقم ہے - اصل اسلام نہیں ہو سکتی - اس لئے ارکان اسلام اور اصول اسلام ہم معنی الفاظ نہیں ہو سکتے - مرزا صاحب ممدوح لکھتے ہیں - کہ جس جس قدر دین کی اشاعت

کے لیئے مال کی ضرورت پیش آئے - اسی اسی قدر مال اس کی راہ میں دینا ہر مومن
کا فرض ہے" یعنی بقدر ضرورت مال صرف کرنا فرض ہے - ایک طرف تو زکوۃ
کی رقم معین کرنا - دوسری طرف ضرورت جس کی حدود معین نہیں ہوسکتیں -
اصول سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے - اصل ثابت ہوتی ہے - اور فطری ہے - کسی کی
اختراع نہیں ہوتی - انسانی صنعت نہیں ہوتی - اسی ناواقفیت کا نتیجہ ہے - کہ کسی
انجمن یا سبھا یا سماج کے اغراض و مقاصد خواہ وہ متضاد ہوں - اصول کے ہم معنے
سمجھے گئے ہیں - حالانکہ ہر ایک انجمن" ہر ایک سبھا" ہر ایک سماج اصول مساوات و
حریت پر قایم ہوتی ہے - یعنی "ارکان" انجمن خواہ اس کے اغراض و مقاصد کچھ ہی
ہوں - آزادانہ مساوی رائے کا حق رکھتے ہیں - کوئی انجمن اصول حریت و مساوات
کے بغیر قایم نہیں رہ سکتی - اور اس کے اغراض و مقاصد حاصل نہیں ہوسکتے - اگر
انجمن احمدیہ کی غرض و مقصد یہ ہو - کہ یورپ اور امریکہ میں مرزا غلام احمد صاحب
مرحوم کو مسیح موعود اور مہدی معہود ثابت کیا جاسے - اور سنگھ سبھا کی یہ غرض ہو -
کہ تمام گوردواروں پر قبضہ کیا جائے - اور آریہ سماج کی یہ غرض ہو - کہ ہندوؤں کو
ایک قوم بنایا جائے - تو یہ مختلف اغراض و مقاصد کبھی حاصل نہیں ہوسکتے - جبتک
یہ انجمن" یہ سبھا" یہ سماج اصول حریت و مساوات پر قایم نہ ہو - جو دائمی صداقت ہے
اغراض و مقاصد کے حصول کے بعد انجمنیں ٹوٹ جاتی ہیں - یہ صنعتیں باطل ہو جاتی
ہیں - لیکن جب کوئی انجمن" کوئی سبھا" کوئی سماج قایم ہوگی - خواہ ان کی اغراض
و مقاصد کچھ ہی ہوں - انہی فطری اصول پر قایم ہوں گی - جن میں کبھی کوئی اختلاف
نہیں ہوتا - اس میں احمدیوں یا غیر احمدیوں کی کوئی تخصیص نہیں - یہ نہیں ہوسکتا -
کہ احمدی تو اور اصول پر کاربند ہوں - اور غیر احمدی اور اصول پر" فطرت دونو
میں یکساں کام کر رہی ہے - البتہ دونو کی اختراع اور صنعت مختلف ہوسکتی ہے -
ہم" اصل اصول اسلام" کے تحت اس پر بحث کر چکے ہیں -

فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ" ذلک الدین

القیم، ولکن اکثر الناس لا یعلمون"۔
اگر کوئی انجمن، بہما یا سماج اپنے اغراض و مقاصد کو اصول کے ہم معنی بتائے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ اکثر الناس لا یعلمون"۔ دلیل" ہے۔ ان نام نہاد مسلمانوں پر جو دعوے تو یہ کرتے ہیں۔ کہ اسلام دین الفطرت۔ دین الحق" دین القیم۔ صراط مستقیم سواء السبیل ہے۔ اور اسلام کو اپنی مصنوعات باطلہ کی صورت میں پیش کرتے ہیں کہ یہ اصول اسلام ہیں۔ اور فخر کرتے ہیں۔ کہ وہ اشاعت اسلام اور نصرت اسلام کا کام کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد کی تعمیر میں مصروف ہیں۔

اولئٰک الذین لیس لھم فی الاٰخرۃ الا النار، وحبط ما صنعوا فیھا وبٰطل ما کانوا یعملون (۱۲-۲)

ترجمہ۔ یہی وہ لوگ ہیں۔ جن کے لئے آخرت میں سوائے آگ کے کچھ نہیں۔ انہوں نے یہاں جو بنایا۔ مٹ گیا۔ اور جو کمایا۔ وہ باطل ہو گیا۔

کامیابی اور ناکامیابی

یہ لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں۔ کہ ان کا مشن کامیاب ہو رہا ہے۔ حالانکہ باطل بھی کامیاب ہوتا ہے۔ ہر ایک شخص کو اس کے کسب کا اجر ملتا ہے۔

اولئٰک لھم نصیب مما کسبوا" یہی ہیں۔ جن کے لئے ان کے کمائے ہوئے سے حصہ ہے۔

لیکن سوال کامیابی یا ناکامیابی کے متعلق نہ تھا۔ ہم نے یہ نہیں لکھا تھا۔ کہ مرزا صاحب ممدوح کا خود ساختہ اسلام یورپ اور امریکہ میں شایع نہیں ہو سکتا۔ جہاں کفر و الحاد کی گرم بازاری ہو۔ وہاں اگر آں جناب کا مشن کامیاب ہو رہا ہے۔ تو کیا تعجب ہے؟ سوال تو اس مکروہ صورت کا ہے۔ جس میں اسلام کو پیش کیا جاتا ہے۔ اور جس میں پادری پیش کرتے ہیں۔ باوجود "چیلنج" آنجناب نے کیا جواب دیا ہے؟ یہ ایک مستقل بحث ہے۔ اور اختصار کی گنجائش نہیں۔ اس لئے ہم دوبارہ "چیلنج" دیتے ہیں۔ اور اس مقام پر اسی پر اکتفا کرتے ہیں۔ کہ

ما طاب لکم من النساء مثنیٰ و ثلاث ورباع فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم ذٰلک ادنیٰ الا تعولوا ۔ و اتو النساء صدقتهن نحلة فان طبن لکم عن شیٔ منه نفسا فکلوہ هنیئا مریئا (۴-۱۲)

ترجمہ - جو عورتیں تمہارے حسب منشا ہوں دو دو اور تین تین اور چار چار - اور اگر تمہیں خوف ہو - کہ تم عدالت نہ کر سکو گے تو بس ایک ہی کافی ہے - یا جس پر تمہارا ہاتھ قابض ہے - یہ قریب تر ہے - کہ بے انصافی نہ کرو - اور عورتوں کو خوشی سے ان کا مہر دیدو - پس اگر وہ دلی خوشی سے تمہیں کچھ چیز چھوڑ دیں - پس اسے رچتا پچتا کھاؤ -

میں بھی حریت و مساوات کے اصول اپنا کام کر رہے ہیں - اگر تحقیق مطلوب ہے - تو یہ تبلیغ منظور کر سکتے ہیں -

غریب مزاج صحابی

حضرت ابو ذر غفاری نے آیت

والذین یکنزون الذهب والفضه ولا ینفقونها فی سبیل الله

ترجمہ - جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں - اور اسے اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے -

سے جو کچھ استدلال کیا تھا - ہم نے مرزا صاحب ممدوح کی "تحقیق و تدقیق" کے لئے پیش کیا - مرزا صاحب بھول گئے - کہ یہ استدلال غریب مزاج صحابی کا ہے - اور ہمارا بالتبع ہے - کہ یہ استدلال بوجہ عربی زبان سے ناواقفیت کے ہے - "ہمیں اگر یہ علم نہ ہوتا - کہ حضرت ابو ذر غفاری خالص عرب تھے - رسول کریم کے ہمعصر اور صحابی تھے - اور ابتدا سے رسول کریم کی صحبت میں فیضیافتہ تھے - نہ صرف عربی ان کی مادری زبان تھی - اور عربی بولتے تھے - بلکہ قرآن کی عربی مبین اور "غیر ذی عوج" سے واقف تھے - تو شاید تسلیم کر لیتے - کہ غریب مزاج صحابی عجمی تھے - اس لئے بقول مرزا صاحب ممدوح عربی کے ایک موٹے قاعدہ کی جو بز خفش بھی جانتی ہو گی -

باریکیوں کو نہ سمجھ سکے - اور غلط استدلال کیا۔

مرزا صاحب ممدوح فرماتے ہیں، کہ ھا سے یہ استنباط کرنا کہ سب مال تقسیم کر دینے کا حکم ہے - درست نہیں، کیونکہ عربی زبان کے قواعد کے مطابق ھا سے بعضہا بھی مراد ہو سکتا ہے۔ اس فقرہ کو کہ "ہا سے بعضہا بھی مراد ہو سکتا ہے" قاعدہ کلیہ قرار دیکر آیت زیر بحث میں ہا سے مراد بعضہا لینا کوئی دلیل نہیں۔ مگر "ہا" سے یہ استنباط کرنا کہ سب مال تقسیم کر دینے کا حکم ہے - درست نہیں۔ تو آپ کے عربی قاعدہ کے مطابق یہ استنباط کرنا درست ہوگا، کہ مال "بعضہا" تقسیم کرنا چاہیئے - اور بعضہا گنز" یعنی جوڑنا چاہیئے - جو بقول آنجناب ایسا گندہ فعل ہے - جو مسلمان کر ہی نہیں سکتا۔" آنجناب کا فتویٰ ہی نتیجہ خیز ہے۔

شریروں کی جماعت

مرزا صاحب ممدوح تحریر فرماتے ہیں - کہ" اگر خواجہ صاحب کے نزدیک وہ اشرار جو حضرت عثمان کے وقت میں فتنہ پھیلانے کے موجب ہوئے تھے - صحابہ کا درجہ رکھتے تھے - تو پھر بیشک مجھ پر یہ الزام آسکتا ہے - لیکن اگر صحابی سے مراد وہ اشخاص ہیں، جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے - اور جنکو آپ نے مومنوں میں شمار کیا - تو پھر یہ ایک خطرناک بہتان ہے۔"

ہم تو پسند کرتے ہیں - کہ بحث اصول کے متعلق اصولی ہو - مگر غریب مزاج صحابی اور شریروں کی جماعت اور اسی قسم کے سوالات مرزا صاحب ممدوح خود ہی اٹھاتے ہیں - یہ طرز استدلال اگرچہ انکو کہا نہیں ہے - مگر کج بحثی ہی کے مناسب ہے۔ واقعہ قتل حضرت عثمانؓ کے متعلق عموماً مورخین نے بحث کرنے سے اجتناب کیا ہے - کیونکہ وہ اس امر کو مکروہ جانتے تھے - کہ صحابہ کے اعمال پر جس میں حضرت عثمان بھی شامل ہیں - بحث کریں۔ ہمارے مرزا صاحب ممدوح نے بوجہ ناواقفیت ان لوگوں کو شریروں کی جماعت سے تعبیر کیا ہے - جو فتنہ مذکور برپا کرنے کے موجب ہوئے۔

ہم اس ناگوار بحث کو طول دینا نہیں چاہتے - صرف یہ ظاہر کرینگے - کہ جماعت اشرار (نعوذ باللہ - نقل کفر کفر نباشد) صحابہ اور تابعین ہی تھے - اور آنجناب کی تعریف صحابہ و تابعین کے مطابق صحابہ اور تابعین تھے - اگر حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ جن کے نام ہم لکھیں گے - رسول کریم کے دیکھنے والے سچے متبعین ہیں تو وہ اس فتنہ میں شامل تھے - اور برپا کرنے والے تھے - اگر اس زمانہ کے دیگر اشخاص جن میں سے بعض کا نام ہم لکھیں گے - صحابہ کے سچے متبعین تھے - تو وہ بھی اس فتنہ میں شامل تھے - اور برپا کرنے والے تھے -

مرزا صاحب ممدوح ام التواریخ یعنی طبری پر حصر کرتے ہیں - اس لئے واقعات ہم اس تاریخ اور ابن اثیر اور ابن خلدون کے حوالہ سے لکھیں گے -

اگر وہ شخص جسکو عربی مورخین ابن السوداء اور عجمی عبداللہ بن سبا لکھتے ہیں ایک غریب مزاج صحابی کے ورغلانے میں کامیاب ہوتا - تو فتنہ مذکور قابل توجہ نہ تھا - لیکن جب تمام مملکت خلافت کے طول و عرض میں یہ فتنہ برپا ہو - مصر و کوفہ و بصرہ اور خاص مدینہ منورہ میں سازشوں کا جال پھیلا ہوا ہو - اور دارالخلافت میں ان لوگوں کا اجتماع ہو - اور خلیفہ کا مکان چالیس دن تک محاصرہ میں رہے - خلیفہ تک آب و نان نہ پہنچ سکے - خلیفہ دارالخلافت اور اپنے گھر میں قتل ہو - اور لاش تین روز تک بے گور و کفن پڑی رہے - اور اس واقعہ کے نتائج جنگ جمل اور صفین ہوں - اور حضرت علیؓ سے قاتلین عثمانؓ اور قصاص کا مطالبہ ہو - تو کم از کم وہ محققین جو دو اور دو کو چار بنانا چاہتے ہیں - سمجھ سکتے ہیں کہ ایک منافق یہودی کی شرارت کا اثر صحابہ اور تابعین کے دل و دماغ پر کیا ہو رہا تھا - اور ان لوگوں کی "غریب مزاجی" کس حد تک پہنچی ہوئی تھی -

مصر اور کوفہ اور بصرہ کی نسبت قیاس ہو سکتا ہے - کہ چونکہ یہ ممالک خلافت سے دور تھے - اور وہاں کچھ ایسے صحابہ اور تابعین بھی نہ ہوں گے - اس لئے ابن السوداء کو شرارت کا موقعہ مل سکتا ہے - اس لئے ہم مدینہ منورہ کی نسبت

طبری کی شہادت پیش کرتے ہیں۔ یہ وہ خط ہے۔ جو حضرت عثمان نے امیر معاویہ کو لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ فان اھل المدینۃ قد کفروا واخلفوا الطاعۃ ونکثوا البیعۃ۔ الاآخرہ

ترجمہ۔ رحمٰن و رحیم خدا کے نام پر شروع کرتا ہوں۔ کہ اہل مدینہ کافر ہو گئے ہیں۔ اور انہوں نے اطاعت سے منہ موڑ لیا۔ اور بیعت کو توڑ دیا۔

یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ اہل المدینہ وہ ہوں گے۔ جو صحابہ یا تابعین نہ تھے۔ طبری لکھتا ہے۔ کہ جب یہ خط امیر معاویہ کو ملا۔ تو

کرہ اظہار مخالفتہ اصحاب رسول اللہ

مگر جب امیر کے اشارہ پر یزید بن اسد بن کرز البجلی ثم القسنری والی اہل الشام امداد کے لئے آئے۔ تو وادی القریٰ میں پرچہ لگا۔ کہ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔ اس لئے واپس لوٹ گئے۔

محمد بن ابی بکر خلیفہ اوّلؓ

اگر یہ شخص صحابی ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ تو کم از کم تابعی تو ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت علیؓ کا سچا متبع تھا۔ اور واقعہ قتل عثمان کے بعد حضرت علی نے حضرت عثمان کے عامل عبداللہ بن ابی سرحؓ کو معزول کر کے محمد بن ابی بکر کو حکومت مصر تفویض فرمائی۔

محمد بن ابی بکرؓ حضرت عثمان کے گھر میں مع دیگر اشخاص کے بجبر و قہر داخل ہوا۔ اور آنحضرت کی ڈاڑھی پکڑ لی۔ حضرت عثمان نے فرمایا۔ کہ اگر اس وقت تیرا باپ ہوتا۔ تو اس داڑھی کی عزت کرتا۔ جواب دیا۔ کہ اگر وہ ہوتا۔ تو مجھ سے بڑھکر سلوک کرتا۔" فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ مجھے تیرے خلاف نصرت دے۔ اس پر محمد بن ابی بکر کھسیانہ ہو کر نکل آیا۔ اور دوسروں کو اپنا کام کرنے دیا۔

واقعات جو بعد میں ظہور میں آئے۔ اس کی تائید نہیں کرتے۔ کہ محمد بن ابی بکر اپنے کئے پر پشیمان تھا۔ جنگ جمل میں اپنی بہن ام المومنین عائشہ صدیقہ اور عشرہ مبشرہ میں سے طلحہؓ و زبیرؓ کے خلاف حضرت علی کے ہوا خواہوں میں تھا۔ اور مصر کا عامل مقرر ہوا۔ عمرو بن العاص نے جب امیر معاویہ کی طرف سے مصر پر حملہ کیا۔ تو محمد بن ابی بکر کام آیا۔ بعض مورخین لکھتے ہیں۔ کہ مردار گدھے کی پیٹ میں رکھکر جلا دیا گیا۔ بہر حال کام آیا۔ یہ واقعہ ۳۸ھ کا ہے۔

عبدالرحمن بن عدیس بلویؓ صحابی بیعت رضوان میں شریک تھے۔ مصری جماعت نے حضرت عثمان کی خدمت میں ۔ ۔ ۔ ۔ وفد شکایات پیش کرنے کے لئے بھیجا۔ جو اس صحابی کے ماتحت تھا۔ یہ ان چار آدمیوں میں سے ایک ہیں۔ جو پہلے حضرت عثمان کے گھر میں کودے۔ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔ لوگوں نے سر کاٹنا چاہا۔ آنحضرت کی زوجہ لاش کے اوپر لیٹ گئی۔ عبدالرحمن نے کہا۔ کہ جانے دو۔ کام تمام ہو چکا ہے۔ اس کے سر سے کیا غرض ہے۔" امیر معاویہ نے گرفتار کر کے شہر فلسطین میں قید کر دیا۔ مفرور سواروں میں سے ایک سوار نے حملہ کیا۔ تو کہا "کہ تیری خرابی ہو۔ میں اصحاب شجر میں سے ہوں۔ میرا خون کرنے سے اللہ سے ڈر۔" جواب دیا۔ کہ کوہ خلیل میں بہت شجر ہیں۔" کوہ خلیل میں ۳۶ھ میں قتل ہوئے۔ مصر کی تابعین کی ایک جماعت نے ان سے روایت کی ہے۔ منجملہ ان کے ابو الحصین ہیثم بن سفیان اور عبدالرحمن بن شماسہ اور ابو ثور فہمی ہیں۔

ابن السوداء ہم ان واقعات کو بلا حاشیہ معرا چھوڑتے ہیں۔ واقعات سے کوئی انکار نہیں کر سکتا۔ لیکن نتائج میں جو اخذ کئے جاتے ہیں اختلاف ہے۔ ہمیں ان سے بھی کچھ سروکار نہیں۔ دیکھنا یہ ہے۔ کہ صحابہؓ اور تابعینؒ کا تعلق واقعہ قتل حضرت عثمان اور جنگ جمل اور صفین و نہروان سے کس حد تک ہے۔ اصل موضوع کو مد نظر رکھتے ہوئے ہمارا منصب نہیں۔ کہ اس جماعت کے متعلق فیصلہ کریں۔ کہ اشرار تھے یا اخیار۔ مگر مرزا صاحب ممدوح کا اختیار ہے۔ کہ اس کو

جماعت اشرار سے تعبیر کریں۔ لیکن ایک شخص کو شرارت کا سرچشمہ قرار دیگر صحابہ اور تابعین کے اکثر حصہ کو بیوقوف بنانا محض حافظ کی غلطی نہیں ہوسکتی۔ ابن السوداء المعروف عبداللہ بن سبا کے حالات موافق و مخالف تحریروں میں واضح نہیں ہیں۔ لیکن اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ ہوا خواہان حضرت علیؓ سے تہا۔ اور اگر آنحضرت کی ہوا خواہی قابل مواخذہ ہے۔ تو عدی بن حاتم۔ محمد بن ابی بکر جاریہ بن قدامہ اور دیگر صحابہ اور تابعین کس طرح بری ہوسکتے ہیں۔

رجعت

رہا یہ امر کہ وہ رجعت کا قائل تھا۔ کیا مرزا صاحب ممدوح رجعت کے قائل نہیں ہیں؟ کیا یہ مسیحؑ اور محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی آمد ثانی کو تسلیم نہیں کرتے؟ احادیث اسی مسئلہ "رجعت" کا اعلان کررہی ہیں۔ اگر مسیحؑ دوبارہ دنیا میں بروزی رنگ میں آسکتے ہیں۔ تو آں حضرت کیلئے کیا ممانعت ہے؟ کیا یہ رجعت نہیں؟ جو آں جناب کے آقا و رہنما کی ذات میں جلوہ افروز ہے؟ مسیح ابن مریم کی آمد ثانی کا انتظار تو دو ہزار برس سے ہورہا ہے۔ آمد ثانی کے آنجناب بھی معتقد ہیں۔ یہ اور بات ہے۔ کہ بروزی رنگ میں ہیں۔ دنیا میں ایسے خوش اعتقادوں کی کمی نہیں۔ اور کسی فرقہ میں کمی نہیں۔ جو اوتاروں اور انبیاء و رسل اور ولیوں کی رجعت کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم نہیں کرتے۔ اصولاً سب ایک ہی تھیلی کے بٹے ہیں۔ ایسا ہی عبداللہ بن سبا ایک تھا۔ یہود و نصاریٰ رجعت کے قائل ہیں۔ ہندو رجعت کے قائل ہیں۔ اور اب مسلمان انہی کی سی باتیں بناتے ہیں۔ کتاب اللہ میں اس کی کوئی سند نہیں۔ "تلک امانیهم"

عبداللہ بن سبا وفات مسیح کا قائل تھا۔ اور ہمارے مرزا صاحب ممدوح کو چاہئے۔ کہ کم از کم اس عقیدہ میں اس کی تعریف کریں۔

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

کہا کرتا۔ کہ مسلمان اتنا نہیں سمجھتے۔ کہ رسول کریم کو مسیح ابن مریم پر فضیلت ہے۔ آنحضرت کو مدینہ میں زیر زمین مدفون اور مسیح کو چہارم آسمان پر زندہ سمجھتے ہیں

؎ یہ سب شہادت عثمانؓ میں سرغنہ تھے

مسیح دوبارہ دنیا میں نہیں آئیں گے۔ بلکہ آنحضرت تشریف لائیں گے۔ اور آیت

ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد۔ ۲۰-۱۲

ترجمہ۔ جس نے تجھ پر قرآن نازل فرمایا۔ وہی تجھ کو پہلے ٹھکانہ پر لوٹا لائیگا۔

سے استدلال کرتا تھا۔ ؎

عقل ہر چند جز فضائل نیست
جہل ہم خالی از دلائل نیست

ہمارے نزدیک مرکر دوبارہ دنیا میں آنا یا بروزی رنگ میں آنا دونو بلحاظ نتائج یکساں رجعت ہیں۔ اور مرزا صاحب ممدوح بھی انہی اصول کے ماتحت ان میں فرق کر سکتے ہیں۔ جن کے ماتحت آیات متشابہات کا فیصلہ کر لیا کرتے ہیں اور کر سکتے ہیں۔

مومنین کون ہیں؟ مرزا صاحب ممدوح "صحابی" کی یہ تعریف کرتے ہیں۔ کہ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ اور جن کو آنحضرت نے مومنوں میں شامل کیا۔" عتبان بن مالک صحابی بدری سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ مع صدیق اکبرؓ بوقت چاشت ان کے گھر میں انہی کی استدعا کے مطابق تشریف لائے۔ محلہ کے چند آدمی وہاں جمع ہوگئے۔ آنحضرت نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ اور سب نے آنحضرت کے پیچھے دو رکعتیں نماز پڑھی۔ کسی نے کہا کہ مالک بن دخش کہاں ہے؟ آنحضرت کی تشریف آوری پر کس لئے حاضر نہیں ہوا کسی نے کہا۔ کہ وہ منافق ہے۔ آنحضرت نے فرمایا۔

لا تقل ذالک الا تراہ قد قال لا الہ الا اللہ یرید بذلک وجہ اللہ

ترجمہ۔ تو اس کی ذات سے یہ منسوب نہ کر۔ اس نے کہا ہے۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اسی کی بدولت وہ اللہ کے دیدار کا خواہاں ہے۔

اس شخص نے عرض کی۔ کہ بلاشبہ اس کی توجہ اور خیر خواہی منافقوں کے ساتھ

زیادہ دیکھنے میں آئی ہے ۔ فرمایا ۔ کہ

فان اللہ عزوجل قد حرم علی النار من قال لا الہ الا اللہ یبتغی بذلک وجہ اللہ ۔

ترجمہ ۔ تحقیق اللہ تعالیٰ عزوجل نے اس شخص پر دوزخ کی آگ حرام کردی جس نے کہہ دیا ۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے ۔ اور اسی کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے ۔

اس زمانہ میں جبکہ ایک فریق حضرت علی سے خون عثمان کا مطالبہ کر رہا تھا ۔ جس کا نتیجہ جنگ جمل وصفین ہوا ۔ مسلمانوں کی ایک جماعت خاموش رہی ۔ اگرچہ فریقین انہیں اپنی اپنی امداد کیلئے بلا رہے تھے ۔ لیکن انہوں نے کسی کا ساتھ نہ دیا ۔ ان میں سے اسامہ بن زید بن ثابتؓ ایک تھے ۔ اون سے روایت ہے ۔ کہ حضرت علیؓ ان کے پاس آئے ۔ اور اپنے ساتھ ملانا چاہا ۔ جواب دیا ۔ کہ میں نے ایک دفعہ میدان جنگ میں ایک کافر کو گرا لیا ۔ اس نے کہا ۔ کہ

اشھد ان لا الہ الا اللہ

ترجمہ ۔ میں شہادت دیتا ہوں ۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ۔

مگر میں نے اس کو قتل کر دیا ۔ اور یہ واقعہ رسولؐ اللہ کے سامنے بیان کیا ۔ آں حضرت نے فرمایا ۔ کہ اے اسامہ ! بروز قیامت لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دوگے میں نے عرض کی ۔ کہ یا رسولؐ اللہ ۔ اس نے صرف جان بچانے کے لئے لا الہ الا اللہ کہہ دیا تھا ۔ فرمایا ۔ " اے اسامہ لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دوگے " ۔ حضرت اسامہ فرماتے ہیں ۔ کہ قسم ہے ۔ اس ذات کی جس نے آنحضرت کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اس واقعہ نے آنحضرت کے دل پر ایسا اثر کیا ۔ کہ آنحضرت بار بار یہی فرماتے تھے کہ اے اسامہ لا الہ الا اللہ کا کیا جواب دوگے ؟ اور میری حالت یہ تھی ۔ کہ دل ہی دل میں کہتا تھا ۔ کاش میرا گذشتہ اسلام کالعدم ہو جاتا ۔ اور میں آج مسلمان ہوا ہوتا ۔ اس کے بعد میں نے عرض کی ۔ کہ " میں عہد کرتا ہوں ۔ کہ آئندہ ایسے

شخص کو جو لا الٰہ الا اللہ کہتا ہو۔ قتل نہ کروں گا۔"

اب مرزا صاحب ممدوح فیصلہ کر سکتے ہیں، کہ واقعہ قتل عثمان اور جنگ جمل وصفین اور نہروان میں کون لوگ شامل تھے۔

مسلمانوں میں تفرقہ کی وجہ

مرزا صاحب ممدوح نے واقعات محولہ بالا سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے۔ کہ اسلام میں تفرقہ کی ایک وجہ حسد مال تھی۔ اور طبری کا قول سنداً پیش کیا ہے۔

ہم نے لکھا تھا۔ کہ جو قوم روپیہ پیسہ کی محبت میں مبتلا ہوئی۔ اس کی تباہی ایک ناگزیر امر ہے۔ تاریخ کا یہ فتویٰ عام ہے۔ آیت زیر بحث

والذین یکنزون الذھب والفضۃ الآیہ ترجمہ۔ جو لوگ چاندی اور سونا جمع کرتے ہیں۔

میں اسی حقیقت کو واضح بیان کیا گیا ہے۔ اسلام میں تفرقہ اور نفاق بقول مرزا صاحب ممدوح حسد مال نہ تھا۔ بلکہ محبت مال تھی۔ فی الحقیقت حسد مال اس محبت مال کا نتیجہ تھی۔ وجہ بیّن نہیں ہو سکتی۔

مرزا صاحب ممدوح کا یہ خیال کہ "فتنہ" جو عہد خلافت حضرت عثمانؓ میں برپا ہوا۔ حسد مال کی وجہ سے تھا۔ صحیح نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ

انما اموالکم واولادکم فتنۃ ط واللہ عندہٗ اجر عظیم۔ فاتقوا اللہ ما استطعتم واسمعوا واطیعوا وانفقوا خیرا لانفسکم ومن یوق شح نفسہ فاولٰئک ھم المفلحون (۲۸-۱۶)

ترجمہ۔ تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہے۔ اور اللہ کے نزدیک اجر عظیم ہے۔ پس جہانتک ہو سکے۔ اللہ سے ڈرو۔ اور سنو۔ اور اطاعت کرو۔ اور خرچ کرو۔ اپنے بھلے کے لئے۔ اور جس کو اپنے نفس کے لالچ سے بچا دیا۔ پس وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

فتنہ کا موجب اموال کی "محبت" ہوا کرتی ہے۔ نہ کہ "حسد"۔ کیونکہ محبت اولاد

سے ہوتی ہے۔ حسد نہیں ہوتا۔ اموال و اولاد کی محبت انسان کو اس امر پر اکساتی ہے۔ کہ اس کو کنز کرے۔ اور سینہ سے لگا کر رکھے۔ اور فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے روکے۔

اب ہم چند واقعات کا حوالہ دیتے ہیں۔ جس سے واضح ہو جائے گا۔ کہ یہ فتنہ اموال کی محبت کے باعث برپا ہوا۔ حضرت ابی مسعود انصاری سے روایت ہے کہ جب آیۃ الصدقہ

خذ من اموالھم صدقہ — ترجمہ۔ اپنے مال سے صدقہ کر۔

نازل ہوئی۔ تو اس وقت ہم مزدوری کیلئے اپنے کندھوں پر بوجھ اٹھاتے تھے۔ تاکہ کما کر صدقہ کیا کریں۔ اور آج بعض اصحاب کے پاس لاکھ لاکھ درہم ہے۔ پھر بھی خیرات نہیں۔ الحق "انما اموالکم واولادکم فتنۃ"

(فیض الباری)

حضرت ابی مسعود فرماتے ہیں۔ کہ عبد الرحمٰن بن عوف (عشرہ مبشرہ سے ایک ہیں) نے بہت مال صدقہ کیا۔ منافقوں نے طعن کیا۔ کہ لوگوں کے دکھانے کے لئے صدقہ کیا۔ ایک مرد نے ایک صاع صدقہ کیا۔ تو منافقوں نے کہا۔ کہ خدا کو اس کے صاع کی کچھ حاجت نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

الذین یلمزون المطوعین من المؤمنین فی الصدقٰت والذین لا یجدون الا جھدھم فیسخرون منھم سخر اللہ منھم، ولھم عذاب الیم (۱۰-۱۶)

ترجمہ۔ جو لوگ خیرات کرنے والے مومنوں پر دل کھول کر عیب لگاتے ہیں اور ان لوگوں سے تمسخر کرتے ہیں۔ جو اپنی محنت سے حاصل کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے تمسخر کیا۔ اور ان کیلئے عذاب الیم ہے۔

حضرت عبد الرحمٰن بن عوف صحابہ میں مالدار تھے۔ اور بہت خیرات کیا کرتے۔ بایں ہمہ ایک روز سر بازار ایک صحابی کے ساتھ غزوہ بدر کا تذکرہ کرتے ہوئے

حضرت عمیرؓ کی نسبت کہا۔ کہ ان کے کفن کے لئے اتنا کپڑا موجود نہ تہا۔ کہ تمام جسم کیلئے کافی ہوتا۔ اگر سر ڈہانپتے۔ تو پاؤں ننگے رہتے۔ اور اگر پاؤں ڈہانکتے۔ تو سر ننگا رہتا۔ اس لئے حسب الارشاد آنحضرت پاؤں پر گہاس ڈالدی" یہ کہکر حضرت عبدالرحمٰن اتنا روئے۔ کہ پیالہ جو ہاتھ میں تہا۔ گر پڑا۔ اور فرمایا۔ کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اجر تو انہی لوگوں کے لئے ہے۔ ہمارے گھر دنیا سے بھر گئے۔ مجھے ڈر ہے۔ کہ ہمیں اجر دنیا ہی میں نہ مل گیا ہو۔ اور آخرت میں محروم رہیں۔

حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے۔ کہ آں حضرت نے احد پہاڑ کو دیکھکر فرمایا۔ کہ میں نہیں چاہتا۔ کہ پہاڑ احد میرے واسطے بدل کر سونا ہو جائے۔ اور اس میں سے کوئی دینار میرے پاس تین دن سے زیادہ رہے۔ مگر ایک دینار کہ میں اس کو ادائے قرض کے لئے محفوظ رکھوں۔ جو بہت مالدار ہیں۔ وہی روز قیامت ثواب سے مفلس ہیں۔

حریت ومساوات	ان اللہ یامر بالعدل والاحسان	ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ عدل واحسان اور قرابت والوں کو دینے کا حکم فرماتا ہے

وایتائ ذی القربیٰ

عدل وقسط واحسان کی اصطلاحات کی تفسیر قرآن حکیم میں آیات بینات سے کی گئی ہے۔ حریت ومساوات کی تعریف ان آیات میں جامع ومانع کی گئی ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ مگر مناسب مقام پر ضرورتاً مزید بحث بھی کرینگے مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہم مرزا صاحب ممدوح کی ان خدمات کا بھی کچھ ذکر کریں جو گورنمنٹ برطانیہ کیلئے کر رہے ہیں۔ غالباً مرزا صاحب ممدوح کو یہ معلوم نہیں۔ کہ ہم جب کبھی موقعہ ملا ہے۔ ان کی جماعت کے جذبہ وفاداری کو انگریزی حکام کے نوٹس میں لاتے رہے ہیں۔ ہم احسان نہیں جتاتے۔ بلکہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہمارا فرض تھا۔ جو ہم ادا کر رہے ہیں۔ اور ان کی جماعت کے بعض افراد سے اقربا کی طرح سلوک کرتے رہے ہیں۔ اور کسی غیریت کے خیال کو کبھی دل میں جگہ نہیں دی۔ ہم سمجھتے ہیں

کہ ہر ایک مسلمان کا یہ فرض ہے۔ کہ ایسا ہی کرے۔ مرزا صاحب ممدوح نے یہ مضمون گورنمنٹ برطانیہ کی حمایت میں لکھا۔ اور ہمیں اعتراف ہے۔ کہ آنجناب اور آنجناب کی جماعت بہت بڑی حامی گورنمنٹ برطانیہ کی ہے۔ وہ لوگ جو آنجناب کو اس حمایت پر ملامت کرتے ہیں غلطی پر ہیں۔

ہر کسے مصلحت خویش نکو میداند

مگر اپنا اپنا خیال مختلف ہوتا ہے۔ غالباً وہ لوگ اپنے نقطہ خیال سے راستی پر ہوں بہر حال ہمیں اس سے بحث نہیں۔ ہم نے جہاں تک حریت و مساوات کا تعلق اسلام سے تھا۔ کافی بحث کی ہے۔ آخر میں ہم مرزا صاحب ممدوح کو ایک نیک مشورہ دیتے ہیں۔ کہ ہماری رائے میں یہ مناسب نہیں۔ کہ وفاداری بے جا خوشامد کی حد تک پہنچ جائے۔ ہم دیکھتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ اپنی غلطیوں اور غلط کاری کا اعتراف کرتی ہے۔ اور اصلاح کی خواہاں ہے۔ اس لئے جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں۔ کہ گریجوایٹ صاحب جو آپ کے پہلے مضمون کے مخاطب ہیں۔ آپ کو اپنی غلطی کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اور ہم مناسب سمجھتے ہیں۔ کہ جو کچھ ہم کہ چکے ہیں۔ اس کی مزید تشریح ایک دو مثالوں سے واضح کر دیں۔ اور یہ بھی واضح کر دیں۔ کہ حریت و مساوات کا کیا مفہوم ہے۔ مگر ہماری بحث بہ تعلق اسلام ہے۔

۱۔ شراب نوشی بروئے اسلام ممنوع ہے۔ گورنمنٹ مسلمان نہیں۔ لیکن تمام مہذب دنیا شراب خانہ خراب کو برا ہی کہتی ہے۔ گورنمنٹ نے شراب نوشی کو جرم قرار نہیں دیا۔ لیکن شراب کو کشید کرنا جرم قرار دیا ہے۔ اور خود شراب کشید کرتی ہے۔ مدعا یہ ہے۔ کہ لوگ شراب پئیں۔ جو جرم نہیں۔ اور گورنمنٹ سے خرید کریں۔ تاکہ گورنمنٹ کو منافع کثیر ہو۔ اس غرض کے لئے محکمہ آبکاری قائم کیا گیا ہے۔

حریت و مساوات کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جو فعل ایک شخص سے سرزد ہو۔ جرم ہے۔ تو وہی فعل دوسرے کے لئے بھی جرم ہے۔ اگر شراب کشید کرنا جرم ہے۔ تو راعی اور رعایا دونو کے لئے یکساں جرم ہونا چاہئے۔ گریجوایٹ صاحب کا یہ مدعا ہے۔ کہ

کیا آنجناب کی خلافت کا یہ منشاء نہیں - کہ گورنمنٹ کو راہ راست پر لانے کی کوشش فرمائیں - یہ ایک مثال ہے - اور ایسی مثالیں بہت ہیں۔

۲- کل حکماء کا اس پر اتفاق ہے - کہ

ہر کسے را بہر کارے ساختند

دنیا میں اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو عبث پیدا نہیں کیا - اگر ہر ایک شخص اس کام میں لگ جائے - جو اس کی طبیعت کے مناسب ہے - تو وہ اس کام کو ترقی دیگا - اور خود بھی ترقی کرے گا - علم النفس کا یہ مسئلہ ہے - کہ جو کام کسی شخص کی طبیعت یا مذاق کے موافق ہوتا ہے - وہ شخص اس کام کو ذوق وشوق سے کرتا ہے - اور اس میں اتنی تکلیف محسوس نہیں کرتا - جتنی وہ شخص جس کے مذاق کے مناسب یہ کام نہیں - ہم نے اپنے مضمون میں "اہل" کا مفہوم واضح کیا ہے - کہ ہر ایک کام اس کام کے اہل کو کرنا چاہیئے - نتیجہ یہ ہوتا ہے - کہ اس کام میں ترقی ہوتی ہے - کیا مرزا صاحب ممدوح بتائینگے - کہ نالائق ہندوستانیوں کی ترقی میں کیا امر مانع ہے ؟ - اگر یہ صحیح ہے - کہ

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ترجمہ - ہم نے انسان کو اچھے اندازہ پر پیدا کیا -

اگر عدل واحسان "دائمی قانون واجب العمل ہے - تو اس کا کیا تقاضا ہے ؟

یہ صحیح ہے - کہ جو شخص کسی کام کا اہل نہ ہو - مگر اس کے فائدہ کا مستحق ہو - تو اس کے فائدہ کے لئے نہ کہ نقصان کے لئے دوسرا شخص جو اہل ہو - اس کا سرپرست ہونا چاہیئے - یورپ کا دیگر ممالک پر قبضہ اس عذر پر کہ "ان لوگوں کا ہمارے ماتحت رہنا ان کے لئے مفید ہے" آپ ہی انصاف سے فرمائیں - کہ حسب ذیل آیات کے مطابق ہے ؟

یسئلونک عن الیتمیٰ - قل اصلاح لھم خیرا - وان تخالطوھم فاخوانکم واللہ ترجمہ - تم سے یتیموں کی نسبت سوال کرتے ہیں - کہدے - کہ ان کی اصلاح نیکی ہے -

يعلمون المفسد من المصلح -

اور اگر تم ان سے ملو - تو وہ تمہارے بھائی ہیں - اور اللہ مفسد و مصلح کو جانتا ہے -

واتوا اليتمىٰ اموالهم ولا تتبدلوا الخبيث بالطيب ولا تاكلوا اموالهم الى اموالكم انه كان حوبا كبيرا -

ترجمہ - یتیموں کو ان کا مال دو - اور ستھرے سے گندہ نہ بدل دو - اور ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ نہ کھاؤ - کیونکہ یہ بڑا بھاری وبال ہے -

وابتلوا اليتمىٰ حتىٰ اذا بلغوا النكاح فان انستم منهم رشدا - فادفعوا اليهم اموالهم ولا تاكلوها اسرافا وبدارا ان يكبروا - ومن كان غنيا فليستعفف ومن كان فقيرا فلياكل بالمعروف

(۴-۱۲)

ترجمہ - یتیموں کی یہاں تک اصلاح کرو کہ وہ شادی کی عمر تک پہنچ جائیں - پھر اگر تم ان میں ہوشیاری دیکھو - تو ان کے مال ان کے حوالہ کر دو - اور انہیں فضول خرچی اور عجلت میں نہ کھا جاؤ - جو شخص صاحب توفیق ہو - وہ اسے محفوظ رکھے - اور جو غریب ہو - وہ دستور کے موافق کھاوے -

ان آیات میں جس دستور العمل کی تشریح کی گئی ہے - کیا یورپ اس پر کاربند ہے ؟

ہم غیر متعلق امور پر بحث کرنا نہیں چاہتے تھے - مگر مرزا صاحب ممدوح نے ایسے سوالات پیش کئے ہیں - کہ ہمیں جواب دینا پڑا - اہل علم و تحقیق ہمیں معاف فرمائیں گے - مگر امید ہے - کہ جو کچھ ہم نے مرزا صاحب ممدوح کے سوالات کے جواب میں کہا ہے - مفید پائیں گے " رب زدنی علما "

خواجہ عباد اللہ صاحب اختر کے مضمون کا جواب

خواجہ عباد اللہ صاحب اختر اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے درمیان "اسلام اور حریت و مساوات" کے مسئلہ پر جو بحث چلی تھی۔ اس کو چونکہ خواجہ صاحب نے متنبہ کرنے کے باوجود اصولی رنگ میں نہ رہنے دیا۔ اور دوسری باتوں میں الجھ گئے۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح نے ان کو مخاطب کرنا چھوڑ دیا۔ اس سے ممکن ہے۔ خواجہ صاحب نے خیال کیا ہو۔ کہ ان کے مضمون کا جواب ہی نہیں دیا جاسکتا۔ ہم انہیں مطلع کرتے ہیں۔ کہ ان کے جواب میں ایک مفصل مضمون ہمارے پاس پہنچ چکا ہے۔ جو انشاء اللہ عنقریب شایع ہونا شروع ہو جائے گا۔ اب وہ جس طرح چاہیں۔ اور جو کچھ چاہیں۔ دل کھول کر لکھیں۔ ضرورت سمجھی گئی۔ تو ترکی بہ ترکی نوٹس لیا جائیگا۔ (ایڈیٹر الفضل)

اسلام اور حریت و مساوات

از قلم جناب جلال الدین صاحب مولوی فاضل شمس قادیان

اخبار الفضل مطبوعہ ۳۰ دسمبر ۱۹۲۰ء اور ۲۴ مارچ ۱۹۲۱ء میں مذکورہ بالا عنوان سے ایک مضمون حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طرف سے بجواب مضمون خواجہ عباد اللہ صاحب اختر بی۔ اے۔ مندرجہ وکیل امرتسر شائع ہوا تھا۔

وجہ اشاعت یہ بحث یوں چھڑی۔ کہ ایک گریجوایٹ نے مری سے حضرت خلیفۃ المسیح کے نام چند سوالات بغرض جواب بھیجے۔ جن کا جواب ۱۱۔ نومبر ۲۰ء کے "الفضل" میں شایع ہوا۔ ان سوالات میں سے ایک یہ بھی تھا۔ کہ "حریت اور مساوات اسلام کے اصولوں میں سے ہے۔ یا نہیں"۔ جس کے جواب میں حضور نے لکھا۔ کہ:۔

"حریت اور مساوات اسلام کے بنیادی اصول میں سے نہیں ہیں۔ خود یہ

الفاظ ایسے مبہم ہیں۔ کہ اپنی بعض تعریفوں کے لحاظ سے اچھے اخلاق بھی نہیں کہلا سکتے۔ اس لئے حریت و مساوات کی جب تک تعریف نہ کی جائے۔ اس وقت تک نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اسلام انہیں جائز بھی قرار دیتا ہے۔ یا نہیں؟ مجھے نہیں معلوم کہ آپ کے ذہن میں ان کی کیا تعریف ہے؟ ہو سکتا ہے۔ کہ کسی تعریف کے ماتحت ان دونو امور (حریت و مساوات) کا خیال رکھنا ایک مسلم کے لئے ضروری ہو اور ہو سکتا ہے۔ کہ ایک دوسری تعریف کے مطابق صرف جائز ہو۔ اور ہو سکتا ہے۔ کہ ایک تیسری تعریف کے مطابق ناجائز ہو"

اس جواب کے شائع ہونے پر اصل سائل صاحب تو نہ بولے۔ مگر خواجہ صاحب یہ خیال کر کے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی اسلام میں حریت و مساوات کو کلی ممنوع قرار دیتے ہیں۔ جواب دینے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور بجائے اس کے کہ آپ اصل[1] بات کا جواب دیتے۔ جس کا سائل سے مطالبہ کیا گیا تھا۔ ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ اور اخبار وکیل میں "اسلام میں حریت و مساوات" کے عنوان سے مضمون لکھنا شروع کیا۔ جس کا جواب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے الفضل ۲۰ دسمبر ۲۰ء میں صرف اس غرض سے لکھا۔ کہ "حریت و مساوات کا مسئلہ آج کل لوگوں کے زیر نظر ہے۔" اور خواجہ صاحب کو اصل بحث کی طرف توجہ دلائی۔ اور ان کی غلطیوں پر متنبہ کیا۔ اس پر بھی وہ نہ سمجھے۔ اور نہ اپنی اصلاح کی۔ بلکہ اس مضمون کے جواب میں نہایت ژولیدہ[2] بیانی سے کام لیا۔ اور مختلف پیرایوں میں گالیاں[3] دیکر اپنا غصہ نکالنا چاہا۔ اور جھوٹے الزامات لگا کر لوگوں کو آپ کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی۔ اور اصل بحث کو پھر بھی نہ چھوا۔ پھر اس کا جواب حضور نے اس غرض سے دیا۔ جو الفضل ۲۰ مارچ میں یوں بتائی گئی ہے۔ کہ

"گو بعض دوستوں نے ان کی اس تعلی اور خلط مبحث کی عادت اور سخت کلامی کو دیکھکر مجھے مشورہ دیا ہے۔ کہ جب کہ وہ اصل مضمون کی

---

[1] عاقلاں خود مے دانند۔ مرزا صاحب محمد صرح اصول اسلام کو ارکان اسلام کے ہم معنی بتاتے ہیں نئی لغت تصنیف فرمائیں [2] کم از کم ہم نے ایسا کوئی لفظ استعمال نہیں کیا [3] ہذا بہتان عظیم

طرف نہیں آتے۔ اور خواہ مخواہ منگھڑت باتوں کا جواب دینے کی طرف مشغول ہو جاتے ہیں۔ تو مجھے ان کا جواب لکھنے کی ضرورت نہیں، ہماری جماعت کے اور کسی دوست کو ان کے مضامین کے جواب دینے پر مقرر کر دیا جائے۔ لیکن چونکہ ممکن ہے، کہ خواجہ صاحب جان بوجھ کر اس راستہ پر نہیں چل رہے۔ بلکہ وہ اپنے نفس کے دہوکے میں آئے ہوئے ہیں اس لئے ایک دفعہ پھر ان کو راستی کی دعوت دیتا ہوں۔ اور امید ہے کہ اب وہ اس بے اصولے پن سے رکنے کی کوشش کریں گے۔ اگر اب بھی انہوں نے بجائے اصل مطلب کی طرف آنے کے اس طرح بے سرو پا باتوں کی طرف توجہ کی۔ تو ان کا جواب دینے کیلئے اور بہت سے احباب موجود ہیں، جو اپنے اوقات میں سے کچھ ان کی خاطر بچا سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان سے علم اور سمجھ میں ہر طرح بالا ہیں۔"

پس حضور نے خواجہ اختر صاحب کی اصلاح کے خیال سے الزامات کا جواب دیا پھر نصیحت کی اور بار بار سمجھایا۔ کہ

"اگر فی الواقعہ ان کو احقاق حق کا شوق ہے۔ تو نفس مضمون کیطرف توجہ کریں۔ اور ایک دفعہ سائل کے سوالات اور میرے جوابات کو پھر غور سے پڑہیں۔ اور پھر اگر کوئی امر دریافت طلب ان کو نظر آوے تو مجھ سے دریافت کریں۔"

چاہیئے تھا۔ کہ وہ اپنی اصلاح کرتے۔ اور اصل بات کا ہی جواب دیتے۔ لیکن انہوں نے اپنا پہلا رویہ نہ بدلا۔ اور اخبار وکیل ۲۸۔ اپریل لغایت ۱۲ مئی تک لاطائل خامہ فرسائی کی۔ درشت کلامی سے باز نہ آئے۔ پہلے کی طرح تعلیات میں اور الزام لگانے سے نہ رکے۔ ان کی درشت کلامی اور مہذب لوگوں کے نزدیک ناپسندیدہ رویہ کا جواب۔ اپنی الفاظ میں دیتا ہوں۔ جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے دیا ہے۔

لے جو شخص اصُول کے معنی ارکان سمجھتا ہو۔ وہ اگر ایسے الفاظ استعمال کرے۔ تو تعجب نہیں ۔ ۲ے دریافت کی ایک ہی کہی ۔ حضور نے تو کبھی ایک بات کا ہی جواب نہ دیا۔ زور قلم الزامات پر ہی صرف کر دیا۔

"خواجہ صاحب کی عبارتوں پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ جو شخص جس رنگ میں پرورش پاتا ہے۔ اسی قسم کی باتیں اس کی زبان وقلم پر جاری ہوتی ہیں" ؎۱

بہرحال اب میں اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں:۔

بعض باتوں کے غلط منسوب کرنیکا الزام

خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔کہ
"ہم نے یہ تو نہیں لکھا۔کہ رسول کریم کے تمام اقوال وقتی حالات کے ماتحت تھے"

پھر لکھا ہے۔کہ:۔

"ہم نے اپنے مضمون مندرجہ عنوان میں لکھا تھا۔کہ بے شبہ قرآن مجید کے بعد احادیث کا درجہ ہے۔کوئی محقق اس سے یہ نتیجہ نہیں اخذ کر سکتا۔کہ ہم احادیث کے منکر ہیں۔مگر مرزا صاحب ممدوح اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں"

معلوم نہیں۔خواجہ صاحب اپنی لکھی ہوئی بات سے کیوں انکار کر رہے ہیں۔ اس انکار کی دو ہی صورتیں ہیں۔یا تو وہ باوجود جاننے کے اس پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔یا ان کو یاد نہیں رہتا۔اور بھول جاتے ہیں۔کہ میں پہلے کیا لکھ چکا ہوں۔ دونو صورتوں میں سے کوئی صورت ہو۔ایک گریجوایٹ کے مناسب حال نہیں ہے۔اس کی ان کو اصلاح کرنی چاہئے۔بہرحال آپ اخبار وکیل مورخہ ۱۰ جنوری صفحہ ۱ کالم ۳ میں تحریر فرما چکے ہیں۔

"بے شبہ قرآن کے بعد احادیث کا درجہ ہے۔لیکن محققین کا اس پر اتفاق ہے۔کہ احادیث اگر موضوع نہیں ہیں۔تو رسول کریم اور صحابہ کے اقوال یا آنحضرت اور صحابہ کے اعمال کا تذکرہ ہے۔اور خاص خاص حالات وواقعات وخصوصیات وقت کے مناسب ہیں"

اس عبارت سے ظاہر ہے۔کہ خواجہ صاحب کے نزدیک اول تو احادیث موضوع ہیں

؎۱ تم ہی کہو یہ انداز گفتگو کیا ہے۔

اور اگر موضوع نہ بھی ہوں۔ تو بھی خاص خاص حالات و واقعات وخصوصیات وقت کے مناسب ہیں۔ اس جگہ آپ نے کون سی احادیث کا استثناء کیا ہے۔ کہ وہ خاص حالات کے ماتحت نہیں۔ پھر کس جرأت اور جسارت سے کہدیا۔

"کہ ہم نے یہ تو نہیں لکھا۔ کہ رسول کریم کے تمام اقوال وقتی حالات کے ماتحت تھے"

پھر لکھنے کو تو لکھ دیا۔ کہ "بے شبہ قرآن مجید کے بعد احادیث کا درجہ ہے" حالانکہ آپ کی عبارات[1] اس بات کی بھی متحمل نہیں ہیں۔ کہ آپ احادیث کو کوئی درجہ دیں۔ جیسے کہ آپ وکیل ۱۰ جنوری صفحہ ا کالم ۲ و ۳ میں لکھتے ہیں۔

(۱) یہ لوگ قول فیصل یعنی قرآن کے بعد کس حدیث پر ایمان لائیں گے؟

۲۔ تحقیق تو یہی ہے۔ کہ قرآن شریف "قول فیصل" ہے۔ جس میں ہر ایک شئی کی تفصیل ہے۔ اس کی موجودگی میں افغیر اللہ ابتغی حکما "الخ کتاب اللہ کے سوا کسی اور فیصلہ کرنے والے کی تلاش جرم ہے"

اتنی عبارت سے تو یہ گنجائش نکل سکتی تھی۔ کہ رسول تو غیر اللہ نہیں ہوتا۔ اور اطاعت رسول خدا کی اطاعت ہوتی ہے۔ جیسے آیت

ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ ترجمہ۔ اور جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

سے ظاہر ہے۔ اور یہ بھی وجہ ہے۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی خدا تعالیٰ نے حکم قرآن دیا ہے۔ جیسے یہ حتی یحکموک فیما شجر بینھم" اور فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول سے ظاہر ہے۔ لیکن آپ نے آگے چل کر اس بات کا بھی فیصلہ کر دیا۔ کہ قرآن مجید کے سوا کسی کی بات کو تسلیم نہیں کرنا چاہئے۔ خواہ وہ رسول ہی کی کیوں نہ ہو۔ جیسے کالم ۳ میں لکھا ہے[2]

"کتاب اللہ کے فیصلہ کے سوا کسی شخصیت کا فیصلہ خواہ اس کا دعویٰ رسالت اور نبوت ہی کیوں نہ ہو۔ ہم ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

[1] یہ ہماری عبارت نہیں۔ قرآن شریف کی آیات ہیں [2] سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

ایسی شخصیت ادبابًا من دون اللہ کی ذیل میں آتی ہے - اون کی اطاعت ان کی پرستش ہے۔"

اس عبارت کو پڑھ کر ہر ایک عقلمند سمجھ سکتا ہے - کہ آپ کے نزدیک حدیث (جو آنحضرت صلعم کے قول وفعل وتقریر کا نام ہے) کوئی چیز نہیں ہے - اور قرآن مجید کے علاوہ کسی کی اطاعت کی ضرورت نہیں - اور آپ کی عبارت سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے - کہ رسول کا قرآن مجید کے علاوہ کوئی حکم نہ مانا جائے اور نہ کسی صحابی کا قول اور نہ تابعی کا - نہ کسی بادشاہ کی اطاعت کی جائے اور ایسی تعلیم صریح طور پر بغاوت کی حامی ہے - اور بغاوت پھیلانے کا موجب ہے - جیساکہ میں آگے چل کر بتاؤں گا - جب آپ قرآن مجید کے سوا کسی کی بات اور کسی کا فیصلہ اور حکم ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں - اور حدیث وغیرہ کی ضرورت بھی محسوس نہیں کرتے - تو پھر یہ قول "احادیث کا بے شبہ قرآن مجید کے بعد کا درجہ ہے" کیونکر صحیح ہو سکتا ہے - آپ کا ایک قول دوسرے قول کی تردید کر رہا ہے - اور آپ کی عبارات اس بات کو صاف طور پر واضح کر رہی ہیں - کہ آپ احادیث کے منکر ہیں - اور ان کو موضوع نہیں - تو وقتی حالات کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں - پھر باوجود اس کے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی پر الزام لگاتے ہیں - کہ انہوں نے خواہ مخواہ ہماری نسبت یہ لکھدیا - کہ ہم احادیث کے منکر ہیں - اور رسول کریم کے تمام اقوال کو وقتی حالات کے ماتحت سمجھتے ہیں -

خواجہ صاحب کے کلام میں تضاد

خواجہ صاحب کا مضمون پڑھنے سے مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے - کہ ان کو لکھتے وقت یہ معلوم نہیں ہوتا - کہ میں کیا لکھ رہا ہوں - اور مجھے کیا لکھنا چاہئے - ایک ایک دو دو فقرات کے بعد بھول جاتے ہیں - کہ میں نے کیا لکھا ہے - اس کا نمونہ تو وکیل ۱۰ جنوری سے پیش کیا جا چکا ہے - کہ خواجہ صاحب اول تو حدیث کو قرآن مجید کے بعد کا درجہ دیتے ہیں - پھر خود ہی ایسی عبارات اور ایسا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں - کہ آپ

کے نزدیک حدیث کوئی چیز ہی نہیں۔ اور اس کا کوئی درجہ نہیں۔ اسی طرح وکیل ۲۸- اپریل صفحہ ا کالم اول میں لکھا ہے۔

"ہم نے تو یہ نہیں لکھا۔ کہ رسول کریم کے تمام اقوال وقتی حالات کے ماتحت تھے۔ مگر اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اکثر اقوال وقتی حالات کے ماتحت تھے۔"

ان فقرات میں تو اکثر اقوال کو وقتی حالات کے ماتحت قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی لکھتے ہیں۔

"دائمی صداقتوں کا مجموعہ کتاب اللہ موجود ہے۔ اجتہاد آیات پر ہی مبنی ہوگا۔ اور جیسا کہ ہم نے لکھا ہے۔ کہ رسول کریم پہلے مجتہد تھے۔ اجتہاد وقتی ضرورتوں اور وقتی حالات و واقعات کیلئے ہوتا ہے۔"

پھر وکیل ۲۹- اپریل کے صفحہ ا کالم اول میں لکھتے ہیں:-

"احادیث کتاب اللہ سے اجتہاد ہی ہوگا۔ اب اجتہاد اور وقتی حالات لازم و ملزوم ہیں۔"

ان دونو عبارتوں کے ملانے سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کے نزدیک تمام احادیث اور اقوال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وقتی حالات کے ماتحت تھے۔ کیونکہ احادیث آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد ہیں۔ اور اجتہاد اور وقتی حالات لازم و ملزوم ہوئے۔

خواجہ صاحب! کلام میں یہ تضاد کیوں ہے؟ [له] ابھی تو صاف انکار فرما رہے تھے کہ ہم نے نہیں لکھا۔ کہ رسول کریم کے تمام اقوال وقتی حالات کے ماتحت تھے۔ اور اس کی لفظ "اکثر" سے تردید کی تھی۔ پھر ایک سطر بھی لکھنے نہ پائے۔ کہ اس کو تسلیم بھی کر لیا۔ کیا یہ سچ نہیں؟

ہم الزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا۔

خواجہ صاحب سے ایک سوال	خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ میں احادیث کا منکر

له اصولے ہی کی بحث آپ خوب کر رہے ہیں۔

نہیں ہوں۔ اور نہ ہی میں نے انکار کیا ہے۔ اور میں مانتا ہوں۔ کہ ان کا بلا شبہ قرآن مجید کے بعد کا درجہ ہے۔ اس کے متعلق اوپر مفصل بحث کی جا چکی ہے۔ کہ خواجہ صاحب کی عبارات سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

اب میں خواجہ صاحب سے ایک سوال کرتا ہوں۔ کہ اگر آپ واقعی احادیث کے منکر نہیں تھے۔ تو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے قرآن مجید کی تائید میں احادیث پیش کرنے پر وکیل ۲۸۔ اپریل میں "کتاب اللہ کے مطابق احادیث کا انکار خود کتاب اللہ کا انکار" لکھنے کے باوجود اس بحث کو کیوں اٹھایا جب کہ پیش کردہ احادیث قرآن مجید کے مطابق تھیں۔ اور صرف تائیدی طور پر پیش کی گئی تھیں۔ وہ نہ تو موضوع تھیں۔ نہ ضعیف بلکہ صحیح تھیں۔ آپ کا ان کے مقابلے میں احادیث کے نہ ماننے اور ماننے کی بحث اٹھانا اس بات کی صاف دلیل ہے۔ کہ آپ احادیث کے منکر ہیں۔

ہاں اگر آپ احادیث کو مان چکے ہیں۔ اور اپنے عقیدہ میں تبدیلی کر لی ہے تو یہ آپ کی خوش قسمتی ہے۔ کہ اسی عقیدہ پر قائم رہیں۔ اور پھر اس سے انکار نہ کر دیں۔ ہمیں کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کہ آپ کو منکر احادیث بنائیں۔

کتاب اللہ کے سوا کسی کی بات ماننا

خواجہ صاحب وکیل ۲۸۔ اپریل میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا قول نقل کر کے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب ممدوح نے یہ بات پیدا کی ہے۔ کہ رسول کی اطاعت محض احکام الٰہیہ میں ہی فرض نہیں۔ بلکہ علاوہ کلام الٰہی میں مذکور شدہ احکام کے رسول بھی جو حکم دے۔ اس کی اطاعت خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے۔ اور دو آیات ثبوت میں پیش کی ہیں

ولکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ترجمہ۔ اور تمہارے لئے اللہ کے رسول میں اسوہ حسنہ ہے۔

اور

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی ترجمہ۔ کہدے۔ کہ اگر تم اللہ سے محبت

یحببکم اللّٰہ رکھتے ہو۔ تو میری متابعت کرو۔ اللہ تم سے محبت کریگا۔

حیرت ہے۔ کہ مرزا صاحب ممدوح نے ان آیات سے یہ مفہوم کس طرح پیدا کیا ہے؟

قبل اس کے کہ آیات کے مفہوم پر بحث کی جائے۔ میں پوچھتا ہوں۔ جب خواجہ صاحب کے نزدیک ان احکام کے علاوہ جو قرآن مجید میں بیان ہو چکے ہیں رسول کی اطاعت فرض نہیں ہے۔ جیسا کہ وکیل ۱۰ جنوری صفحہ ا کالم ۳ میں لکھ چکے ہیں۔ کہ

"کتاب اللہ کے فیصلہ کے سوا خواہ اس کا دعوٰے رسالت اور نبوت ہی کیوں نہ ہو۔ ہم ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں۔ ایسی شخصیت ادبابا من دون اللہ کی ذیل میں آتی ہے۔ ان کی اطاعت ان کی پرستش ہے"

تو پھر آپ کے قول مندرجہ وکیل ۲۸۔ اپریل صفحہ ا کالم اول

"کتاب اللہ کے مطابق احادیث کا انکار خود کتاب اللہ کا انکار ہے۔ اور اسی طرح رسول کے احکام جو احکام الٰہی کے مطابق ہیں۔ واجب التعمیل ہیں"

کا کیا مطلب ہے؟ اس قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کتاب اللہ کے علاوہ احکام میں بھی رسول کی اطاعت فرض مانتے ہیں۔ اور ان کا انکار خود کتاب اللہ کا انکار بتاتے ہیں۔ آپ کے قول میں دو باتوں کا ذکر ہے۔ ایک مطابق اور دوسرا مطابق یعنی احادیث اور احکام جو کتاب اللہ کے مطابق ہوں۔ ان کا انکار خود کتاب اللہ کا انکار ہے۔ اور مسلمہ بات ہے۔ کہ مطابق ہونے والی چیز اور جس کے ساتھ اس کی مطابقت دی گئی ہے۔ وہ ایک چیز نہیں ہو سکتی۔ بلکہ دو چیز ہوں گی۔ یہاں دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو وہ احادیث اور احکام جو کتاب اللہ کے مطابق ہوں گے۔ وہ کتاب اللہ کا عین ہونگے۔ یا غیر ہونگے۔

اگر کہو۔ عین ہیں۔ تو ان کے علیحدہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور نہ ہی لفظ "مطابق" کی ضرورت ہے۔ کیونکہ وہ عین کتاب اللہ ہیں۔ اور اگر کہو۔ غیر ہیں۔ جیسا کہ لفظ "مطابق ہونا" ظاہر کرتا ہے۔ تو پھر آپ نے کتاب اللہ کے علاوہ احکام میں اطاعت کا فرض ہونا تسلیم کر لیا۔ حیرت تو اس بات پر ہے۔ کہ خود ہی ایک بات لکھتے ہیں۔ اور خود ہی اس کی تردید کر دیتے ہیں۔ سچ ہے۔ کہ حق کے مقابلہ میں باطل ٹھہر نہیں سکتا۔ اور اس کے پاؤں ایک جگہ نہیں جم سکتے۔ امید ہے۔ کہ خواجہ صاحب کی حیرت اس سے دور ہو جائے گی۔ اور وہ یہ بتانے کے قابل ہوں گے۔ کہ ان احادیث کی نسبت ان کا کیا عقیدہ ہے جو کسی نص قرآنی کے خلاف نہیں۔ اور ان میں ذکر شدہ مسائل کا استخراج آیات قرآن سے کسی انسانی طاقت میں نہیں۔

آیات کا مفہوم

خواجہ صاحب مذکورہ بالا آیات کے متعلق بتانا چاہتے ہیں کہ ان آیات سے یہ ثابت نہیں ہوتا۔ کہ کتاب اللہ کے علاوہ کسی حکم میں رسول کی اطاعت یا اتباع کی جائے۔ بلکہ اس سے مراد صرف اتنی ہے۔ کہ رسول کریم کی طرح ایمان و عمل پیدا کیا جائے۔ اور رسول کا اسوہ حسنہ اور اللہ تعالے سے محبت کرنا ہی ہے۔ کہ ماسوا سے قطع تعلق کیا جائے جیسا کہ آنحضرتؐ نے کیا تھا۔ اور اتباع عام مراد نہیں ہے۔ بلکہ متابعت بہ تعلق محبت الٰہی کی تخصیص ہے۔"

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہمارے لئے ہر ایک بات میں ہے۔ کہ جو جو کام آپ اپنی زندگی میں کرتے رہے۔ بقدر استطاعت ہم ان میں آپ کی پیروی کریں۔ فاتبعونی کے متعلق خواجہ صاحب کا یہ لکھنا کہ یہاں متابعت بہ تعلق محبت الٰہی کی تخصیص ہے۔ قابل تعجب ہے۔ کیا خواجہ صاحب کے نزدیک انبیاء اپنی زندگی میں ایسے بھی کام کیا کرتے تھے۔ کہ جن سے خدا تعالیٰ کی محبت اور رضا مقصود نہیں ہوتی۔ انبیاء کے تو تمام کام خدا کی محبت کیلئے ہی ہوتے ہیں

اس لئے تخصیص کوئی نہ رہی - بلکہ عام متابعت ہوئی - مگر آپ کی تحریر سے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے - کہ وہ کام جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے محبت الٰہی کیلئے کئے ہیں - ان میں پیروی کی جائے - اور وہ کام جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے محبت الٰہی کے لئے نہیں کئے - اور ان سے خدا تعالیٰ کی رضا نہیں چاہی - اور خلاف مرضی خدا تعالےٰ کئے ہیں - ان میں اتباع نہ کی جائے - حالانکہ یہ عقیدہ بالکل فاسد ہے - کہ انبیاء سے ایسے کام بھی سرزد ہوتے ہیں - جن سے خدا تعالیٰ کی محبت اور رضا اور قرب خداوندی مقصود نہیں ہوتا - سنئے! بندہ کی خدا سے محبت یہی ہے - کہ اس کا قرب طلب کرے - جیسے مفردات راغب میں لکھا ہے -:-

محبۃ اللہ تعالیٰ للعبد انعامہ علیہ و محبۃ العبد لہ طلب الزلفی لدیہ

ترجمہ - بندہ سے اللہ تعالیٰ کی محبت یہ ہے - کہ اس پر انعام کرے - اور بندہ کی محبت اللہ سے یہ ہے - کہ بندہ اس کا قرب طلب کرے -

پھر امام حسن نے فاتبعونی یحببکم اللہ کی تفسیر میں فرمایا ہے - کہ :-

فکان علامۃ حبہم ایاہ سنۃ رسولہ

ترجمہ - صحابہ کا آپ سے محبت کرنا یہی تھا - کہ آپ کی سنت پر عمل کیا جائے -

پس اس آیت میں خدا تعالےٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان الٰہی اور آپ کی فضیلت و شرافت کا اظہار کیا ہے - چونکہ اگر کوئی خدا تعالیٰ کا محبوب بن سکتا ہے - یا کوئی اس کا فیض پا سکتا ہے - تو صرف نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرکے - اسی واسطے خدا تعالیٰ فرماتا ہے - کہ اگر تم خدا کو طلب کرنا چاہتے ہو - تو تم اس کے نبی کے طالب بنو - خدا جو تمہارا مطلوب ہے - وہ خود طالب ہو جائے گا - اس آیت میں خدا تعالےٰ کے محبوب بننے کا گر بتایا گیا ہے کہ نبی کریم کی اتباع کی جائے - اور اس کے اوامر کو بجا لایا جاوے - اور بتایا ہے

کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم صرف محبوب خدا ہی نہیں ۔ بلکہ دوسروں کو محبوب بنانے والے بھی ہیں ۔ اور خدا تعالیٰ کا محبوب بننے کے لئے صرف ایک ہی طریقہ ہے ۔ کہ نبی کریم کا اسوہ اختیار کیا جائے ۔

سوال ہو سکتا تھا ۔ کہ نبی کریم کی زندگی تو گناہوں سے ملوث نہیں تھی ۔ لیکن ہم نے جو گناہ کئے ہیں ۔ ہم کس طرح خدا تعالیٰ کے محبوب بن سکتے ہیں ۔ فرمایا تمہارے پہلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے ۔ کیونکہ خدا غفور ہے ۔ پھر صفت رحیمیت کے ماتحت تمہیں محبوب بنائیگا ۔ اس کے ساتھ ہی فرمایا ۔ کہ

اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ترجمہ ۔ خدا تعالیٰ کی بھی اطاعت کرو ۔ اور رسول کی بھی ۔

اور بتا دیا ۔ کہ فاتبعونی کسی چیز کی خصوصیت نہیں ۔ بلکہ عام اتباع مراد ہے ۔ جس کا رسول حکم دے ۔ اسے بجالاؤ ۔ اور جس سے منع کرے ۔ اس سے رک جاؤ ۔

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے اپنے مضمون مندرجہ "الفضل" ۲۴ مارچ میں بحوالہ آیت قرآنی

"ما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ" ترجمہ ۔ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا ۔ مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جائے ۔

بتایا تھا ۔ کہ رسولوں کی اطاعت کرنا شرک نہیں ۔ کیونکہ رسولوں کی اطاعت باذن اللہ ہوتی ہے ۔ ان کی اطاعت کرنے کو شرک کہا ہی نہیں جا سکتا ۔ شرک وہی اطاعت ہو سکتی ہے ۔ جو اذن اللہ کے خلاف ہو ۔ نہ کہ جو اس کے موافق ہو ۔ اور خواجہ صاحب کو یہ بھی سمجھایا تھا ۔ کہ رسول خدا تعالےٰ کے احکام کے خلاف نہیں کہا کرتے ۔

اب میں ذیل میں چند آیات لکھتا ہوں ۔ جن میں رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے ۔

رسول کی اطاعت

۱۔قل اطیعوا اللہ والرسول فان تولوا فان اللہ لایحب الکافرین ۳/۱۲

۱۔ترجمہ۔کہدے۔کہ اللہ اور رسول کا حکم مانو۔ اگر پھر جائیں۔تو اللہ منکروں سے محبت نہیں رکھتا۔

۲۔واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون (۳/۸)

۲۔اور اللہ اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

۳۔یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ۵/۵

۳۔اے ایمان والو! اللہ اور اللہ کے رسول کی تابعداری کرو۔اور ان لوگوں کی تابعداری کرو۔جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔اور اگر تمہارا کسی معاملہ میں تنازع ہو۔پس اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹو۔اگر تم اللہ اور یوم آخر پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں رسول کی باتوں کی اطاعت کے ساتھ ایمان کو وابستہ کیا گیا ہے اگر کہو۔کہ مراد اطاعت سے کتاب اللہ ہی ہے۔تو حرف عاطفہ کے لانے کی کیا ضرورت تھی۔جو مغائرت کا مقتضی ہے۔نیز صرف اطیعوا اللہ ہی کہ دینا کافی تھا۔پھر کیا اولی الامر کی اطاعت بھی خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے۔کیا کوئی ایسی نص ہے۔کہ من یطع اولی الامر فقد اطاع اللہ۔

۴۔واقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون ۱۸/۱۲

۴۔نماز قایم کرو۔اور زکوٰۃ ادا کرو اور رسول کی تابعداری کرو۔تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔

اس آیت میں اول احکام الٰہی کا ذکر کیا گیا۔پھر رسول کی اطاعت کا علیحدہ حکم دیا۔جو اس بات کی دلیل ہے۔کہ رسول کی اطاعت کا حکم احکام الہی کے علاوہ

بھی ہے۔

۵۔ حضرت نوح و صالح و شعیب و عیسیٰ علیہم السلام نے کہا۔ فاتقوا اللّٰہ واطیعون ۱۹/۱۳ و ۱۰-۱۱-۱۲-۱۳ اللہ کے اوامر بجالاؤ۔ اور میری اطاعت کرو۔ یہ بھی اس بات کی دلیل ہے۔ کہ انبیا کی اوامر الٰہی کے سوا ایں بھی اطاعت فرض ہے۔

۶۔ یاایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للّٰہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم ۹/۱۸

ترجمہ۔ اے مومنو! تم اللہ کو بھی جواب قبولیت دیا کرو۔ اور رسول کو بھی۔ اس لئے کہ وہ جب تمہیں بلاتا ہے۔ تو تمہیں زندہ کرنے کے لئے بلاتا ہے۔

۷۔ واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللّٰہ والی الرسول رایت المنافقین یصدون عنک صدودا۔ نساء ع ۱۰

ترجمہ۔ جب ان کو کہا جاتا ہے۔ کہ آؤ۔ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی۔ اور رسول کی طرف آؤ۔ تو منافقوں کو دیکھیگا کہ وہ تیری طرف آنے سے رکینگے۔

۸۔ واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللّٰہ والی الرسول قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اٰباءنا (مائدہ ع ۱۴)

ترجمہ۔ جب ان سے کہا جاتا ہے۔ کہ اس چیز کی طرف آؤ۔ جو اللہ نے اتاری۔ اور اللہ کے رسول کی طرف آؤ۔ تو کہتے ہیں۔ کہ ہمارے لئے یہی کافی ہے۔ جس پر ہم نے اپنے آباء کو پایا۔

ان دونو آیات میں کتاب اللہ کے احکام ماننے کے لئے علیحدہ کہا گیا۔ اور رسول کے لئے علیحدہ جو اس بات کی صاف دلیل ہے۔ کہ بعض احکام رسول ایسے بتاتا ہے۔ جن کا ذکر کتاب اللہ میں نہیں ہوتا۔ اور وہ ماننے فرض ہوتے ہیں

۹۔ اسی طرح خدا اور رسول کی اطاعت کا ذکر ۲/۴ و ۹/۱۵ و ۹/۱۷ و ۲۶/۸ و ۲۸/۲ و ۲۸/۱۴ میں آیا ہے۔

۱۰۔ وما اٰتاکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم ترجمہ۔ کہ جو تمہارے پاس رسول لائے۔

عنه فانتهوا (حشر ۱۶)

اس کو اختیار کرو۔ اور جس چیز سے منع کرے اس سے رک جاؤ۔

ان آیات کے لکھنے کے بعد تائیدی طور پر میں احادیث پیش کرتا ہوں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ رسول کے کتاب اللہ کے علاوہ احکام کو ماننا بھی ضروری ہے۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یوشك الرجل متكئا علی اریكته یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا وبینكم كتاب اللہ عزوجل فما وجدنا فیه من حلال استحللناه وما وجدنا فیه من حرام حرمناه الا ان ما حرم رسول اللہ مثل ما حرم اللہ

ترجمہ۔ نبی کریم نے فرمایا۔ کہ ایک آدمی جو اپنے تخت پر ٹیک لگائے ہوگا۔ اوس کے پاس میری احادیث بیان کی جائیں گی۔ تو وہ کہیگا۔ کہ قول فیصل ہمارے درمیان کتاب اللہ ہوگی۔ جو اس میں حلال ہو۔ وہ حلال سمجھا جاوے۔ اور جو حرام ہو۔ اس کو ہم حرام سمجھیں۔ خبردار رہو۔ کہ جو رسول اللہ نے حرام کیا۔ وہ خدا تعالی کے حرام کئے ہوئے کی طرح ہے۔ پھر فرمایا۔

من اطاعنی فقد اطاع اللہ ومن عصانی فقد عصی اللہ

ترجمہ جس نے میری اطاعت کی۔ اس نے اللہ تعالی کی اطاعت کی۔ اور جس نے میری نافرمانی کی۔ اس نے اللہ تعالی کی نافرمانی کی۔ پھر فرمایا۔

ما امرتكم به فخذوه وما نهیتكم عنه فانتهوا

کہ جس چیز کا تمہیں حکم دوں۔ اسے بجالاؤ۔ اور جس سے منع کروں۔ اس سے رک جاؤ۔

کتاب اللہ کے علاوہ ایک حکم کی مثال

اب میں کتاب اللہ کے علاوہ نبی کریم کے ایک حکم کی مثال پیش کرتا ہوں جس کے نہ ماننے کو خدا تعالیٰ نے عصیان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

جنگ احد میں جبکہ غنیم تین ہزار کی فوج لیکر سات سو مسلمانوں پر حملہ آور ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ تیر اندازوں کو باتحتی عبداللہ بن جبیر ایک گھاٹی پر کھڑا کیا۔ اور حکم دیا۔ کہ چاہے ہم غالب آجائیں۔ اور دشمن شکست کھاکر بھاگ جائیں تم اپنی جگہ سے ادہر ادہر نہ ہونا۔ اور اگر تمہاری طرف دشمن آئے۔ تو ان کا تیروں سے مقابلہ کرنا۔ لیکن جب انہوں نے دیکھا۔ کہ کفار پیچھے ہٹ رہے ہیں۔ اور مسلمان غنیمت جمع کررہے ہیں۔ تو انہوں نے سوائے امیر اور دس اور آدمیوں کے مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے حکم توڑ دیا۔ اور میدان میں آگے بڑھ آئے۔ یہ حکم اگرچہ کتاب اللہ میں مذکور نہ تھا۔ لیکن اس حکم کے توڑنے کو خدا تعالٰے نے عصیان کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ چنانچہ فرمایا۔

ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونھم باذنہ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما ارٰکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ ثم صرفکم عنھم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین اذ تصعدون ولا تلوٗن والرسول یدعوکم فی اخرٰکم فاثابکم غما بغم لکیلا تحزنوا علی ما فاتکم

(عمران ع ۱۶)

ترجمہ۔ تحقیق اللہ تعالٰے نے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ جب کہ تم اس کے حکم سے اونہیں تہ تیغ کرتے تھے۔ حتی کہ جب تم نے نامردی کی اور تم نے کام میں جھگڑا ڈالا۔ اور نافرمانی کی۔ بعد اس کے کہ تم کو تمہارے حسب منشا چیز دکھلائی۔ تم سے کوئی دنیا کی خواہش کرتا تھا۔ اور کوئی آخرت کی۔ پھر تم کو ان پر سے الٹ دیا۔ تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور تحقیق تم کو معاف کیا۔ اللہ مومنوں پر فضل رکھتا ہے۔ جب تم چڑہے جاتے تھے اور پیچھے مڑکر نہ دیکھتے تھے۔ اور رسول تمہیں پیچھے سے پکارتا تھا۔ پھر دوبارہ تم کو غم پر غم دیا۔ تاکہ تم گم شدہ چیز پر غم نہ کھاؤ

(عمران ع ۱۶)

اور اسی حکم کے توڑنے کا یہ نتیجہ تھا۔ کہ وہاں پر ستر صحابہ شہید ہوئے۔ جن میں حضرت حمزہ بھی تھے۔ حتی کہ خود آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم پتھر لگنے سے بیہوش ہو کر گر پڑے۔ اور کافروں نے یہ مشہور کر دیا۔ کہ آپ فوت ہو گئے۔ جس کی وجہ سے صحابہ کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔ اور بعض ارتداد کی راہ اختیار کرنے لگے۔ اور مدینہ کی طرف دوڑنے پر آمادہ ہوئے۔ یہ سب کچھ کیوں ہوا۔ اسی وجہ سے کہ انہوں نے آنحضرت کے حکم کی اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول کے ماتحت اطاعت نہ کی تھی۔

نبی کریم کا فیصلہ نہ ماننے پر خدا تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ

فلا و ربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً مما قضیت و یسلموا تسلیما (نساء ع ۹)

ترجمہ۔ تیرے پروردگار کی قسم ہے۔ کہ وہ مومن نہیں ہو سکتے۔ حتی کہ تجھے اس جھگڑے میں منصف جانیں۔ جو ان کے درمیان پیدا ہو۔ پھر تیرے حکم کے متعلق اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں۔ اور تسلیم کریں

اس آیت میں خدا تعالےٰ نے قسم کھا کر فرمایا ہے۔ جبتک کہ وہ تجھے اپنے اختلافات میں حکم نہ بنائیں۔ اور تیرے فیصلہ کو بسر و چشم قبول نہ کریں۔

اس آیت کا شان نزول جو احادیث میں وارد ہے۔ لکھتا ہوں۔ امید ہے۔ کہ خواجہ صاحب شان نزول بیان کرنے پر برا نہیں منائیں گے۔ اور احادیث کی طرح شان نزول کا بھی انکار نہیں کر دینگے۔ کیونکہ آپ خود وکیل امتی میں آیۃ الذین یلمزون المطوعین کا شان نزول بیان کر چکے ہیں۔ مگر پھر بھی ڈر ہے کہیں یہ نہ لکھدیں۔ کہ میں نے پہلے بھی خود احادیث لکھ کر فریق ثانی کے مقابلہ میں احادیث پیش کرنے کی وجہ سے احادیث کا انکار کیا تھا۔ اس لئے اس کا بھی انکار کرتا ہوں۔

ایک انصاری اور زبیر کا ایک نالی کے بارے میں جس سے وہ اپنی کھجور کے درختوں کو پانی دیتے تھے۔ جھگڑا ہوا۔ انصاری نے زبیر کو کہا۔ کہ میرے باغ کی طرف پانی

چھوڑو۔ زبیر نے انکار کیا۔ دونو اپنا جھگڑا نبی کریم کے پاس لائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر کے حق میں فیصلہ دیا۔ اور فرمایا۔ کہ اے زبیر پہلے تو پانی لے لے۔ پھر اس کی طرف چھوڑ دے۔ اس فیصلہ پر انصاری غضب میں آیا۔ اور کہنے لگا۔ کہ یہ رعایت اسی واسطے ہے۔ کہ زبیر تیری پھوپھی کا بیٹا ہے۔ اس سے آپ کا چہرہ متغیر ہوگیا۔ اور زبیر کو کہا۔ کہ تو پانی کو اس حد تک روک۔ کہ تیرے باغ کی دیواروں تک چڑھ آئے۔ پھر اس کی طرف چھوڑ۔ حضرت زبیرؓ کہتے ہیں۔ کہ یہ آیت اسی بارہ میں نازل ہوئی تھی۔ اس آیۃ سے یہ بات مستنبط ہوتی ہے۔ کہ جو خدا تعالیٰ کے اوامر یا رسول کے اوامر کی نافرمانی کرتا ہے۔ وہ اسلام سے خارج ہے اور مومن نہیں۔

خواجہ صاحب بغاوت کے حامی

یہ عقیدہ کہ کتاب اللہ کے سوا کسی کے حکم کو ماننا یا اس کی اطاعت کرنا اربابًا من دون اللہ میں شامل ہے۔ صریح طور پر بغاوت کا حامی ہے۔ کیونکہ بادشاہوں کی یا افسروں کی کتاب اللہ کے سوا اطاعت کرنا جب شرک ہوا۔ تو ان کی اطاعت کرنی بھی منع ہوئی۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہ سکتے ہیں۔ کہ کسی کی رعایا نہیں بننا چاہیے۔ اول تو تعلیم قرآن مجید کے خلاف ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔

کہ جو تم پر بادشاہ ہوں۔ ان کی بھی اطاعت کرنی چاہیے۔ منکم بمعنی علیکم ہے۔ جیسے ونصرناہ من القوم الذین کذبوا۔ دوسرے اس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔ کہ نبی کریم نے اولی الامر کی اطاعت کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی وصیت کی تھی۔ کہ اولی الامر کی اطاعت کرنا۔ جیسے فرمایا۔

قال اوصیکم بتقوی اللہ عز وجل والسمع ترجمہ۔ فرمایا۔ میں تم پر تقوی اللہ کی وصیت

الطاعة وان تامر علیکم عبد" کرتا ہوں ۔ اور سنکر اطاعت کرنے کی اگرچہ تم پر کوئی غلام ہی کیوں نہ حاکم ہو

پھر سلمہ بن یزید جعفی نے نبی کریم سے سوال کیا ۔ کہ

یانبی اللہ ارایت ان قامت علینا امرأ یسالون حقھم ویمنعونا حقنا فما تامرنا فاعرض عنہ ثم سالہ فاعرض عنہ فجذبہ الاشعث بن قیس فقال اسمعوا واطیعوا

ترجمہ ۔ اے نبی اللہ فرمائیے ۔ اگر ہم پر ایسے اولی الامر ہوں ۔ کہ وہ اپنا حق تو ہم سے لے لیں ۔ لیکن ہمارے حقوق روکیں ۔ اور نہ دیں ۔ تو آپ ہمیں کیا حکم فرماتے ہیں ۔ ہم ان کی اطاعت کریں ۔ یا نہ کریں آپ نے اس سے اعراض کیا ۔ پھر اس نے پوچھا ۔ پھر اس کو اشعث بن قیس نے کھینچا تب آپ نے فرمایا ۔ کہ ان کی باتوں کو سنو ۔ اور اطاعت کرو ۔

تیسرے سنا گیا ہے ۔ کہ خواجہ صاحب ملازم سرکار ہیں ۔ کیا وہ اپنے افسروں کے حکم بجا لایا کرتے ہیں ۔ یا انکار کر دیا کرتے ہیں ۔ عقیدہ تو ان کا اسی بات کا مقتضی ہے ۔ کہ وہ اپنے کسی افسر کے ہر حکم کو نہ بجا لایا کریں ۔ جس کا کتاب اللہ میں نہ ذکر ہو ۔

خواجہ صاحب کا نرالا منطق ۔ خواجہ صاحب چند آیات درج کر کے لکھتے ہیں ۔

"آیات محولہ بالا سے واضح ہوتا ہے متابعت کی دو ہی صورتیں ہیں ۔ یا تو متابعت ہوائے نفس ہوگی ۔ یا متابعت شریعت جو کتاب اللہ میں مذکور ہے ۔ جو رسول کریم پر نازل ہوئی ۔ اور یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کتاب اللہ کے سوا کسی کی بات ماننا متابعت ہوائے نفس ہے"

کہتے ہیں ۔ ایک بھوکے سے کسی نے پوچھا ۔ کہ دو اور دو کتنے ہوئے ۔ اس نے جواب دیا ۔ چار روٹیاں ۔ اسی طرح کے خواجہ صاحب ہیں ۔ کہ یونہی بہت سی آیات لکھ

دیتے ہیں۔ اور نتیجہ ان سے وہ نکالتے ہیں۔ جو ان کے دل میں ہوتا ہے۔ حالانکہ آیات سے وہ نہیں نکل سکتا۔

آیات میں تو صرف اتنا ذکر ہے۔ کہ اے مخاطب تو دوسرے لوگوں کی خواہشات کا پیرو مت بن۔ جبکہ تیرے پاس حق آگیا ہے۔ اور تجھے معلوم ہو گیا ہے۔ کہ وہ جھوٹے پر ہیں۔ ان کے پاس حق نہیں ہے۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوا۔ کہ کتاب اللہ کے سوا کسی کی بات نہ مانو۔ اور اگر کتاب اللہ کے سوا دوسری سب اچھی باتیں جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں۔ اور وہ بواسطہ رسول کریم ہمیں معلوم ہوئی ہیں۔ ہوائے نفس ہیں۔ تو کیا جب کتاب اللہ ابھی نازل نہیں ہوئی تھی۔ اس وقت آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ہوائے نفس کی اتباع کیا کرتے تھے۔ یا وہ اتباع ہوائے نفس نہیں تھی۔ اگر کہو۔ اتباع ہوائے نفس تھی۔ تو آپ نبی کیسے بنگئے۔ اور فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ کا چیلنج دینے کے کیا معنے ہوئے؟ اور اگر کہو۔ کہ وہ اتباع ہوائے نفس نہیں تھی۔ تو معلوم ہوا۔ کہ کتاب اللہ کے سوا بھی ایسی باتیں ہیں۔ جو اتباع ہوائے نفس نہیں۔ اور انبیاؑ کی اطاعت کا حکم دینے کی یہی وجہ ہے۔ کہ وہ اتباع ہوائے نفس نہیں کرتے۔ مگر کافر اور مشرک جو کہ اتباع ہوائے نفس کرتے ہیں ان کی اتباع سے منع کیا گیا۔

پھر خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"میاں صاحب ممدوح کا یہ خیال کہ اگر حدیثیں وقتی حالات کے ماتحت ہیں۔ تو اس کے یہ معنی ہوں گے۔ کہ رسول کریم کو زندگی بھر اسلام کی اصل تعلیم کے متعلق نہ کوئی بات کہنے کا موقعہ ملا۔ اور نہ کبھی حکم پر عمل کرنے کا۔ نرالا منطق ہے۔ رسول کریم پر قرآن زمانہ نبوت یعنی ۲۳ سال تک نازل ہوتا رہا۔ رسول کریم کتاب اللہ کی ہی آیات پڑھکر سنایا کرتے۔ اسی کتاب کی تعلیم دیتے رہے"۔

یہ تو آپ خود ہی فرما رہے ہیں۔ کہ حدیث جو قول و فعل رسول اللہ صلعم ہے۔

کوئی نہیں ہے۔ جسے ہم مانیں۔ اور جو ہمارے لئے ہدایت کا موجب ہو۔ صرف قرآن کریم ہی آپ نے ۲۳ سال تک سنایا۔ اس کے سوا اصل تعلیم اسلام سے متعلق آپ نے کوئی بات نہیں فرمائی۔ اور نہ کوئی عمل کیا۔ جو آنیوالی نسلوں کیلئے موجب ہدایت ہو۔ اور جسے وہ اپنے لئے نمونہ بنائیں۔

عجیب بات یہ ہے۔ کہ آپ اپنے قول کی تائید میں حسب ذیل آیت بھی پیش کرتے ہیں۔ جو آپ کے عقیدہ کے صریح خلاف ہے۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلوا علیھم اٰیتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلٰل مبین۔

اس آیت میں رسول کے چار کام بتائے گئے ہیں۔

۱۔ وہ مومنوں پر آیات پڑھتا ہے۔ ۲۔ ان کا تزکیہ کرتا ہے۔ ۳۔ ان کو کتاب یعنی اس کے معارف سکھاتا ہے۔ ۴۔ ان کو حکمت سکھاتا ہے۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ اگر رسول کریم نے ۲۳ سال میں صرف ان پر قرآن مجید ہی پڑھا اور کوئی تعلیم نہیں دی۔ تو صرف یتلوا علیھم اٰیتہ ہی کہنا کافی تھا۔ باقی تین باتوں کا کیوں ذکر کیا گیا۔ اور حکمت کا لفظ تو صریح طور پر بتلاتا ہے۔ کہ کتاب کے سوا بھی رسول صلعم انہیں سکھاتے تھے۔ کیونکہ کتاب کی تعلیم کو علیحدہ بیان کیا ہے۔ اور حکمت کو علیحدہ۔ اگر کتاب اور حکمت ایک ہی چیز تھی۔ تو اس کے علیحدہ بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتٰب

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے لکھا تھا۔ کہ مساوات بلا دیگر امور پر نظر رکھنے کے ہر جگہ جاری نہیں ہوتی۔ چنانچہ قرآن کریم میں حضرت ابراہیم کی اولاد کی نسبت وارد ہے۔

وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتٰب ۔ کہ خدا تعالٰے نے آل ابراہیم کو دوسری قوموں پر یہ فضیلت دی ہے۔ کہ ان میں

استمراری نبوت رکھ دی۔

خواجہ صاحب نے اس پر پھر وہی دو تو سوال کئے ہیں، جو پہلے کئے تھے۔ اور جن کا جواب دے دیا گیا تھا۔ دوبارہ اعتراض کرنے کی یہی وجہ ہو سکتی ہے۔ کہ خواجہ صاحب نے جوابات پر غور نہیں کیا۔ اگر وہ غور کرتے۔ تو اعتراض نہ کرتے۔ ان کی حسب ذیل عبارت ان کے عدم فہم پر دلالت کرتی ہے۔

"اصولاً ہم اس تخصیص کو جس پر مرزا صاحب ممدوح نے حصر کیا ہے تسلیم نہیں کرتے۔ ہم نے لکل امۃ رسولا کے معنے دریافت کئے تھے۔ جواب یہ ملا۔ کہ دیگر امم کے رسل حضرت ابراہیم سے بیشتر مبعوث ہو چکے تھے۔ حضرت ابراہیم کے بعد وراثتاً نبوت آنحضرت کی اولاد میں منتقل ہوتی رہی۔"

پھر لکھتے ہیں۔ کہ:۔

"یہ استدلال کہ دیگر امم میں حضرت ابراہیم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوا۔ آیت زیر بحث کے کسی لفظ سے تو ہو نہیں سکتا۔ البتہ تحریف کا اختیار ہے۔"

یہاں میں اصل جواب پیش کرتا ہوں۔ جو حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے دیا تھا۔ ناظرین خود معلوم کر لیں گے۔ کہ آیا جو نتیجہ خواجہ صاحب نے اس سے نکالا ہے۔ وہ صحیح ہے یا خواجہ صاحب کے بطی الفہم ہونے کی دلیل۔

"دوسرا اعتراض اس لئے غلط ہے۔ کہ سب قوموں میں نبی آنے کے یہ معنی نہیں۔ کہ ہمیشہ سب قوموں میں نبی آتے رہیں گے۔ وعدہ ابراہیمی کے پورا ہونے کے وقت سے پہلے پہلے ہر ایک قوم میں نبی آچکے تھے۔ مگر جب وعدہ ابراہیمی کے پورا ہونے کا وقت آیا۔ تو یہ فیض آل ابراہیم کے ایک طرف سے مخصوص کیا گیا۔ اور اب آل ابراہیم کے فیض سے باہر ہو کر کوئی فیض نہیں۔ جب تمام اقوام عالم میں نبی مبعوث ہونے کے بعد آخری زمانہ میں محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ خدا تعالیٰ نے اس وعدہ

کو پورا کیا۔ اور جب کہ آپ پر ایمان لانیکا دروازہ سب دنیا کیلئے کھلا چھوڑا۔ تو دونو آیتوں کا مفہوم ایک وقت میں پورا ہو گیا۔ فیض نبوت ہمیشہ کے لئے آل ابراہیم کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔ اور سب اقوام میں نبی بھی آگئے۔ کیا بلحاظ اس کے کہ آپ کی بعثت سے پہلے سب عالم میں نبی آچکے تھے۔ اور کیا بلحاظ اس کے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت صرف عرب نہ قرار دیے گئے بلکہ سب جہان کے انسان آپ کی امت قرار دیے گئے۔ یہی معنی ہیں جن سے دونو آیتوں کے معنوں میں تطابق رہتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ میں نے اپنے مضمون میں لکھا تھا "کہ ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس فیضان کو یہ خصوصیت حاصل ہے۔ کہ کوئی شخص حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ایک مہر تاباں سے روشنی لئے بغیر بارگاہ الٰہی تک نہیں پہنچ سکتا"۔

اب اس عبارت کو پڑھکر ایک پرائمری کا طالب علم بھی بتا سکتا ہے۔ کہ جو مفہوم خواجہ صاحب نے اس عبارت سے نکالا ہے۔ بالکل غلط ہے۔ خواجہ صاحب یہ سمجھتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم کے بعد کسی قوم میں نبی نہیں آیا۔ اور وعدہ ابراہیمی اوسی وقت پورا ہو گیا تھا۔ لیکن حضرت صاحب کی عبارت سے صاف ظاہر ہے۔ کہ وعدہ ابراہیمی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود سے پورا ہوا۔ اور آپ کے بعد اور کسی قوم میں بغیر آپ سے فیض حاصل کئے نبی نہیں ہو سکتا۔ وسنبیھا بون لا یخفیٰ

خواجہ صاحب کی ایک نکتہ چینی

خواجہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب ممدوح نے یہ نہیں لکھا۔ کہ انتقال نبوت یا اقامت کی اب کیا صورت ہے"

معلوم نہیں۔ خواجہ صاحب کو اس نکتہ چینی کی کیا ضرورت پیش آئی۔ اگر خواجہ صاحب

مضمون کو غور سے پڑھتے۔ تو ایسے کلمات سخیفہ ان کے قلم سے نہ نکلتے۔ جب کہ
اس کا جواب حضرت صاحب کے اس فقرہ میں موجود ہے۔

"ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس فیضان کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ
کوئی شخص حضرت ابراہیم کی اولاد میں سے ایک نہر تاباں سے روشنی لئے
بغیر بارگاہ الٰہی تک نہیں پہنچ سکتا"

اور اس کی تائید قرآن مجید کی آیت

ومن يطع الله والرسول فاولئك مع الذين انعم الله من النبيين
والصديقين والشهداء والصالحين وحسن اولئك رفيقاً۔

سے ہوتی ہے۔ کہ اب سوائے اطاعت خدا اور رسول کریم کے کوئی نہ نبی ہو سکتا
ہے۔ نہ صدیق۔ نہ شہید نہ صالح۔ پس یہ فیض آل ابراہیم سے خاص ہے۔ کہ اسی کے ایک
فرد کی پیروی کے بغیر کوئی بارگاہ الٰہی تک نہیں پہنچ سکتا۔ فنعم ما قیل۔

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

خواجہ صاحب کا عقیدہ معلوم ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب کے نزدیک مذکورہ
بالا مفہوم کے لحاظ سے نبوت آل ابراہیم کے ساتھ
مخصوص نہیں ہے۔ کاش وہ محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین سمجھتے۔
اور جانتے۔ کہ آپ اولاد ابراہیم سے ہیں۔ اور بارگاہ الٰہی تک پہنچنے کے لئے
آپ (نبی کریم) ہی کی اتباع ضروری ہے۔ اس بات کا "کہ یہ انعام آل ابراہیم
سے مخصوص ہے" انکار کرتے ہیں۔ خواجہ صاحب سے التماس کرتا ہوں۔ کہ ایسے
عقائد سے باز آئیں۔ جو اسلام سے خارج کر دینے والے ہیں۔ آج آپ یہ لکھتے ہیں
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب اللہ کے سوا اتباع ضروری نہیں۔ ہو
سکتا ہے۔ کہ کل آپ یہ لکھدیں۔ کہ نجات اور بارگاہ الٰہی تک پہنچنے کے لئے محمد
رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ماننے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرے اعتراض کا جواب۔ دوسرا اعتراض خواجہ صاحب نے یہ کیا ہے۔

کہ لاینال عہدی الظالمین کی استثنا، بتاتی ہے۔ کہ بنوت آل ابراہیم سے ان کو ملیگی۔ جو اس کے اہل ہوں گے۔ اس کا جواب بھی حضرت صاحب بدیں الفاظ دے چکے ہیں:۔

"یہ اعتراض کہ لاینال عہدی الظالمین سے ظالموں کو مستثنےٰ کر دیا ہے۔ اس لئے غلط ہے۔ کہ اس جگہ یہ سوال نہ تھا۔ کہ ابراہیم کی اولاد میں سے کس کو خدا تعالیٰ نبی بنائیگا۔ بلکہ سوال یہ تھا۔ کہ ایک عظیم الشان انعام اللہ تعالیٰ نے دوسری قوموں کے مقابلہ میں آل ابراہیم سے مخصوص کر دیا ہے۔ پس اگر بعض آل ابراہیم بھی اس انعام سے محروم کر دیے گئے ہیں۔ تو اس سے خصوصیت میں فرق نہیں آتا۔ آل ابراہیم کا امتیاز پھر بھی باقی ہے۔ کہ ایک عظیم الشان انعام ان میں سے ایک فرد کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔"

یہ کہنا کہ وہ اس بات کے اہل ہوں گے۔ کہ ان کو نبی بنایا جائے۔ میں کہتا ہوں کہ کیا ایک قوم کا اعلیٰ درجہ کی اہلیت رکھنا اس کے ممتاز ہونے کی دلیل نہیں ہے؟ اور اس سے ظاہر نہیں۔ کہ خدا تعالیٰ نے ایک قوم کو ممتاز کر دیا۔ کہ یہ قوم استمراری طور پر نبوت کی اہل ہے۔ یعنی انعام نبوت اسی کے ساتھ مخصوص ہو گیا۔

قومیت کی غرض

خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔

"کسی کی آل یا اولاد ہونا کوئی قابل فخر بات نہیں ہے۔ معیار عزت صرف تقویٰ ہے۔ اس لئے نبوت اور کتاب کا انعام اولاد ابراہیم کے لئے بوجہ حسب ونسب مخصوص نہیں ہو سکتا۔ اور یہ کہ ذات پات کی قدرتی تقسیم محض تعارف کے لئے ہے۔"

ہم نے اس سے کب انکار کیا ہے۔ لیکن کسی قوم کو خاص طور پر کوئی انعام حاصل ہو جائے۔ تو کیا پھر تعارف کی غرض حاصل نہیں ہوتی۔ تعارف بھی ہوتا ہے اور اس انعام کی وجہ سے جو منعم نے اس پر کیا ہو۔ دوسروں سے ممتاز بھی ہوتی ہے

سنئے! یہ انعام حضرت ابراہیم کی دعاؤں کے نتیجہ میں ملا۔ کہ استمراری طور پر انعام نبوت آل ابراہیم میں رہیگا

خواجہ صاحب کی الٹی سمجھ۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔

"چونکہ نبوت اور کتاب آل ابراہیم سے مخصوص ہو چکی ہے۔ اس لئے فیض اولاد ابراہیم ہوگا۔ فیض حقانیت نہیں"

حالانکہ انعام نبوت کے آل ابراہیم کے ساتھ مخصوص ہونے سے تو صرف یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ یہ فیض حقانیت ہے۔ جو آل ابراہیم پر کیا گیا۔ نہ یہ کہ فیض آل ابراہیم ہے۔ خواجہ صاحب کے قول کے تو یہ معنے ہوں گے۔ کہ نبوت اور کتاب ایک انعام ہے۔ جو فیض ہے۔ آل ابراہیم کا آل ابراہیم پر۔ یہاں منعم اور منعم علیہ ایک ہی ہوا۔ حالانکہ انعام ایک نسبت ہے۔ جو دو چیزوں کو یعنی منعم اور منعم علیہ کو چاہتا ہے۔ اس لئے خواجہ صاحب کے قول کے تو کچھ معنے ہی نہیں بنتے۔

پھر جب آل ابراہیم کو اور قوموں پر امتیاز ہوا۔ تو مساوات کا مفہوم پھر بھی پورا نہ ہوا۔

آیت فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان سے خواجہ صاحب کا استدلال

وما ارسلنا من رسول الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ الخ آیات لکھکر خواجہ صاحب تحریر فرماتے ہیں

"ان آیات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ رسول کریم سے پیشتر تمام انبیاء اور رسل کے قلب میں القائے شیطانی بہ تقاضائے بشریت ان کی تمناؤں میں مل کر ہوتا رہا ہے۔ رسول کریم کی ذات اس سے مستثنے ہے۔ اور یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن شریف شروع سے آخر تک کلام اللہ ہے۔ دیگر کتب کی یہ کیفیت نہیں۔ اور آیت ما ننسخ من ایاتہ او ننسہا الخ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ انبیاء اور رسل بعض آیات کو بھول جاتے۔ یا تمنائے نفس سے مخلوط کرتے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ کتب سابقہ اور صحف انبیاء میں نقائص موجود ہیں۔ اللہ تعالی ان نقائص

کو بذریعہ انبیاء و رسل یکے بعد دیگرے محو فرماتا رہا۔ اور اسی طرح دین کی تکمیل ہوتی رہی۔ تمام انبیاء و رسل کی نسبت یہ ارشاد ہے۔ کہ اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ۔ لیکن خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نہیں"۔

خواجہ صاحب کے معانی کا ابطال

خواجہ صاحب نے مذکورہ بالا آیت سے جو مطلب نکالا ہے وہ ان کے اس عقیدہ کی تردید کر رہا ہے۔ کہ ہر چیز میں مساوات ہے۔ کیونکہ اس آیت میں بقول خواجہ صاحب۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر القائے شیطانی نہیں ہوا۔ اور باقی رسل کے قلب پر ہوا۔ اس لیے مساوات نہ رہی۔ پھر یہ مطلب مندرجہ ذیل وجوہ سے باطل ہے۔

پہلی وجہ

اگر خواجہ صاحب کے پیشکردہ معانی صحیح تسلیم کر لیے جائیں۔ تو ماننا پڑتا ہے۔ کہ انبیاء بھی شیطان کے غلبہ سے محفوظ نہیں رہے۔ کیونکہ اس سے بڑھ کر اور کیا غلبہ ہو سکتا ہے۔ کہ وہ ان کی زبان پر کلمات جاری کر دے۔ اور پھر نبی اسے خدا کی طرف سے سمجھ لے۔ اور اس پر عمل بھی کرے۔ حالانکہ شیطان کا عدم غلبہ انبیاء پر کئی آیات سے ثابت ہے۔ ملاحظہ ہو۔

قال رب بما اغویتنی لازینن لھم فی الارض ولاغوینھم اجمعین۔ الا عبادک منھم المخلصین۔ قال ھذا صراط علی مستقیم۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان الا من اتبعک من الغوین ۱۴ع۳

ترجمہ۔ بولا۔ اے رب۔ جیسا کہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے۔ میں ان سب کو تیرے مخلص بندوں کے سوا گمراہ کر کے زمین پر زینت دونگا۔ فرمایا۔ یہ مجھ تک سیدھا راستہ ہے تحقیق میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں ہو سکتا۔ مگر جس نے تیری پیروی کی۔ وہ گمراہوں میں سے ہے۔

فاذا قرات القران فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ انہ لیس لہ

ترجمہ۔ جب تو قرآن کریم پڑھے۔ تو اللہ کے ساتھ راندے ہوئے شیطان سے پناہ

سلطان علی الذین آمنوا وعلی ربھم یتوکلون۔ انما سلطانہ علی الذین یتولونہ والذین ھم بہ مشرکون ۱۴/۱۹	ہانگ۔ تحقیق اسے ان لوگوں پر غلبہ نہیں ہے۔ جو ایمان لائے۔ اور جنہوں نے اپنے اللہ پر توکل کیا۔ البتہ اس کا غلبہ ان لوگوں پر ہے۔ جو اس سے دوستی کرتے ہیں۔ اور جو اس کو شریک ٹھہراتے ہیں۔
۳۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان وکفی بربک وکیلا۔	ترجمہ۔ تحقیق میرے بندوں پر تجھے کوئی غلبہ نہیں ہے۔ اور تیرا رب ہی بہتر کارساز ہے۔
۴۔ ولقد صدق علیھم ابلیس ظنہ فاتبعوہ الا فریقا من المومنین وما کان لہ علیھم من سلطن الا لنعلم من یومن بالآخرۃ ممن ھو منھا فی شک وربک علی کل شئی حفیظ ۲۲/۸	ترجمہ۔ تحقیق ابلیس نے اپنا ظن ان پر ثابت کر دیا۔ پس انہوں نے اس کی پیروی کی۔ سوائے مومنین کے جن پر اس کا غلبہ نہیں تہا۔ مگر اس لئے کہ ہم معلوم کریں۔ کہ ان میں سے جو آخرت کے متعلق شک میں ہیں۔ کون ایمان لاتا ہے۔ حالانکہ تیرا رب ہر ایک چیز پر نگہبان ہے۔
۵۔ قال فبعزتک لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین۔	ترجمہ۔ بولا۔ تیری عزت کی قسم ہے۔ میں تیرے مخلص بندوں کے سوا ان سب کو گمراہ کرونگا۔

دوسری وجہ خواجہ صاحب کے مسلمہ معنے سے یہ بھی لازم آتا ہے۔ کہ انبیاء کو شیطانی الہام ہوتا ہے۔ اور ان کو شیطانی الہام اور خدائی الہام میں امتیاز کرنے کی طاقت نہیں دیجاتی۔ حالانکہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

ھل انبئکم علی من تنزل الشیاطین تنزل علی کل افاک اثیم یلقون السمع	ترجمہ۔ کیا میں تمہیں بتاؤں۔ کہ شیطان کس پر اترتے ہیں۔ وہ ہر جھوٹے گنہگار

واکثرھم کاذبون (شعراء) پر اترتے ہیں۔ کان رکھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔

کہ شیطانی القا افاک اثیم پر ہوتا ہے۔ نہ انبیاء پر

تیسری وجہ وہ انبیاء جن پر القائے شیطانی ہوتا رہا۔ وہ تو یہ نہیں سمجھتے تھے۔ کہ یہ القائے شیطانی ہے۔ بلکہ خواجہ صاحب کے نزدیک بعد میں آنے والے انبیاء ان باتوں کو ان کی کتابوں سے وقتاً فوقتاً نکالتے رہے۔

اب سوال یہ ہے۔ کہ جن انبیاء پر وہ القا ہوتا تھا۔ وہ اور ان کی امت ان باتوں پر عمل کرتی تھی یا نہیں؟ اگر جواب نفی میں ہے۔ تو اس سے لازم آئیگا۔ کہ انبیاء بھی خدا تعالےٰ کے حکم کو نہیں مانا کرتے۔ حالانکہ وہ اسے شیطانی نہیں خیال کرتے تھے۔ اگر کہا جائے۔ کہ وہ عمل کرتے تھے۔ تو انہوں نے شیطانی بات پر عمل کیا۔ اور اس سے بڑھکر شیطانی غلبہ کیا ہو سکتا ہے۔ کہ شیطان اپنی بات منوا لے۔ اور اس پر عمل کروالے۔

چوتھی وجہ بعد میں آنے والا نبی پہلے نبی کی امت کو ان باتوں پر عمل کرنے سے کیسے روک سکتا تھا۔ جبکہ پہلے نبی کا ان باتوں پر عمل کرنا ثابت ہو۔ دوم سوال یہ ہے۔ کہ دوسرے نبی کو شیطانی القا اور خدائی القا میں امتیاز کرنے کی طاقت دی جاتی تھی۔ یا نہیں۔ اگر دی جاتی تھی۔ تو اس سے لازم آئیگا۔ کہ وہ نبی شیطانی القا کو خدا کی باتوں میں مخلوط نہیں کرتا تھا۔ اس سے خواجہ صاحب کا قاعدہ کلیہ ٹوٹ گیا۔ کہ ہر نبی تمنائے نفس یا شیطانی القا کے ساتھ آیات اللہ کو مخلوط کرتا رہا۔ اگر کہو۔ اسے طاقت نہیں دی جاتی تھی۔ تو پھر وہ پہلے نبی کی اون باتوں کو جو شیطانی تھیں۔ خدا تعالی کی باتوں سے کیسے ممیز کر سکتا تھا۔

پانچویں وجہ خواجہ صاحب کے معنے سیاق وسباق کے بھی خلاف ہیں۔ کیونکہ پہلے تو خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

والذین سعوا فی ایاتنا معاجزین اولئک اصحاب الجحیم۔

اس آیت میں جنکو معاجزین کہا گیا ہے - ان کا اصحاب جحیم میں داخل ہونا فرمایا اور وہ وہی لوگ ہیں - جو شیطان کی پیروی کرتے - اور معجزوں کو جھوٹا قرار دینے والے تھے - اب یہ کیسے ہو سکتا ہے - کہ جس بات کی خدا تعالیٰ تردید کر رہا ہے - کہ یہ لوگ کچھ نہیں کر سکتے - بلکہ یہ تو اصحاب جحیم ہیں - پھر کیا دوسری آیت میں خود ہی ان کا غلبہ بتایا - کہ انبیاء پر بھی شیطان کا غلبہ ہو جاتا ہے -

خواجہ صاحب کی پیشکردہ آیت کا صحیح مطلب

اب میں اس آیت کا صحیح مطلب بتاتا ہوں - جنکو خدا تعالےٰ نے معاجزین کہا ہے - وہ اپنی کوششوں سے اسلام کو نابود کرنا چاہتے تھے - اور اس کے مٹانے کیلئے جان توڑ کوشش کرتے تھے - خدا تعالیٰ نے یہ آیت نبی کریم کی تسلی کے لئے نازل کی - کہ جب کبھی کسی نے آ کر دعویٰ کیا - تو شیطانی لوگ مقابلہ میں کھڑے ہو گئے - اور فساد کرنے شروع کر دئے - اور ابطال آیات میں ساعی ہوئے - اور جب کبھی کوئی نبی ان پر آیات پڑھتا - تو شیطان ان باتوں کے بارے میں اپنے اولیاء پر شبہات اور وسواس ڈالتا - تا وہ باطل کے ساتھ نبی سے مجادلہ کریں - جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے -

ان الشیٰطین لیوحون الیٰ اولیٰئھم لیجادلوکم

ترجمہ - تحقیق شیطان اپنے رفیقوں کے دل میں یہ بات ڈالتے ہیں - کہ وہ تم سے جھگڑا کریں -

وکذلک جعلنا لکل نبی عدوا شیاطین الانس والجن یوحی بعضھم الی بعض زخرف القول غرورا - ولوشاء ربک مافعلوہ فذرھم مایفترون - (پ ۸)

ترجمہ - اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن شیطان اور جن و انس بنائے ہیں - جو ایک دوسرے کو طمع اور فریب کی باتیں سکھاتے ہیں - اگر تیرا رب چاہتا - تو وہ یہ کام نہ کرتے - پس انہیں چھوڑ دو وہ اور ان کا جھوٹ -

شبہات کی مثال

مثلاً آیت انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم کے نازل ہونے پر مشرکوں نے کہا۔ کہ حضرت عیسٰی اور فرشتے بھی تو معبود من دون اللہ ہیں۔ اور ان کی خدا تعالیٰ کے سوا عبادت کی گئی ہے۔ اس لئے کیا وہ بھی جہنم میں جائیںگے۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جب وہ خدا کے کلام میں شبہات ڈالتے ہیں۔ (فینسخ اللہ مایلقی الشیطان) تو خدا تعالیٰ نبی کو اس بات کی توفیق دیتا ہے۔ کہ ان شبہات کا دلائل سے ازالہ کرے۔ یا خود آیات اتار کر ان کو رد کردے

ثم یحکم اللہ ایاتہ

اسی طرح خدا تعالیٰ ان آیات کو محکم کردیتا ہے۔ کہ وہ کسی وجہ سے تردید قبول نہیں کرتیں۔ اور اللہ علیم و حکیم ہے۔

ایک سوال

ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ کیوں انبیاء کے وقت شریروں کو موقعہ دیا جاتا ہے۔ کہ وہ روکیں پیدا کریں۔ اور پہلے موقعہ دیکر پھر اسے مٹاتا کیوں ہے؟

شق اول کا جواب

فرماتا ہے: لیجعل مایلقی الشیطان فتنۃ" خدا تعالیٰ اس لئے ایسا کرتا ہے۔ کہ تا نیک لوگ بد لوگوں سے ممیز ہو جائیں۔ اور اس القاء کو مرض اور قساوت قلبی رکھنے والوں کے لئے ابتلا اور اختبار اور عذاب کا موجب بناتا ہے۔ اور اس کے ذریعہ سے جو لوگوں میں مخفی شیطنت اور شرارت ہوتی ہے۔ وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو پہلے ہی اوباش ہوتے ہیں۔ ان کی شرارت ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے ظاہر میں تو متقی بنے ہوتے ہیں۔ لیکن باطن میں وہ شریر ہوتے ہیں۔ ایسی باتوں سے ان کی شیطنت ظاہر ہو جاتی ہے۔

شق ثانی کا جواب

یہ سوال کہ وہ مٹاتا کیوں ہے؟ اس کا جواب دیا:۔ ولیعلم الذین اوتوا العلم انہ الحق من ربک"۔ کہ تا مومنوں کے لئے وہ ایک

نشان بنے۔ اگر اس کا سر نہ کچلا جاتا۔ تو حق مشتبہ رہ جاتا۔ یہ ہیں اس آیت کے معنی جو نہ تو قرآن مجید کے خلاف ہیں۔ اور نہ لغت عرب کے۔

امنیہ کے معنے

شاید خواجہ صاحب کو شک گذرے۔ کہ امنیہ اور تمنی کے معنے قرأت کے کیوں کئے ہیں۔ حالانکہ اس کے معنے آرزو اور تمنا کے ہیں۔ سو خواجہ صاحب کے اس شک کا بھی ازالہ کئے دیتا ہوں۔ ملاحظہ ہو۔

والامنیہ ما قال الراغب الصورۃ الحاصلۃ فی النفس من التمنیٰ وقال غیر واحد التمنی القرأۃ ولکن الامنیہ والنشد واقول حسان۔

تمنی کتاب اللہ اول لیلہ   تمنی داؤد الزبور علی رسل

کئی ایک نے تمنی اور امنیہ کے معنے قرأت کئے ہیں۔ اور اس کی تائید میں انہوں نے حسان کا شعر پیش کیا ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کی کتاب کو اول رات میں حضرت داؤد کے زبور کو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی طرح پڑھا کرو۔

اسی طرح مصنف لسان العرب ایک اور شعر اس کی تائید میں لایا ہے۔

قال فی مرثیۃ حسان :۔

تمنی کتاب اللہ اول لیلہ   واٰخرہ لاقی الحمام المقادر

ہم نے کئی طریق سے خواجہ صاحب کے دل میں جو القا ہوا تھا۔ اس کا رد کر دیا ہے اور پھر اس آیت کے صحیح معنے بھی بتا دئے ہیں۔ جو سیاق و سباق کے متعلق ہیں۔ اور جن پر مندرجہ بالا وجوہ سے کوئی اعتراض نہیں پڑ سکتا۔ اگر اب بھی خواجہ صاحب ان معنوں کو تسلیم نہ کریں۔ تو ہم اس سے اگلی آیت پڑھنے پر مجبور ہیں۔

ولایزال الذین کفروا فی مریۃ منہ حتی تاتیھم الساعۃ او یاتیھم عذاب یوم عقیم

ہاں خواجہ صاحب نے یہ نہ بتایا۔ کہ اس آیت کا مسئلہ حریت و مساوات سے کیا تعلق ہے

عفو کی تفسیر ۔ خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔

"مرزا صاحب ممدوح نسخ کے مخالف ہیں۔ مگر مفسرین کے اقوال کو جو نسخ کے قائل

ہیں - بطور حجت پیش کرتے ہیں - ان مفسرین کی تائید مرزا صاحب ممدوح اس حد تک کر سکتے تھے - کہ عفو کے معنی ایسا مال ہے - جو ضرورت سے زائد ہو "
معلوم نہیں یہ نتیجہ خواجہ صاحب نے کس عبارت سے نکالا - کہ حضرت صاحب مفسرین کے اقوال کو بطور حجت پیش کرتے ہیں - آپ تو مضمون مندرجہ الفضل مورخہ ۲۱ مارچ میں لکھتے ہیں :-

" مگر یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے - کہ تفاسیر کے بیان کو نقل کرنے سے میری مراد صرف ان کے خیالات بتانا ہی تھی "

اب بتایئے ؟ کہ اس سے حجت ہونا کیونکر نکلا - پھر آپ کا یہ کہنا - کہ اس حد تک مفسرین کی تائید کر دیں - کہ عفو کے معنے ایسا مال ہے - جو ضرورت سے زائد ہے - اس لیئے کہ آپ کے نزدیک اس کے یہی معنی ہیں -

اس کا مفصل جواب تو حضرت صاحب الفضل ۲۰ دسمبر میں دے چکے ہیں - کہ ضرورت سے زائد بچنے کا لفظ بھی مبہم ہے - اور اس سے کیا مراد ہے - اور اسی طرح صحابہ کا طریق عمل اور احادیث بھی جو آپ کے نزدیک اجتہاد نبی کریم ہیں - اس بات پر شاہد ہیں - کہ نبی کریم نے ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے سے سعد کو منع کیا - اور فرمایا -

لان تذر ورثتك اغنیاء خیر من ان تذرھم عالة یتکففون الناس - ترجمہ - ورثا کو غنی چھوڑنا ان کے فقیر چھوڑنے سے بہتر ہے - کہ وہ لوگوں کے آگے ہاتھ پھیلائیں -

اور اسی طرح ثلث مال سے زیادہ میں وصیت کو منع کر دیا -

اور جہاں مفسرین نے اس کے معنے ضرورت سے زائد مال کے لکھے ہیں - وہاں پر انہوں نے جہاد اور اشاعت دین ہی مراد لیا ہے - نہ کچھ اور - چنانچہ اس آیت سے پہلے جنگ کا ذکر ہے -

اور عفو کے معنے احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے یہی ہیں - کہ عفو وہ مال ہے -

جس کا اتفاق شاق نہ گذرے۔ اور عفو کے لفظ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ کہ جو چیز انسان دے۔ اس کو چاہیئے۔ کہ اپنے دل سے بالکل اس کا ذکر بھلا دے۔ اور اس کا دل پہ کوئی اثر نہ رہے۔ یعنی طیب خاطر سے دے۔ کیونکہ اصل عفو طمس اور محو یعنی مٹا دینے کو کہتے ہیں۔

عفو کا مفہوم مخالف

اگر "عفو" کے معنے جو ہم نے کئے ہیں۔ نہ لئے جائیں۔ اور خواجہ صاحب کے مسلمہ معنے لئے جائیں۔ کہ ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینا چاہیئے۔ تو اس کا مفہوم مخالف یہ ہوگا۔ کہ اگر کسی مال کی ضرورت ہو۔ تو اس کو خرچ نہیں کرنا چاہیئے۔ حالانکہ یہ بات قرآن مجید کی آیت

والذین تبوء الدار والایمان من قبلهم یحبون من هاجر الیهم ولا یجدون فی صدورهم حاجة مما اوتوا ویؤثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة و من یوق شح نفسه فاولٰئك هم المفلحون (حشر ع)

ترجمہ۔ اور جو لوگ جگہ پکڑ رہے ہیں اس گھر میں اور ایمان میں اون سے پہلے محبت کرتے ہیں اس سے جس نے اس کی طرف ہجرت کی۔ اور اپنے دلوں میں اس چیز کی کوئی غرض نہیں پاتے۔ جو ان کو ملی۔ اور اپنی جان سے مقدم رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان کو تنگی ہو۔ اور جو اپنے نفس کے لالچ سے بچایا گیا۔ پس یہی لوگ اپنی مراد کو پہنچنے والے ہیں "

کے صریح خلاف ہے۔ کیونکہ اس میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے۔ اور اون کو مفلح قرار دیا گیا ہے۔ جو باوجود بھوکے ہونے کے دوسروں کو اپنے نفس پر ترجیح دیتے۔ دوسرے کو کھلا دیتے۔ اور آپ نہ کھاتے۔

شان نزول

صحیح احادیث میں مروی ہے۔ کہ ایک انصاری کے گھر رات کے وقت۔ ایک مہمان اترا۔ اس کے گھر میں سوائے اپنی اور اپنے بال بچوں کی خوراک کے کچھ نہیں تھا۔ اس نے اپنی بیوی سے کہا۔ چراغ بجھا دے

اور بچے سلادے۔ اور جو چیز ہے۔ مہمان کے آگے رکھ۔ وہ کھانا مہمان نے کھایا۔ اور آپ رات بھر بھوکے رہے۔ مذکورہ بالا آیت ان کی شان میں نازل ہوئی۔ اور یہی خاص الخاص لوگوں کا مرتبہ ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک موقعہ پر جبکہ حضرت عمرؓ اور اون کے درمیان مسابقت ہوئی تھی سارا مال خدا کے راستہ میں دیدیا تھا۔ لیکن خواجہ صاحب کے معنوں کے مطابق کہ جو مال ضرورت سے زائد ہو۔ اس کو خرچ کیا جائے۔ گویا ان کا ایسا کرنا جائز نہیں تھا۔

فی سبیل اللہ کی تعریف

خواجہ صاحب نے آیت والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ اپنے دعوے کی تائید میں پیش کر کے یہ استدلال کیا تھا۔ کہ اس میں سے مال کے مساوی تقسیم کرنے کا فتوےٰ نکلتا ہے۔ حضرت صاحب نے اس کا جواب الفضل مورخہ ۲۱ مارچ میں یہ دیا تھا۔ کہ

"اول تو اس آیت کا مطلب ہی یہ ہے۔ کہ وہ لوگ جو اس وقت جبکہ دین کے راستہ میں مشکلات ہوتے ہیں۔ دین کی اشاعت میں روپیہ صرف نہیں کرتے۔ بلکہ روپیہ جوڑتے رہتے ہیں۔ سزا کے مستحق ہیں مساوی تقسیم کا یہاں سوال ہی نہیں۔ فی سبیل سے مراد قرآن کریم میں اشاعت دین و نصرت دین ہوتی ہے۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ جب دین اور دنیا کا مقابلہ ہو جائے۔ تو ہر شخص کا فرض ہے۔ کہ اپنا مال اور اپنی جان اور اپنی عزت اور وطن اور دوست سب کچھ دین کے لئے قربان کر دے۔"

اس کے جواب میں خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔

"مرزا صاحب ممدوح نے فی سبیل اللہ کی جامع و مانع تعریف جیسا کہ قرآن میں کی گئی ہے۔ نہیں کی۔ آنجناب کی قرآن دانی سے یہ توقع نہ تھی۔"

واقعی اگر خواجہ صاحب جیسی قرآن دانی ہوتی۔ تو ایسی صحیح تعریف نہ کرتے۔ کیونکہ ان کی قرآن دانی تو آیت "وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ" کی تفسیر سے صاف ظاہر ہے۔

خواجہ صاحب اگر قرآن مجید کی آیات پر غور فرماتے۔ تو آپ کو بہ آسانی معلوم ہو سکتا تھا۔ کہ جو تعریف فی سبیل اللہ کی حضرت صاحب نے کی ہے۔ وہی صحیح ہے۔ دیکھئے۔ مندرجہ ذیل آیات میں فی سبیل اللہ سے مراد جہاد اور اشاعت نصرت و دین ہی کا ذکر ہے۔ اور کچھ نہیں۔

۱۔ ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء (۲/۱۹)	ترجمہ۔ جو لوگ اللہ کے راستہ میں قتل ہوتے ہیں۔ ان کو مردہ مت کہو۔ بلکہ وہ زندہ ہیں۔
۲۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ۲/۸	۲۔ ان لوگوں سے اللہ کی راہ میں لڑو جو تم سے لڑتے ہیں۔
۳۔ وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ ۲/۸	۳۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو۔ اور اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو
۴۔ وقاتلوا فی سبیل اللہ واعلموا ان اللہ سمیع علیم (۲/۱۹)	۴۔ اللہ کے راستہ میں لڑو۔ اور یہ جان لو کہ اللہ سمیع و علیم ہے۔

اور بھی متعدد آیات میں "فی سبیل اللہ" انہی معنوں میں آیا ہے۔

معلوم ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب نے قرآن مجید کا ایک دفعہ بھی بغور و غوض مطالعہ نہیں کیا ہے۔ کیونکہ اگر غور سے پڑھا ہوتا۔ تو اقربا سے ابن السبیل تک کے لوگوں کو فی سبیل اللہ میں شامل نہ کرتے۔ کیونکہ ابن السبیل کو خدا تعالے نے فی سبیل اللہ سے علیحدہ بیان کیا ہے۔ جیسے فرمایا۔

انما الصدقت للفقراء والمساکین و العاملین علیها والمولفة قلوبهم	ترجمہ۔ خیرات حق ہے فقیروں اور محتاجوں کا۔ اور جو اس پر عامل ہیں۔ اور جن کے

وفی الرقاب والغارمین وفی سبیل اللّٰہ وابن السبیل فریضۃ من اللّٰہ واللّٰہ علیم حکیم ۶۰ دل الفت دلائے جاتے ہیں۔ اور گردنیں آزاد کرنے میں اور جو قرضدار ہوں۔ اور اللہ کی راہ میں اور نیز مسافروں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ حکیم وعلیم ہے۔

اب شاید خواجہ صاحب کو معلوم ہو جائیگا۔ کہ ابن السبیل وغیرہ فی سبیل اللہ میں شامل نہیں ہیں۔

ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے اور ضرورت کے وقت فی سبیل اللہ خرچ کرنے میں فرق

خواجہ صاحب لکھتے ہیں:۔ "اگر مرزا صاحب ممدوح ذرا تدبر سے کام لیتے۔ تو نیک نیتی سے تسلیم کرتے۔ کہ واقع میں اصل الاصول یہ ہے۔ کہ ضرورت سے زائد وہیں صرف کرنا چاہیئے جہاں اور جس کو اس کی ضرورت ہو"

خواجہ صاحب نے ضرورت کے وقت فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کو اور ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کو ایک ہی قرار دیا ہے۔ حالانکہ ان کے درمیان بین فرق ہے۔ ضرورت کیوقت فی سبیل اللہ خرچ کرنے سے ان معنی کی رو سے جو کئے گئے ہیں۔ "ضرورت سے زائد مال خرچ کرنے کی" کوئی شرط نہیں ہے۔ بلکہ اگر ایسا وقت آجائے۔ کہ وہ مال جس کی سخت ضرورت ہو۔ اسے دین کے لئے خرچ کرنا پڑے۔ تو اس کو بھی بطیب خاطر خرچ کر دینا چاہیئے۔ اور ضرورت سے زائد خرچ کر دینے کا حکم شریعت نے کہیں نہیں دیا۔ جیسا کہ اوپر احادیث اور قرآن مجید سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

ارکان اور اصول - خواجہ صاحب نے اپنے ذہین اور فہیم ہونے کا ایک اور ثبوت دیا ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"جو کچھ مرزا صاحب ممدوح نے فی سبیل اللہ کی تعریف کی ہے۔ اس کی وجہ سے زکوۃ جو بقول آنجناب معینہ اور مقررہ رقم ہے۔ اصل اسلام نہیں ہو سکتی اس لئے ارکان اسلام اور اصول اسلام ہم معنی الفاظ نہیں ہو سکتے"

حضرت صاحب نے مضمون مندرجہ الفضل ۲۰ دسمبر میں لکھا تھا۔

"دوسری ٹھوکر جلد بازی کے سبب سے خواجہ محمد عباد اللہ صاحب اختر نے یہ کھائی ہے۔ کہ انہوں نے یہ نہیں سوچا۔ کہ میں نے اصول اسلام کے الفاظ کن معنوں میں استعمال کئے ہیں"

خواجہ صاحب نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ ارکان اور اصول کو ایک معنی میں استعمال نہیں کیا گیا۔ اور وجہ یہ لکھی ہے۔ کہ زکوۃ معینہ کو ارکان عبادات فعلیہ سے قرار دیا تھا۔ اور رکن بمعنی اصل استعمال کیا تھا۔ لیکن فی سبیل اللہ کی جو تعریف کی ہے۔ اس کی بناد پر وہ اصل نہیں بن سکتی۔

معلوم نہیں خواجہ صاحب نے یہ کہاں سے نکالا۔ کہ وہ اصل نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ سبیل اللہ میں مال کا خرچ کرنا ایک علیحدہ حکم ہے۔ جسکو زکوۃ سے کوئی تعلق نہیں۔ زکوۃ تو اس پر فرض ہوگی۔ جو نصاب کا مالک ہوگا۔ اور سبیل اللہ میں خرچ کرنے کے لئے ضروری نہیں۔ کہ وہ نصاب کا مالک ہو۔ اس لئے خواجہ صاحب کا یہ کہنا کہ رکن اور اصل ہم معنی نہیں ہو سکتے۔ غلط ہے۔

خواجہ صاحب کا اشاعت احمدیت سے بیزار ہونا

خواجہ صاحب خود تو اشاعت اسلام کر نہیں سکتے۔ دوسروں پر نکتہ چینی کرنا چاہتے ہیں چنانچہ طعن آمیز پیرایہ میں لکھتے ہیں۔

"فی سبیل اللہ سے مراد قرآن کریم میں اشاعت دین و نصرت دین (جس کا بیڑا آنجناب نے اٹھایا ہوا ہے) ہوتی ہے"

پھر لکھتے ہیں:۔

"مرزا صاحب ممدوح اس ضرورت کو تسلیم کرینگے۔ کہ یورپ اور امریکہ میں

اشاعت اسلام ہو - لندن میں ایک عالیشان مسجد تعمیر ہو - وغیرہ"
اے نام نہاد مسلمانو! یہ تمہیں کیا ہوگیا - کہ تم اسلام کے دشمن ہوگئے - اور
اس کا عروج دیکھنے سے بیزار ہوتے ہو - اور اس کی پستی پسند کرتے ہو - اور نہیں
چاہتے - کہ اس کی دنیا میں اشاعت ہو - اور وہ پہلے کی طرح پھولے پہلے - حالانکہ ع

ہر طرف کفر است جوشاں ہم چو افواج یزید
دین حق بیمار و بے کس ہمچو زین العابدین
پیش چشمان شما اسلام در خاک اوفتاد
چیست عذرے پیش حق اے مجمع المتنعمین
مردم ذی مقدرت مشغول عشر تہائے خویش
خورم و خنداں نشستہ با بتان نازنین
عالماں را روز و شب باہم فساد از جوش نفس
زاہداں غافل سراسر از ضرور تہائے دین

تم جتنی چاہتے ہو - نکتہ چینیاں کرو - مخالفت پر کمریں باندھو - لیکن
خدا تعالیٰ اب پھر نئے سرے سے مسیح موعود کی جماعت کے ہاتھوں سے تازہ
کریگا - اور تم تھوڑی مدت میں دیکھ لوگے - کہ اسلام اطراف عالم میں پھیلجائیگا

کیا انجمنیں اصول حریت و مساوات پر قایم ہو سکتی ہیں

خواجہ صاحب لکھتے ہیں:-
"ہر ایک انجمن، ہر ایک سبھا، ہر ایک سماج، اصول
مساوات اور حریت پر قایم ہوتی ہے یعنی
ارکان انجمن خواہ ان کے اغراض و مقاصد کچھ ہی ہوں - آزادانہ مساوی رائے
کا حق رکھتے ہیں - کوئی انجمن اصول حریت اور مساوات کے بغیر قایم نہیں رہ
سکتی - اور اس کے اغراض و مقاصد حاصل نہیں ہو سکتے"
اگر انجمنوں کے اصول مساوات اور حریت پر قایم ہونے سے مراد (بعد اجازت
پریزیڈنٹ) آزادانہ رائے دینا ہے - تو تسلیم ہے - مگر رائے کا مساوی ہونا بہ لحاظ

نتائج کے مسلم نہیں - کیونکہ بعض کی آراء اعلیٰ پایہ کی ہوتی ہیں - جو مانی جاتی ہیں - اور بعض کی ایسی ہوتی ہیں - جو رد کی جاتی ہیں - اسی طرح اراکین انجمن میں بھی مساوات نہیں ہوتی - کوئی اس میں پریزیڈنٹ ہوتا ہے - کوئی سکرٹری کوئی محاسب کوئی امین - غرضیکہ ان میں بھی بعض ایسے درجات ہوتے ہیں - جو ایک کو دوسرے سے ممتاز رکھتے ہیں پس یہ دعویٰ کہ ہر ایک بات میں مساوات ہے صحیح نہ ہوا -

تعصب بہت بری بلا ہے

تعصب انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتا ہے اور کس طرح خلاف عقیدہ باتیں منہ سے نکلوا تا ہے -

حضرت صاحب نے اپنے مضمون مندرجہ الفضل ۲۱ مارچ سلسلہ احمدیہ کی کامیابی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا -

"عملی کامیابی کو نظر انداز کر کے عملی ناکامی کو اصلی کامیابی کا راستہ قرار دینا ایک ایسا فعل ہے جس کی حقیقت کو خواجہ صاحب یا اون کے ہم خیال ہی سمجھ سکتے ہیں "

اس کے جواب میں خواجہ صاحب لکھتے ہیں :-

"یہ لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں - کہ ان کا مشن کامیاب ہو رہا ہے حالانکہ باطل بھی کامیاب ہوتا ہے "

بتلایئے ؟ کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے - یا اس کا یہ عقیدہ ہو سکتا ہے - کہ باطل بھی حق کے مقابلہ میں کامیاب ہوا کرتا ہے - خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے -

فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ الکذب او کذب بآیاتہ انہ لا یفلح الظالمون ۔

ترجمہ - جو ظالم ہوتے ہیں - اور انبیاء کے مقابلہ میں آیات کی تکذیب کرتے ہیں اور باطل کو اپنا پیش رو بناتے ہیں - اور کبھی وہ کامیاب نہیں ہوتے -

اور بھی بہت سی آیات اسی مضمون پر دال ہیں - جو قرآن کریم میں موجود ہیں - ان کو جانتے ہوئے ایک قرآن دان کیسے لکھ سکتا ہے - کہ باطل بھی کامیاب ہوا کرتا ہے

خواجہ صاحب کا یہ لکھنا دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ قرآن مجید سے واقف نہیں۔ یا محض تعصب سے لکھدیا ہے۔ دونو صورتوں سے کوئی ہو۔ ایک مسلمان ذی علم کے مناسب حال نہیں ہے۔

دوسرے اگر خواجہ صاحب کا قول کہ "باطل بھی کامیاب ہو جایا کرتا ہے" صحیح تسلیم کیا جائے۔ تو انبیاء کی کامیابی صداقت کا معیار نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ قرآن مجید میں ان کی کامیابی کو معیار صداقت قرار دیا گیا ہے۔

صحابہ پر عربی سے ناواقف ہونے کا الزام

خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔

"حضرت ابوذر غفاری نے آیت والذین یکنزون الخ سے جو کچھ استدلال کیا تہا۔ ہم نے مرزا صاحب ممدوح کی تحقیق و تدقیق کیلئے پیش کیا تہا۔ مرزا صاحب بہول گئے۔ کہ یہ استدلال غریب مزاج صحابی کا ہے۔ اور ہمارا بالتبع ہے۔ کہ 'یہ استدلال بوجہ عربی زبان سے ناواقفیت کے ہے'"

حضرت صاحب نے حضرت ابوذر غفاری کی نسبت کہیں نہیں لکھا۔ کہ یہ استدلال بوجہ عربی زبان سے ناواقفیت کے تہا۔ بلکہ جس پر یہ فقرہ لکھا گیا تہا۔ وہ جناب والاہی کا استدلال تہا۔ نہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کا۔ جیسے آپ نے مضمون مندرجہ وکیل ۱۴ جنوری صفحہ ۱ کالم ۲ میں لکھا ہے

"ان آیات میں دو باتیں قابل توجہ ہیں۔ ایک تو جمع شدہ مال تمام و کمال خرچ کرنا چاہیئے۔ نہ کہ اس کا کچھ حصہ۔ جیسا کہ مرزا صاحب ممدوح کا استدلال ہے۔ اگر ایسا ہوتا۔ تو ھا نہ ہوتا۔ بلکہ منھا ہوتا"

اس استدلال کے جواب میں (جو آپ کا استدلال ہے۔ کہ بعضہا تب مراد ہو سکتا ہے۔ جب منھا ہو) حضرت صاحب نے لکھا تہا۔ کہ یہ بوجہ عربی زبان سے ناواقفیت کے ہے۔ عربی زبان کا قاعدہ ہے۔ کہ کل اور بعض اور ایسے ہی عام الفاظ کو حذف کر دیا جاتا ہے۔ اور کبھی عام الفاظ استعمال کیئے جاتے ہیں۔ اور اس سے

بعض حصہ مراد ہوتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کی نسبت فرماتا ہے "جعلکم ملوکا" اور تم کو بادشاہ بنا دیا۔ حالانکہ سب بنی اسرائیل بادشاہ نہ تھے۔ بلکہ ان میں سے بعض بادشاہ تھے"

کنز کیا چیز ہے

خواجہ صاحب فرماتے ہیں۔

"اگر ہا سے یہ استنباط کرنا کہ سب مال تقسیم کر دینے کا حکم ہے۔ درست نہیں۔ تو آپ کے عربی قاعدہ کے مطابق یہ استنباط کرنا درست ہوگا۔ کہ مال بعضہا تقسیم کرنا چاہیے۔ اور بعضہا کنز"

اول تو یہ دیکھنا چاہیئے۔ کہ آیا ہر مال جمع شدہ کو کنز کہا جاتا ہے۔ یا خاص اموال کو۔ یہ غلط ہے۔ کہ ہر ایک ضرورت سے زائد مال کا جمع کرنا کنز کہلاتا ہے۔

پہلی وجہ کنز جس کے معنے جوڑنے کے ہیں۔ جسے انگریزی میں ہورڈنگ کہا جاتا ہے۔ وہ تو عیب ہے۔ اور مالدار ہونے کو کوئی عیب نہیں قرار دیتا۔ پس مالدار ہونا اور کانز بننا دو الگ الگ چیزیں ہوئیں۔

دوسری وجہ کنز سے ہر ایک مال مراد نہ ہونے کی وجہ صحابہ میں جلیل القدر صحابہ کا مالدار ہونا ہے۔ مثلاً حضرت عثمانؓ اور عبدالرحمن بن عوف جو دونو عشرہ مبشرہ سے ہیں۔ حضرت عثمان کا نام غنی اسی لئے مشہور ہے۔ کہ آپ مالدار تھے۔ اور حضرت عبدالرحمن بن عوف کی نسبت وکیل اامئی میں جناب خواجہ صاحب نے خود تحریر فرمایا ہے۔ کہ

"حضرت عبدالرحمن بن عوف صحابہ میں مالدار تھے"

تیسری وجہ یہ کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ہر ایک قسم کے مال کو جمع کرنا کنز نہیں ٹھہرایا۔ بلکہ کنز کی تعریف یہ کی ہے۔

ما ادی زکوتہ فلیس بکنز وان کان باطنا وما بلغ ان یزکی ولم یزک فھو کنز وان کان ظاھرا

ترجمہ۔ جس مال کی زکوۃ ادا کر دی جائے وہ اگرچہ پوشیدہ رکھا ہوا ہے۔ کنز نہیں ہے۔ اور جو مال نصاب زکوۃ کو پہنچا ہوا

ہو۔ اور اس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے۔ تو
وہ اگرچہ ظاہر ہو۔ کنز ہے۔

اسی طرح اس کی تفسیر عمر بن الخطاب اور عبداللہ بن عمر اور ابن عباس اور جابر رضی اللہ عنہم سے منقول ہے۔

پس کنز وہ مال ہے۔ جس سے وہ حقوق جو اس مال پر واجب ہیں۔ ادا نہ کئے جائیں۔ لیکن جب اس جمع شدہ مال سے زکوٰۃ دیدی جائے۔ تو پھر وہ کنز نہیں رہتا اور ثابت ہوا۔ کہ جب اس کا بعض حصہ خرچ کر دیا جائے گا۔ تو وہ کنز نہیں کہلائیگا

چوتھی وجہ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا سعد کو یہ فرمانا ہے۔ کہ تیرا اپنے وارثوں کو غنی چھوڑنا ان کے فقیر چھوڑنے سے بہتر ہے۔ اس لئے اس کو ثلث مال سے زائد وصیت کرنے سے روکا۔

ضرورت سے زائد مال اور مالی مساوات

اب میں مالی مساوات کے متعلق لکھتا ہوں۔ کہ کیا مالی مساوات ہونی چاہئے۔ یا نہیں؟ اور ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینے کا حکم شریعت میں دیا گیا ہے۔ یا نہیں۔ سو اگر اس اصول کو (کہ ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینا چاہئے۔ اور مالی مساوات ہونی ضروری ہے) تسلیم کریں۔ تو مندرجہ ذیل نقائص لازم آئیں گے۔

پہلا نقص

اول تو اس مالی مساوات کا نتیجہ یہ ہوگا۔ کہ دنیا کی ترقی رک جائیگی اور لوگ کام کرنے سے رکیں گے۔ اور اتنا ہی کام کرینگے۔ جس کے ساتھ ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔ کیونکہ ان کو معلوم ہوگا۔ کہ ضرورت سے زائد مال اپنے پاس رکھنے کا حکم نہیں ہے۔ اس لئے بہتر ہے۔ کہ اتنا ہی کام کریں۔ جس کے ساتھ ضروریات ہی پوری ہو سکیں۔ پھر بعض لوگ ایسے ہوں گے۔ کہ جو اس امید پر کہ کمانیوالے لوگوں سے جو بچیگا۔ وہ ہمیں مل جائے گا۔ کام کرنا چھوڑ دینگے۔ بہر حال دونو صورتوں میں خیر نہیں ہے

دوسرا نقص

دوسرا نقص مالی مساوات سے یہ لازم آئے گا۔ کہ دنیا میں

فساد پھیل جائیگا - اور دنیا کا امن بالکل قائم نہیں رہ سکیگا - جیسے خدا تعالیٰ فرماتا ہے

ولو بسط اللہ الرزق لعبادہ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء - انہ بعبادہ خبیر بصیر - ۲۵پ

ترجمہ - اگر خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو رزق میں فراخی دیدے - اور سب کو مال یکساں ملجائے - تو اس رفاہیت کا نتیجہ یہ ہو - کہ وہ زمین میں بغاوت کریں - لیکن خدا تعالیٰ اندازے کے مطابق جتنا چاہتا ہے - دیتا ہے کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف ہے۔

اس آیت میں خدا تعالٰے نے مالی مساوات نہ ہونے میں اور ایک دوسرے سے احتیاج رکھنے میں یہ حکمت بتائی ہے - کہ اس طرح بغاوت نہیں پھیلتی - مالی مساوات پیدا کرنا اس حکمت کو ضائع کرنے کی کوشش کرنا ہے - جو خدا تعالیٰ نے عدم مالی مساوات میں رکھی ہے - قرآن کریم کی اور بھی بہت سی آیات اسی مضمون پر دلالت کرتی ہیں جن سے ظاہر ہے - کہ عدم مساوات مالی میں خدا تعالیٰ نے مومنوں کیلئے آیات رکھی ہیں - لیکن اکثر لوگ ان کو نہیں جانتے - خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف ہے - اس لئے وہ ہر ایک کو رزق میں فراخی نہیں دیتا - پس جو شخص مالی مساوات کی تعلیم دیتا ہے - وہ غلط راستے پر ہے

تیسرا نقص

تیسرا نقص یہ لازم آئیگا - کہ تمام علوم بیکار ہو جائیں گے - اور تمام صنائع باطل ہو جائیں گی - اس لئے کہ جب اپنے پاس مال رکھنا نہیں - تو مثلاً ڈاکٹر کو کیا ضرورت کہ وہ مریض کا قارورہ دیکھے - اور اپریشن وغیرہ کرے - جبکہ اس کو مال کی ضرورت نہیں - اور بقدر ضرورت اس کے پاس مال ہے

ضرورت سے زائد مال کی اصطلاح مبہم ہے

اگر اس ڈاکٹر کو اس کا عوض ملے - تو اس پر یہ سوال ہے - کہ مریض جو اسکو دیگا - وہ مال ضروریات سے زائد مریض کے پاس ہوگا - یا نہیں - اگر ضروریات سے زائد نہیں ہوگا - تو اس صورت میں

اگر دوسرے کی ضروریات کو پورا کرے ۔ تو پھر بھی مساوات نہ رہیگی ۔ اور اگر زائد ہوگا ۔ تو وہ اس کو پہلے ہی دیدینا چاہیئے تہا ۔ فیس کے طور پر وہ اسے کیوں دیتا ہے ۔ اس طرح دنیا کی تمام منافع باطل ہو جائینگی جن میں مشقت اٹھانی پڑتی ہے ۔ اور اگر کہو ۔ کہ مرض پر خرچ کرنا بھی تو اس کی ضروریات ہی سے ہے ۔ تو ماننا پڑے گا ۔ کہ ضروریات کی اصطلاح مبہم ہے ۔ جیسا کہ حضرت صاحب نے بھی بالوضاحت اپنے مضمون میں ثابت کیا تہا ۔ کیونکہ ہو سکتا ہے ۔ کہ ایک شخص کا چار دن کے بعد مکان گر پڑے ۔ اور ہو سکتا ہے ۔ کہ نہ گرے ۔ اگر وہ اس ضرورت کو مدنظر رکہتا ہوا مال اپنے پاس جمع رکہے ۔ اور پھر مکان نہ گرے ۔ تو ماننا پڑے گا ۔ کہ اس نے مال جمع کیا ہوا ہے ۔ اور اسی طرح کسی کو مرض کا علم نہیں ۔ کہ وہ کب بیمار ہو جائے گا ۔ یا اسی طرح لڑائی ہو جائے ۔ کسی کو قتل کر دے ۔ تو اس کی دیت دینی پڑے ۔ تو وہ کیسے ادا کرے اگر اس نے موجودہ ضروریات سے زائد مال دے دیا ہو ۔ لہذا ضروریات سے زائد مال کی اصطلاح خود مبہم ہے ۔

چوتھا نقص

چوتھا نقص یہ لازم آئیگا ۔ کہ زکوۃ معینہ جو نصاب کے پورا ہونے پر ہوتی ہے ۔ کسی پر فرض نہیں ہوگی ۔ اور یہ حکم دینا عبث ہوگا ۔ کیونکہ جو ضروریات سے زائد مال ہوگا ۔ وہ تو روزانہ لوگوں کو دیدیا جایا کرے گا ۔ پھر کیا پاس ہوگا ۔ کہ زکوۃ دے ۔ پس یہ عقیدہ کہ مالی مساوات ہونی چاہیئے ۔ از روئے عقل بھی جائز نہیں ہے ۔

کیا ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینا چاہیئے

ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینا مال کے جمع نہ ہونیکو مستلزم ہے ۔ حالانکہ قرآن مجید کی کئی آیات میں جمع مال جائز رکہا گیا ہے ۔ ملاحظہ ہو ۔

۱ ۔ کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا ۔ الوصیۃ للوالدین والاقربین ۔ ع

ترجمہ ۔ تم پر لکہا گیا ۔ کہ جب تم میں سے کسی کو موت واقع ہو جائے اگر وہ ماں باپ اور اقربین کے لئے کچھ مال

بطور وصیّت چھوڑ جائے۔

جبکہ مال جمع کرنا جائز نہیں۔ تو پھر وصیّت کے کیا معنی؟ اور مال چھوڑنا کیسا؟ پس خدا تعالےٰ کا مال کے چھوڑنے میں وصیت کرنیکا حکم دینا مال کے جمع ہونے کو مستلزم ہے۔

۲۔ اسی طرح

یوصیکم اللہ فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین۔ نسا ع۲

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں فرماتا ہے۔ کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے

میں وصیّت کا حکم دیا گیا ہے۔

۳۔ ولا تؤتوا السفہاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیٰما وارزقوھم فیھا واکسوھم

ترجمہ۔ بیوقوفوں کو وہ مال اپنے نہ دو۔ جو اللہ نے تمہاری گذران بنائے۔ اور اس میں سے ان کو کھلاؤ اور پہناؤ۔

اور

فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم (نسا ع۱)

ترجمہ۔ پس اگر تم ان میں ہوشیاری پاؤ۔ تو ان کے مال ان کے حوالے کردو۔

یہ اموال جو ضرورت سے زائد تھے۔ ان کو کیوں جمع رکھا گیا۔ اور کیوں پہلے ہی لوگوں کو جن کے پاس ضروریات کے پورا کرنے کیلئے کچھ نہ تھا۔ نہ دیا گیا۔

۴۔ وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطأ ومن قتل مومنا خطأ فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ

نساع ۱۴

اگر ضروریات سے زائد مال رکھنا جائز نہیں۔ تو دیت کا حکم کیوں دیا گیا۔ یہ مال وہ کہاں سے لائیگا۔ جبکہ وہ ضروریات سے زائد مال نہیں رکھتا۔ غرضیکہ قرآن مجید میں مطلقاً جمع مال سے کہیں منع نہیں کیا گیا۔

صحابہ کی ہتک کرنے کا الزام

ایک اور الزام ناروا جو خواجہ صاحب نے حضرت صاحب پر لگایا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ آپ نے صحابہ اور تابعین کو شریر کے لفظ سے نامزد کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں

"ہمارے مرزا صاحب ممدوح نے بوجہ ناواقفیت ان لوگوں کو شریروں کی جماعت سے تعبیر کیا ہے۔ جو فتنہ مذکور کے برپا کرنے کے موجب ہوئے" ہم اس ناگوار بحث کو طول نہیں دینا چاہتے۔ صرف یہ ظاہر کرینگے۔ کہ جماعت اشرار (نعوذ باللہ۔ نقل کفر کفر نباشد) صحابہ اور تابعین ہی تھے"

اول تو اس الزام کا جواب حضرت صاحب الفضل ۲۱ مارچ میں دے چکے ہیں۔ "کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے۔ کہ میں نے صحابہ کرام اور تابعین کو شریروں سے تعبیر کیا ہے۔ خواجہ صاحب آپ جانتے ہیں۔ اور وہ سب لوگ جو میرے خیالات سے واقف ہیں۔ یا جنہوں نے میرا وہ مضمون پڑھا ہے جس کی طرف آپ اشارہ کرتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ یہ خطرناک بہتان ہے میں نے ہرگز کسی صحابی یا تابعی کو شریر نہیں کہا۔ بلکہ میں صحابی یا تابعی کو شریر کہنے یا سمجھنے والے کو شریر سمجھتا ہوں۔ میرے مضمون کا کوئی فقرہ یا جملہ نہ وضاحتاً نہ اشارتاً نہ کنایتہً اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ کوئی صحابی یا تابعی شریر ہے ...... میں نے جو کچھ لکھا تھا۔ وہ یہ تھا۔ کہ حضرت عثمان رضؓ کے زمانہ میں بعض شریروں نے جو صحابہ کے اموال کو دیکھ نہیں سکتے تھے۔ لوگوں میں ان کے خلاف جوش پیدا کرنا شروع کیا۔ اور حضرت ابوذر غفاریؓ کو جو ایک غریب مزاج آدمی تھے۔ اور زیادہ مال پاس رکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن دوسروں کو بھی مجبور نہیں کرتے تھے جا کر اکسایا"

پھر حضور نے لکھا:۔

"اگر خواجہ صاحب کو تاریخ سے ادنٰے درجہ کی واقفیت بھی ہوتی۔ تو وہ

جان لیتے - کہ میں نے جس جماعت کی طرف اپنے مضمون میں اشارہ کیا ہے - وہ عبداللہ بن سبا اور اس کے پیرووں کی جماعت ہے - اور ان کے شریر اور مفسد ہونے کے صحابہ بھی اور بعد کے بزرگان اسلام بھی قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت ابوالدرداء اور حضرت عبادہ بن صامت جیسے معزز صحابہ نے اسے مفسد اور منافق قرار دیا - اور اسکی تمام زندگی ہی اسلام میں فتنہ اور نفاق ڈالنے میں خرچ ہوئی "

ان عبارتوں کے موجود ہوتے ہوئے بھی خواجہ صاحب الزام لگانے سے باز نہ آئے جب کہ شریر کے لفظ کا مصداق بتادیا گیا۔ تو چاہیئے تھا - کہ خواجہ صاحب عبداللہ بن سبا اور اس کے پیرؤں کو نیک اور صالح اور متقی پرہیزگار ثابت کرتے - اور الزام پھر لگاتے - خواہ مخواہ تفسیر القول بمالا یرضی قائلہ کر کے الزام دینا کار خردمنداں نیست

عبداللہ بن سباء کون تھا

مناسب معلوم ہوتا ہے - کہ عبداللہ بن سبا کا بھی ناظرین سے انٹروڈیوس کرایا جائے - کہ وہ کون شخص تھا۔

امام عینی نے اپنی کتاب عقود الجمان میں لکھا ہے - جس کا خلاصہ یہ ہے :-

کہ مورخین جیسے ہشام - واقدی - سیف وغیرہ ہم نے عن عقبہ بن یزید الثقفی بیان کیا ہے - کہ عبداللہ بن سبا یہودی صنعا کا باشندہ تھا - اور اس کی والدہ یہودیہ سوداء تھی - وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے آغاز خلافت میں اسلام لایا تھا - اور اس کا مقصد اسلام کو ہلاک کرنا تھا۔ اس ارادہ سے اس نے شہروں میں چکر لگایا۔ حجاز - شام - عراق - مصر اور اس کے نواحی میں پھرا - اور لوگوں کو حضرت عثمان سے نفرت دلاتا رہا - اس طرح پر اس کے ساتھ کچھ آدمی بھی مل گئے - جو فتنہ کا موجب بنے

پس یہ شخص جس نے اپنی زندگی کا مقصد اسلام کی ہلاکت ٹھہرایا تھا - وہ شریر نہیں تو اور کون تھا۔

فتنہ میں شامل ہونے اور اس کے موجب بننے میں فرق خواجہ صاحب لکھتے ہیں

کہ آپ نے بوجہ نا واقفیت کے ان لوگوں کو شریروں کی جماعت سے تعبیر کیا ہے۔ جو اس فتنہ کے برپا کرنے کے موجب ہوئے۔ کیونکہ اس فتنہ میں صحابی اور تابعی بھی شامل تھے۔"

معلوم ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب نے "فتنہ میں شامل ہونے" اور "اس کے برپا کرنے کا موجب" کو ایک بات سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ "فتنہ کے برپا کرنے کا موجب" ہونا اور ہے۔ اور پھر اس ایجاب کا نتیجہ جو فتنہ کا وقوع ہے۔ وہ اور ہے۔ فتنہ کے برپا کرنے کے موجب اور لوگ تھے۔ ان میں صحابہ اور تابعین سے کوئی شخص نہ تھا۔ برپا کرنے کے موجب وہی عبد اللہ بن سبا اور اس کے پیرو تھے۔

پھر خواجہ صاحب محمد بن ابی بکر کا حوالہ دیکر کہتے ہیں۔ کہ

"یہ بھی قتل عثمان کے فتنہ کے برپا کرنے کے موجب تھے۔ اور یہ حضرت علی کے سچے متبع تھے۔ اور اپنے کئے پر پشیمان بھی نہیں ہوئے۔ اور حضرت علی نے ان (محمد بن ابی بکر) کو حضرت عثمان کے عامل عبد اللہ بن ابی سرح کو معزول کر کے حکومت مصر تفویض فرمائی۔ اس سے یہ بھی شبہ پڑتا ہے۔ کہ خواجہ صاحب کے نزدیک حضرت علی بھی قتل عثمان سے راضی تھے۔ کیونکہ بقول خواجہ صاحب انہوں نے اس شخص کو جو قتل عثمان میں شریک ہوا۔ مصر کا گورنر مقرر کر دیا۔ حالانکہ جو شخص تاریخ سے تھوڑی بھی واقفیت رکھتا ہو۔ وہ کبھی ایسا نہیں لکھ سکتا۔ کیونکہ حضرت علی کا قتل عثمان سے راضی ہونا باطل ہے۔ فمستلزم الباطل باطل۔

رجعت ۔ حضرت صاحب نے لکھا تھا۔ کہ

عبد اللہ بن سبا ہی وہ شخص تھا۔ جس نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی رجعت کا مسئلہ ایجاد کیا تھا۔ اور لوگوں میں یہ بات پھیلاتا تھا۔ کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پھر دوبارہ اسی جسد عنصری کے ساتھ تشریف لائینگے۔

اس کے جواب میں خواجہ صاحب لکھتے ہیں۔

"رہا یہ امر کہ وہ رجعت کا قائل تھا۔ کیا مرزا صاحب ممدوح رجعت کے قائل

نہیں۔ کیا یہ مسیح اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ثانی کو تسلیم نہیں کرتے۔
...... یہ اور بات ہے۔ کہ بروزی رنگ میں ہیں"

کیفیت کے بدلنے سے احکام بھی بدلجاتے ہیں

خواجہ صاحب جسد عنصری کے ساتھ رجعت اور بروزی رنگ کی رجعت کو ایک ہی حکم میں بتا رہے ہیں۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ جسد عنصری کے ساتھ آنا محال ہے۔ لیکن کسی کا بروز اور مثیل ہونا اور بات ہے۔ کیفیت کے بدلنے سے حکم بھی بدل جاتا ہے۔ مثلاً کھجور کے نبیذ کا پینا شریعت میں جائز ہے۔ لیکن وہی اگر دو تین دن تک پڑا رہے۔ تو اس کی کیفیت بدل جاتی ہے۔ کیونکہ مسکر یعنی نشہ دینے والا بنجاتا ہے۔ پھر اس کا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ پس کیفیت کے بدلنے سے حکم بھی تبدیل ہو گیا۔ تو رجعت بروزی رنگ میں اور جسد عنصری کے ساتھ دو کیفیتیں ہیں۔ جن کا علیحدہ علیحدہ حکم ہے۔

خواجہ صاحب تمام مسلمانوں کے خلاف

خواجہ صاحب بعض جگہ تو احادیث کو قرآن مجید کے بعد کا درجہ دیتے ہیں۔ اور بعض جگہ اس سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور بعض جگہ اسے اجتہاد نبی کریم مانتے ہیں اور خاص حالات و واقعات کے ساتھ مقید کرتے ہیں۔ اور بعض جگہ کہتے ہیں کہ اکثر احادیث خاص حالات کے ساتھ وابستہ ہیں۔ ساری کی ساری نہیں۔

اب خواجہ صاحب تمام مسلمانوں کے خلاف اپنا عقیدہ ظاہر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔
"مسیح ابن مریم کی آمد ثانی کا انتظار تو دو ہزار برس سے ہو رہا تھا۔ آمد ثانی کے آنجناب بھی معتقد ہیں۔ یہ اور بات ہے۔ کہ بروزی رنگ میں ہیں۔ دنیا میں ایسے خوش اعتقادوں کی کمی نہیں۔ اور کسی فرقہ میں کمی نہیں۔ جو اوتاروں انبیاء اور رسل اور ولیوں کی رجعت کسی نہ کسی رنگ میں تسلیم نہیں کرتے اصولاً سب ایک ہی تھیلی کے بٹے ہیں۔ ایسا ہی عبداللہ بن سبا ایک تھا یہود و نصاریٰ رجعت کے قائل ہیں۔ ہندو رجعت کے قائل ہیں۔ اور اب مسلمان انہی کی سی باتیں بناتے ہیں۔ کتاب اللہ میں اس کی کوئی سند

ہنیں۔ تلٰث اماینھم۔

اس جگہ میں اس بحث میں پڑنا ہنیں چاہتا۔ کہ آیا کتاب اللہ یا احادیث میں بنی کریم یا مسیح کی کسی قسم کی رجعت کا ذکر ہے یا نہیں۔ میں صرف مسلمانوں کو خواجہ صاحب کے عقیدہ کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ کہ ان کا عقیدہ ہے۔ کہ سب مسلمان نزول مسیح کے عقیدہ میں غلطی پر ہیں۔ کیا مسلمان خواجہ صاحب کی اس بات کو ماننے کیلئے تیار ہیں۔ اور کیا یہ مان کر وہ مسلمان اور خصوصاً مولویان امرتسر عبداللہ بن سبا بننے کیلئے تیار ہیں۔ اور کیا خواجہ صاحب کو وہ نزول مسیح کے دلائل نہیں بتا سکے۔ کہ انہوں نے ایسا عقیدہ پیش کیا۔ جو قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہے۔

مومن کون ہوتا ہے۔ حضرت صاحب نے صحابی کی یہ تعریف کی تھی۔ کہ "جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔

اور جبکو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مومنوں میں شامل کیا"

اس پر خواجہ صاحب دو واقعات پیش کرتے ہیں۔ کہ صرف لا الہ الا اللہ کہ دینے والا مومن ہوتا ہے۔ جیسے مالک کے حضرت ابوبکر صدیق کے گھر نہ آنے پر (جبکہ بنی کریم آپ کے گھر سفر سے تشریف لائے تھے۔) کسی نے یہ کہ دیا۔ کہ وہ بوجہ منافق ہونے کے حاضر نہیں ہوا۔ تو آپ نے فرمایا۔

لاتقل ذالك الا تراہ قد قال لا الہ الا اللہ یرید بذالك وجہ اللہ — ترجمہ۔ تو اسے ایسا نہ کہ۔ تو دیکھیگا۔ وہ کہیگا۔ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور اسی کی بدولت وہ اللہ کا دیدار حاصل کریگا۔

اس شخص نے عرض کی۔ کہ بلاشبہ اس کی توجہ اور خیر خواہی منافقوں کے ساتھ زیادہ دیکھنے میں آئی ہے۔ فرمایا۔

فان اللہ عزوجل قد حرم النار من قال لا الہ الا اللہ یبتغی بذالك وجہ — ترجمہ۔ بحقیق اللہ تعالیٰ عزوجل نے اس شخص پر آگ حرام کر دی۔ جس نے کہ دیا کہ

اللہ۔ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی کی بدولت وہ دیدار الٰہی پائیگا

میں پوچھتا ہوں۔ ان واقعات کے پیش کرنے سے صحابی کی پیش کردہ تعریف کیسے باطل ہوگئی۔ اس میں تو اسی شخص کے لئے خود نبی کریم کی شہادت ہے۔ کہ وہ لا الہ الا اللہ کہ دینے سے وجہ اللہ چاہتا ہے۔ منافق نہیں ہے۔ زبان سے لا الہ الا اللہ کہ دینے سے نجات نہیں ملتی۔ بلکہ اصول و ارکان اسلام کو ماننا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اور یہ سب لا الہ الا اللہ میں ہی اجمالاً بتا دیا گیا ہے۔ اس کے معنے ہیں۔ خدا کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں ہے۔ یعنی اس میں بندہ خدا تعالےٰ کو معبود اور اپنے آپ کو عبد قرار دیتا ہے۔ اور وہ اس کا عبد کامل بن نہیں سکتا۔ جبتک کہ اس کے احکام پر عمل نہ کرے۔ اور احکام کے لئے رسول اور کتاب اور فرشتوں کی ضرورت ہے۔"

اصل مقصود بالذات انسان کا خدا ہی ہے۔ باقی اصول ایمان رسول فرشتے اور کتاب خدا تعالیٰ کا منشا معلوم کرنے کے ذرائع ہیں۔ اور ان کے نتیجہ کے لئے یوم آخر ماننا ضروری ہے۔ پھر ان ذرائع کو ماننا بھی خدا تعالےٰ نے فرض اور اصل ایمان قرار دیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔ کہ جو شخص ان میں سے کسی کو نہیں مانتا۔ وہ کافر ہے۔ مسلمان نہیں۔ جب ارکان اسلام کو نہ ماننے والا قرآن مجید کی رو سے مسلمان بھی نہیں ہو سکتا۔ تو اگر کوئی کسی حدیث کا مفہوم اس کے مخالف ہو۔ تو وہ حدیث قابل اعتبار نہیں ہوگی۔

مسلمانوں میں تفرقہ کی وجہ حسد مال تھی یا محبت مال؟

حضرت صاحب نے لکھا تھا۔ کہ تفرقہ کی وجہ "حسد مال تھی" اس پر خواجہ صاحب یوں گوہر فشاں ہیں۔

"اسلام میں تفرقہ اور نفاق کی وجہ بقول مرزا صاحب ممدوح حسد مال نہ تھی۔ بلکہ محبت مال تھی۔ فی الحقیقت حسد مال اس محبت مال کا نتیجہ تھی۔ وجہ

نہیں ہو سکتی"

خواجہ صاحب! اسلام میں تفرقہ کی وجہ محبت مال نہیں تھی۔ کیونکہ جو لوگ فتنہ کے برپا کرنے کے موجب تھے۔ انہوں نے صحابہ کو مالدار دیکھکر حضرت ابوذر غفاری کو اس لئے اکسایا۔ کہ مال جمع کیا جائے۔ تو پھر وہ خود کیسے جمع کر سکتے تھے۔ محبت مال تو اس بات کی مقتضی ہے۔ کہ وہ اموال کو جمع کرنے کی کوئی تدبیر نکالتے۔ اور اپنے پاس مال رکھتے۔ وہاں حسد ہی کی وجہ صادق آسکتی ہے۔ کیونکہ حسد کا مفہوم صرف اتنا ہے۔ کہ دوسرے کے پاس محسود علیہ چیز نہ رہے۔ یہ شرط نہیں۔ کہ حاسد کو وہ چیز مل بھی جائے۔ حاسد کی صرف یہ غرض ہوتی ہے۔ کہ مجھ کو چیز ملے یا نہ ملے لیکن محسود کے پاس نہ رہے۔ اور محبت مال چاہتی ہے۔ کہ وہ مال ان کے پاس آجائے مگر یہ ان کا منشا ہی نہیں تھا۔ پس حسد مال ہی تفرقہ کی وجہ تھی۔ نہ محبت مال۔

حریت و مساوات خواجہ صاحب آیت ان اللّٰہ یامرکم بالعدل والاحسان وایتائ ذی القربیٰ نقل کر کے لکھتے ہیں

"حریت و مساوات کی تعریف ان آیات میں جامع و مانع کی گئی ہے"

مگر اس آیت سے خواجہ صاحب کا یہ مطلب تو کسی طرح حل نہیں ہو سکتا۔ کہ "ہر ایک چیز میں حریت و مساوات ہے" کیونکہ اس آیت میں تو خدا تعالیٰ انسان کو تین باتوں کا حکم دیتا ہے۔ اول عدل کہ اگر تم سے کوئی معاملہ کرے۔ تو اس کو برابر بدلہ دو۔ اور اس کا حق نہ مارو۔ اگر ایک نوکر ہے۔ تو اس کو چاہیئے۔ کہ وہ نوکری کے بدلے میں کام بھی ویسا ہی کر کے دکھائے۔ غرضیکہ ہر ایک وہ فائدہ جو کسی کو پہنچتا ہے۔ اس کا فرض ہے۔ کہ دوسرے کو بھی ویسا ہی فائدہ پہنچائے۔ اس سے اوپر کا درجہ احسان ہے کہ تم بدلہ لینے کی خواہش نہ کرو۔ تیسرا درجہ ایتاء ذی القربیٰ ہے۔ اور یہ سب سے اعلیٰ درجہ ہے۔ کیونکہ احسان کرتے وقت بھی انسان اپنے دل میں یہ خواہش رکھتا ہے۔ کہ دوسرا بھی مجھ سے ایسا ہی کرے۔ لیکن ایتاء ذی القربیٰ میں اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ کہ تم ایسا احسان کرو۔ جیسا ماں بچے پر کرتی ہے

وہ کسی خواہش کیلئے نہیں کرتی۔خدا نے اس کی طبیعت میں ہی محبت رکھی ہے۔عدل میں تو کہہ سکتے ہیں۔کہ مساوات ہوگئی ہے۔کہ دونوں نے ایک دوسرے سے یکساں معاملہ کیا۔اور یہ صرف معاملہ کرنے میں مساوات ہوئی۔لیکن احسان اور ایتاء ذی القربیٰ میں کیسے مساوات ہوسکتی ہے۔کیونکہ ایک احسان کرنے والا اور دینے والا ہے۔اور دوسرا لینے والا اور رہین احسان ہے۔وہ دونو کیسے برابر ہوسکتے ہیں۔

گورنمنٹ کی بیجا حمایت کرنیکا الزام

خواجہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"آخر میں ہم میاں صاحب ممدوح کو ایک نیک مشورہ دیتے ہیں۔کہ ہماری رائے میں یہ مناسب نہیں۔کہ وفاداری بیجا خوشامد کی حد تک پہنچ جائے"۔

یہ بھی خواجہ صاحب نے الزام لگایا ہے۔کہ ہم گورنمنٹ کی خوشامد کرتے ہیں۔خدا تعالیٰ خوب جانتا ہے۔کہ ہم نے گورنمنٹ کی کبھی بیجا خوشامد نہیں کی۔بلکہ ہم جو کچھ کرتے ہیں محض خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی رضا کیلئے کرتے ہیں۔اور لوگوں کو اس کے کرنے کا حکم دیتے رہتے ہیں۔لوگوں نے بغاوتیں برپا کیں شورشیں مچائیں۔اور قانون کی خلاف ورزی کی۔اور گورنمنٹ کے خلاف صدائیں بلند کیں لیکن ہم نے بطور ہمدردی انہیں روکا۔اور بتایا۔کہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔کیونکہ وہ اس حد تک کہ جس سے اسلام کا کوئی حکم نہ ٹوٹے۔بادشاہ کی اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہے۔بہتر تھا۔کہ خواجہ صاحب کو اگر یہ وہم ہے۔کہ ہم بیجا خوشامد کرتے ہیں۔تو وہ ایک دو مثالیں پیش کردیتے۔تاکہ ہمیں بھی اور دوسرے لوگوں کو بھی معلوم ہوجاتا۔کہ ہم بیجا خوشامد کرنے والے ہیں۔ورنہ ایسے ہی الزام دیدینے سے کیا فائدہ ہے

حریت و مساوات کا مفہوم

خواجہ صاحب شراب کی مثال دیکر لکھتے ہیں۔کہ شراب کا پینا تو گورنمنٹ نے جرم قرار نہیں دیا۔لیکن شراب کشید کرنا جرم قرار دیا ہے۔اور خود شراب کشید کرتی ہے۔تاکہ منافع کثیر ہو۔تو حریت و مساوات کا مفہوم یہ ہے۔کہ جو فعل ایک شخص سے سرزد ہونا جرم ہے

تو وہی فعل دوسرے کیلئے بھی جرم ہے - اگر شراب کشید کرنا جرم ہے - تو راعی اور رعیت دونو کیلئے یکساں جرم ہونا چاہیئے - مگر یجوایٹ صاحب کا یہ منشا ہے - کہ کیا آنجناب کی خلافت کا یہ منشا نہیں - کہ گورنمنٹ کو راہ راست پر لانے کی کوشش کریں"۔

اس اصول سے ہم متفق ہیں - کہ جو فعل ایک شخص سے سرزد ہونا جرم ہے - تو وہی فعل انہی حالات میں دوسرے کیلئے بھی جرم ہے - اور جو مثال شراب نوشی و کشیدگی کی پیش کی گئی ہے - اس میں مسلمان سوائے اس کے کیا کہہ سکتے ہیں - کہ گورنمنٹ شراب نوشی و کشیدگی دونو کو جرم قرار دے - کیونکہ اسلام میں شراب نوشی و کشیدگی دونو منع ہیں - لیکن گورنمنٹ کے نزدیک جو مسلمان نہیں - دونو امر جائز ہیں - پس اگر ہم گورنمنٹ کو بند کرنے کے لئے کہیں - تو وہ جائز سمجھتی ہوئی اسے بند نہیں کر سکتی - اور اگر کہیں - کہ عام اجازت ہو - اور شراب کشیدگی بھی جرم نہ ہو - تو اس سے اور شراب نوشی پھیلتی ہے - ان حالات میں جتنی مخالفت ہے - وہ بھی قابل شکریہ ہے - رہی یہ بات کہ کیا خلافت کا یہ منشا نہیں - کہ گورنمنٹ کو راہ راست پر لانے کی کوشش فرمائیں - اس کا جواب حضرت صاحب ۲۰ دسمبر کے الفضل میں دے چکے ہیں -

"میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بات کو اچھی طرح سمجھتا ہوں - کہ اسلام نے کس حد تک اور کن معنوں میں حریت و مساوات کی تعلیم دی ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے احکام کے مطابق اسلامی حریت کے اس حصہ کو جس کا قیام میری ذات سے متعلق ہے - قائم کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہوں"۔

خواجہ صاحب کے ایک سوال کا جواب

خواجہ صاحب آیات یسئلونک عن الیتامی اور واٰتوا الیتامیٰ اموالھم الخ وابتلوا الیتمیٰ لکھ کر سوال کرتے ہیں :-

"ان آیات میں جس دستور العمل کی تشریح کی گئی ہے۔ کیا اس پر یورپ کاربند ہے"
اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یورپ تو علیحدہ رہا۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں۔ کیا ہندوستان
پورے طور پر اسپر کاربند ہے۔

اگر یورپ اس پر کاربند ہے۔ تو پھر کوئی سوال نہیں۔ اگر وہ کاربند نہیں ہے۔ تو اس
پر کاربند کرنے کی یہی صورت ہے۔ کہ اس پر اسلام کی سچائی ثابت کی جائے۔ اور قرآن
مجید کی حقانیت کا اظہار کیا جائے۔ اور وہ اسے مانیں۔ اور ان احکام پر کاربند ہوں۔ اس
کے لئے ہم خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر وقت کوشش کرتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ہزار ہا روپیہ
اشاعت اسلام پر ہمارا خرچ ہوتا ہے۔ اور یورپ کے ممالک میں اسی لئے مشن قایم کئے ہوئے
ہیں۔ تاکہ قرآن مجید کی تعلیم پر انہیں چلایا جائے۔

ہر ایک بات میں مساوات نہیں ہے

اب میں خواجہ صاحب کو توجہ دلاتا ہوں۔ کہ وہ اصل مضمون
پر آئیں۔ اور ادہر ادہر کی باتوں میں نہ الجھیں۔ سنئے۔ اور
بگوش ہوش سنئے۔

ہم مطلق مساوات وحریت کے منکر نہیں۔ بلکہ جس جگہ اسلام نے مساوات قرار دی
ہے۔ وہاں مساوات مانتے ہیں۔ اور جس جگہ نہیں۔ اس جگہ نہیں۔ لیکن آپ کا دعوے یہ
ہے۔ کہ اسلام میں ہر جگہ ہر ایک بات میں مساوات ہے۔ اس کی تردید میں آپ کے سامنے
ایک مثال کسی قوم کا کسی وجہ سے دوسری قوموں پر ممتاز ہونا بھی بیان کی گئی تھی۔ اور
بتایا گیا تہا۔ کہ حضرت ابراہیم کی قوم کو فضیلت حاصل تھی۔ نیز قریش کے متعلق نبی کریم
کا خیادھم فی الجاھلیۃ خیادھم فی الاسلام اذا فقھوا فی الدین فرمانا۔ اور
اسی طرح خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا ہے۔ وانی فضلتکم علی العالمین۔ تو بنی
اسرائیل بھی اپنے وقت میں دوسری قوموں پر فضیلت رکھتے تھے۔

بعض احکام میں بھی خدا تعالےٰ نے مساوات نہیں رکھی

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر ترجمہ۔ جو شخص حج کے ساتھ عمرہ کا فائدہ اٹھائے

من الهدی۔ فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام فی الحج وسبعۃ اذا رجعتم تلک عشرۃ کاملۃ ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام۔

تو جو میسر ہو۔ قربانی پہنچادے۔ پھر جس کو پیدا نہ ہو۔ وہ ایام حج میں تین دن روزہ رکھے۔ اور سات دن جب پھر کر جاؤ۔ یہ دس پورے ہوئے۔ یہ اس شخص کے لئے ہے۔ جس کے اہل مسجد حرام کے رہنے والے نہ ہوں۔

اس آیت میں اہل مکہ اور باہر سے آنے والوں میں فرق کیا ہے۔ کہ باہر سے آنے والے اگر قربانی نہ پائیں۔ تو اس کی بجائے دس روزے رکھیں۔ لیکن اہل مکہ قربانی کی بجائے روزے نہیں رکھ سکتے۔

رسل کے درمیان بھی مساوات نہیں

اس کے علاوہ رسولوں کے درمیان بھی درجات کے لحاظ سے مساوات نہیں۔ کوئی افضل ہے۔ کوئی مفضول علیہ۔ جیسے خداتعالی فرماتا ہے

تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض ؀۳ ترجمہ۔ کہ ہم نے رسل سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔

اور خواجہ صاحب بھی نبی کریم کی ایک فضیلت اپنے خیال کے مطابق آیت وما ارسلنا من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ میں بیان کر چکے ہیں۔

عورت اور مرد میں بلحاظ گواہی کے مساوات نہیں

پھر عورت اور مرد میں بلحاظ گواہ ہونے کے مساوات نہیں۔ ایک مرد کو دو عورتوں کے مقابل رکھا گیا ہے جیسے خداتعالی فرماتا ہے

واستشھدوا شھیدین من رجالکم فان لم یکونا رجلین فرجل وامراتٰن ممن ترضون من الشھداء ان تضل احدھما فتذکر احدھما الاخریٰ ؀

ترجمہ۔ مردوں میں سے اپنے دو شاہد بناؤ۔ اگر دو مرد میسر نہ ہوں۔ تو گواہوں میں سے ایک مرد اور دو عورتیں جنہیں تم پسند کرو۔ کہ اگر ان میں سے ایک بھول جائے۔ تو دوسری یاد دلا دے۔

اولی الامر اور رعایا میں بعض باتوں میں مساوات نہیں

اولی الامر اور رعایا کے درمیان ہر ایک بات میں مساوات نہیں رکھی گئی - خدا تعالےٰ فرماتا ہے۔

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ - ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم - نساء ع ۱۳

ترجمہ - اگر کوئی بات امن یا خوف کی ہوتی ہے تو وہ اسے مشہور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کو ایسی باتیں رسول یا اولی الامر کے پاس پہنچانی چاہئیں - رعایا کا حق نہیں - کہ وہ مشہور کرے - اور اولی الامر تک نہ پہنچائے - پس ہر ایک بات کے فیصلہ کرنے کا رعایا حق نہیں رکھتی۔

بعض حدود میں بھی مساوات نہیں

خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب - نساء ع ۵

اس آیت میں خدا تعالےٰ نے لونڈی کی سزا حرہ عورت سے نصف رکھی ہے - اگرچہ اپنی اپنی نوع کے لحاظ سے کہ تمام حرائر کی سزا اور تمام لونڈیوں کی سزا میں مساوات ہے لیکن لونڈیوں اور حرائر میں عورتیں ہونے کے لحاظ سے ان کی سزا میں مساوات نہیں رکھی گئی - بلکہ ایک کی سزا کامل اور ایک کی نصف مقرر کی ہے - اسی طرح آیت

وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطأ ومن قتل مومنا خطأ فتحریر رقبۃ مومنۃ ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا فان کان من قوم عدو لکم وھو مومن فتحریر رقبۃ مومنۃ وان کان من قوم

ترجمہ - کسی مومن کا حق نہیں - کہ وہ کسی مومن کو قتل کرے - ہاں اگر خطاءً مومن کو قتل کر بھی دے - تو اس کو ایک مومن کی گردن آزاد کرنی چاہئے - اور مقتول کے اہل کو دیت بھی دینی چاہئے - اور اگر مقتول

بینکم وبینھم میثاق فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ وتحریر رقبۃ مومنۃ فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین (النساء ع ۱۳)

مومن ایسی قوم سے ہو۔ جو تمہارا دشمن ہے تو اس کی دیت صرف مومن کی گردن آزاد کرنا ہے۔ اور اگر وہ ایسی قوم سے ہے جن سے تمہارا معاہدہ ہے۔ تو اس کی دیت بھی دینی پڑیگی۔ اور ایک مومن کی گردن بھی آزاد کرنا ہوگی۔ مقتول سب میں مومن ہے۔ لیکن صرف مکان کی تبدیلی سے ان کی سزا میں مساوات نہیں رکھی گئی۔ اس لئے خواجہ صاحب کا یہ لکھنا کہ ہر ایک جگہ حریت و مساوات ہے غلط ہے۔

عورت اور مرد کے حقوق میں بکلی مساوات نہیں

حضرت صاحب نے اپنے مضمون مندرجہ الفضل ۲۱ مارچ میں خواجہ صاحب کے چیلنج کے جواب میں یہ ثابت کیا تھا کہ عورت اور مرد کے تمام حقوق مساوی نہیں۔ جیسے عورت اور مرد کے وارث ہوکر ورثہ حاصل کرنے اور اصلاح کے لئے مارنے میں مرد عورت کو مار سکتا ہے۔ عورت نہیں۔ شریعت نے مساوات نہیں رکھی۔ اسی طرح مرد کو تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔ عورت کو نہیں۔ مرد نفلی روزہ بغیر اجازت زوجہ رکھ سکتا ہے۔ لیکن زوجہ بغیر اجازت خاوند نہیں رکھ سکتی۔ عورت کیلئے نکاح کے وقت ولی کی ضرورت ہے۔ مرد کے لئے نہیں۔ ان باتوں کا خواجہ صاحب نے کوئی جواب نہیں دیا۔

خواجہ صاحب کا چیلنج منظور

خواجہ صاحب مذکورہ بالا باتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے آیت ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربع لکھکر چیلنج دیتے ہیں کہ:۔

"اس آیت میں بھی حریت و مساوات کے اصول اپنا کام کر رہے ہیں۔ اگر

تحقیق مطلوب ہو۔ تو چیلنج منظور کر سکتے ہیں ؟

خواجہ صاحب کو چاہیئے تہا۔ کہ وہ اس کے متعلق اپنی تحقیق لکھہ دیتے۔ جبکہ الفضل ۲۱ مارچ میں لکھا گیا تہا۔ کہ عورت اور مرد کے درمیان تعدد ازدواج میں بھی مساوات نہیں رکھی گئی۔ چونکہ خواجہ صاحب نے جواب دینے کی بجائے پھر چیلنج دیا ہے۔ سو میں ان کے چیلنج کو منظور کرتا ہوں۔ تو خواجہ صاحب سے تحقیق کے لئے ایک بات پیش کرتا ہوں۔ کہ اگر وہ اس بحث کو چلانا چاہتے ہیں۔ تو باقاعدہ بہ پابندی اصول مناظرہ چلائیں۔ پہلے اپنا دعویٰ لکھیں۔ پھر اس کے دلائل تحریر کریں۔ اور ہم سے جواب طلب کریں۔ ہم جو مناسب ہوگا۔ جواب دینگے۔ آخر میں خواجہ صاحب سے یہ بھی گزارش ہے کہ وہ ادہر ادہر کی بحثوں میں نہ الجھیں۔ اور اصل مسئلہ کے متعلق لکھیں۔ اگر اسی طرح دیگر بحثوں میں الجھیں گے۔ اور اصل مسئلہ پر نہیں آئینگے۔ تو اصل مقصد فوت ہو جائیگا۔

والسلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

اسلام اور حریت و مساوات

مرزا بشیر الدین احمد محمود صاحب نے قلم ہاتھ سے رکھہ دیا۔ اور پس پردہ ہو گئے مولوی فاضل جلال الدین صاحب نے اٹھا لیا۔ اور رونما ہوئے۔ ہم ان کی تحریر کا جواب ذیل میں عرض کرتے ہیں:

آنحضرت کا وجود ختم نبوت پر مہر شہادت ثبت کر چکا ہے

لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی اسلام کا جس کے ساتھ رسول کریم مبعوث ہوئے طغرائے امتیاز یہ ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ آنحضرت کی بعثت سے پیشتر عام طبائع ہدایت وضلالت حق و باطل میں امتیاز نہیں کر سکتی تہیں۔ کیونکہ نہم انسانی بالغ نہ تہا۔ قانون فطرت ہے۔ کہ بہ تقاضائے محبت و شفقت و رحمت والدین اپنے بچے کے سرپرست ہوتے ہیں۔ لیکن جب بچہ بالغ و عاقل

ہنو جاتا ہے۔ تو یہ سرپرستی اٹھ جاتی ہے۔ اگر والدین حق سرپرستی پر اصرار کریں۔ تو مفہوم جبرو اکراہ ہے۔ اسی طرح انبیار ورسل کی سرپرستی اللہ تعالیٰ رؤف ورحیم کی طرف سے بنی نوع انسان پر رہی ہے۔ لیکن اب جبکہ فہم انسانی بالغ ہو چکا ہے۔ اور قد تبین الرشد من الغی کا دور دورہ ہے۔ حق و باطل میں نمایاں امتیاز ہے۔ انبیار کی سرپرستی ہمیشہ کے لئے اٹھ گئی ہے۔ اس لئے حریت مجسم نے اعلان فرما دیا۔ کہ "لانبی لبعدی"

اسلام شخصی حکومت تسلیم نہیں کرتا

اسلام زندگی ہے۔ اور زندگی کے ہر ایک شعبہ پر حاوی ہے۔ اس لئے قد تبین الرشد من الغی" کا اطلاق انبیار کی شخصیت پر اور شخصی حکومت پر یکساں ہے

قرون اولیٰ میں مطلق العنان بادشاہ "انا ربکم الاعلیٰ" کا دم بھرتے تھے۔ رفتہ رفتہ ان کے اختیارات سلب ہوتے گئے۔ اور نسبتاً جمہور کی طاقت بڑھتی گئی۔ آج بادشاہ ایک نام ہے۔ اور یہ بھی مٹنے والا ہے۔ یہ مفہوم ہے۔ لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" کا "انی جاعل فی الارض خلیفہ" کا یہ مفہوم ہے۔ کہ حضرت انسان ہر ایک ترقی کا جس کا سلسلہ الی ربک المنتہیٰ" ہوتا ہے۔ اہل اور مستحق ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک شئی جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ ہمارے فائدہ کے لیے مسخر کر دی ہے

الم تروان اللہ سخر لکم مافی السموات ومافی الارض واسبغ علیکم نعمۃ ظاہرۃ وباطنۃ (۲۱-۱۲)

ترجمہ۔ کیا تونے مشاہدہ نہیں کیا۔ کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ سب کو اللہ نے تمہارا مطیع فرمان کر رکھا ہے اور تم پر بنی ظاہری و باطنی نعمتیں پوری کر دی ہیں

وسخر لکم الیل والنہار والشمس والقمر والنجوم مسخرات بامرہ ان فی ذلک لایت لقوم یعقلون

ترجمہ۔ اور اپنے حکم سے تمہارے تابع فرمان رات اور دن اور سورج اور چاند اور تارے کر دئے۔ بلاشبہ عقلمندوں اور داناؤں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔

فلا خوف علیہم ولا ہم یحزنون کا راز حریت میں مضمر ہے

جس ہستی کے فائدہ کے لئے دن، رات، چاند سورج، ستارے، بحر و بر مسخر ہو چکے ہوں۔ وہ ہستی فی الحقیقت عقل سے بے بہرہ ہے اگر ان کی پجاری ہے۔ خلیفۃ اللہ ان کا محکوم نہیں ہے۔ ان کی حکومت سے آزادی حاصل کر چکا ہے۔ اب "ماسوی" ہمارا خادم ہے۔ جیسا کہ فی الحقیقت آفرینش سے تھا مگر ہمیں معلوم نہ تھا۔ لاعلمی میں انسان بجلی کی چمک، رعد کی گرج، طوفان باد و باراں سے سہم جاتا۔ مارے ڈر کے سجدہ میں گر پڑتا۔ ان خیالی دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے اور ان کے غیظ و غضب سے بچنے کے لئے بھینٹ چڑھاتا۔ بھوگ لگاتا۔ دست لبتہ حاضر رہتا۔ اس کے دل پر خوف و حزن طاری رہتا۔ اب اس سے آزادی حاصل ہو چکی ہے۔

اسلامی عبادت "رب زدنی علما" ہے

حقیقی عبادت اس دعا میں ہے۔ کہ "رب زدنی علما" علم کی وسعت کے ساتھ ہم نے وہ آزادی و اختیارات حاصل کئے ہیں۔ اور کرتے جائیں گے۔ جو ہمارے بڑوں کو حاصل نہ تھے۔ اس لئے ہم ان کی تقلید کیوں کریں۔ لکیر کے فقیر کیوں بنیں۔ کیوں نہ ان کی تحقیق کا فائدہ اٹھائیں۔ علم، تذکر و تدبر و تفکر سے حاصل ہوتا ہے اور اس کی تشریح کتاب اللہ میں مفصل ہے۔ اسی تذکر اور تدبر اور تفکر کی طرف بار بار توجہ دلائی گئی ہے۔ اور یہی واحد امتیازی انسانی خوبی ہے۔ اگر یہ نہیں۔ تو انسان ایک حیوان مطلق ہے۔ جو کھاتا۔ پیتا۔ اٹھتا۔ بیٹھتا۔ سوتا۔ جاگتا۔ پیدا ہوتا اور مرتا ہے اس لئے انسانیت کے شایاں یہی تذکر و تدبر و تفکر ہے۔ اور یہی اس کی عبادت ہے اگر یہ نہیں۔ تو سہ

بر زبان تسبیح و در دل گاؤ خر — ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

اسی تذکر و تدبر و تفکر کے ذریعہ ہمیں جمادات، نباتات، حیوانات کی حکومت سے آزادی ملی ہے۔ اجرام فلکی کی حقیقت سے واقف ہو کر حریت کے نعرے لگاتے ہوئے

حق پرستی کی طرف جا رہے ہیں۔ الحق ان دبک المنتہیٰ۔
اسلام اگر حق پرستی کا نام ہے۔ تو حریت و مساوات کے بغیر اس کی تصدیق محال ہے۔ اب مولوی فاضل صاحب خیال فرما سکتے ہیں۔ کہ اسلام سے ان کا کیا تعلق ہے؟ اور "مسلم" کی کیا تعریف ہے؟ اور "سماکم المسلمین" کا کیا مفہوم ہے؟ یہودی وہ ہے جس کا تعلق نسل یہوداہ ابن یعقوب سے ہے۔ عیسائی وہ ہے۔ جو حضرت عیسے کو مدار نجات سمجھتا ہے۔ ہندو وہ ہے۔ جو ہندوستان کے رسم و رواج کا پابند ہے۔ یہ سب تعلقات باطل ہیں۔ اور ٹوٹتے رہے ہیں۔ اور ٹوٹ جائینگے۔ وہ فطری تعلق جو ہمیشہ سے ہے۔ اور ہمیشہ رہیگا۔ حقیقت ہے۔ جو مسلم کی اصطلاح واضع کر رہی ہے۔ نامسلمانوں نے اپنے حالات پر اور اپنے عقل و فہم کے مطابق قیاس کرتے ہوئے مسلمانوں کو "محمدی" اور "احمدی" سے تعبیر کیا۔ حالانکہ اس تعلق کو واضع کرنے کے لئے جو اسلام کا مسلمانوں کے ساتھ بواسطہ محمد و احمد بہ حیثیت "رسول" ہے۔ لفظ "مومن" استعمال کیا گیا ہے۔ اور قرآن میں یا ایہا الذین آمنوا کے مخاطب صرف وہ لوگ ہیں۔ جو آنحضرت کی رسالت تسلیم کر چکے ہیں۔ جب ہم حریت و مساوات پر بہ تعلق اسلام بحث کرتے ہیں۔ تو ہمارا مفہوم واضع ہے۔ یعنی ان تمام تعلقات باطلہ کو توڑ کر اور ماسوی اللہ سے منہ موڑ کر ہم فطری آزادی حاصل کریں۔ جسے حق پرستی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

اسلام عالمگیر دین حق ہے

کوئی مذہب جو یہودیت یا مسیحیت یا اسی قسم کے ناموں سے تعبیر ہوتا ہے۔ جس کا مدار کسی شخصیت پر ہو۔ عالمگیر نہیں ہو سکتا۔ اور اصولاً محمدی یا احمدی مذہب بھی نہیں ہو سکتا۔ اسلام اور صرف اسلام عالمگیر دین حق ہے۔ ایک ہندو اگر اپنے اساطیر الاولین پر ایمان رکھتا ہے۔ یسوع مسیح کی حکومت تسلیم نہیں کریگا۔ اس کے دیوتاؤں اور اوتاروں کی طویل فہرست میں اکثر باپ کے بغیر پیدا ہوئے ہیں۔ اور اب تک زندہ ہیں۔ مذہب پر جو اصل اصول اطلاق پذیر ہے۔ سیاسیات پر بھی ہے۔ کیونکہ صداقت

ہر ایک پہلو پر پرکھنے سے صداقت ثابت ہوگی۔ تمام دنیا کے ممالک کبھی ایک شخص کی حکومت پسند نہ کرینگے۔ اور نہ محکوم رہ سکتے ہیں۔ جبر و تشدد سے اگر مغلوب ہو سکتے ہیں۔ کیسی بعید الفہمی ہے۔ اگر یہ دعویٰ کیا جائے۔ کہ محمدی یا احمدی مذہب عالمگیر ہے۔ یہ دعویٰ باطل ہے۔ وہ دین جو کل انبیاء اور رسل کا تھا۔ اسلام ہے۔ یہی عالمگیر ہے۔ اس میں کسی شخصیت کا اقتدار تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہ دین الفطرت ہے ذلک دین القیم۔

دنیا میں تفرقہ پردازی کی جڑھ یہی شخصی حکومت ہے۔ جو انبیاء اور رسل اور اوتاروں اور دیوتاؤں کو فوق البشر تصور کرنے سے پیدا ہوگئی ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم" اسی شخصی حکومت کی جڑھ کاٹ رہا ہے۔ ارضی اور سماوی بلاؤں سے تو دیگر انبیا کے ذریعہ ہمیں آزادی ملی۔ انسانی فوق البشریت دعویٰ کو خاتم المرسلین نے خاک میں ملا دیا۔ اور وہ زنجیریں اور پھندے جو بندگان خدا کے گلے کا ہار ہو رہے تھے۔ اتر گئے۔ اب انبیاء و رسل و احبار و رہبان ہمیں اپنے جیسے بندے نظر آتے ہیں۔ ارباباً من دون اللہ" نہیں ہیں۔ یضع عنھم اصرھم والاغلال التی کانت علیھم" صلی اللہ علیہ وسلم۔

قرآن جامع و مانع کتاب اصول ہے

اصول فطری ہوتے ہیں۔ اور تحویل و تبدیل نہیں ہوتے۔ قرآن جامع و مانع کتاب اصول ہے۔ جن کی تشریح احکام و امثال اور قصص و برہان سے کی گئی ہے یہی مفہوم "ھو الذی انزل الیکم مفصلاً" کا ہے۔ احکام حالات کے مناسب ہوتے ہیں۔ اور غیر محدود ہیں۔ کتاب اللہ میں احکام اور امثال و قصص سے اصول کی تفصیل اس لئے کی گئی ہے۔ کہ "راسخون فی العلم" حالات اور واقعات اور ان کے مختلف پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے "اجتہاد" میں غلطی نہ کریں۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے۔ اگر یہ تسلیم کیا جاتا ہے۔ تو "لم و لا نسلم در اندا ختند" جو مولوی فاضل صاحب کی بحث کا لب لباب ہے۔ کج بحثی نہیں تو اور کیا ہے؟ جس طرح ایک ریاضی دان ہر ایک سوال کا حل اصول

ریاضی کے ذریعہ کرلیتا ہے۔ اور صحیح نتیجہ پر پہونچتا ہے۔ اسی طرح "راسخون فی العلم" اصول کا اطلاق حالات پر کرتے ہیں۔ جس کو عرف شرع میں "اجتہاد" کہتے ہیں۔ اگر یہ دعوی مسلم ہے تو شوق سے تختہ تحقیق سیاہ کرو۔ ہم نے صاف الفاظ میں لکھا تھا۔ کہ "احادیث کا اطلاق عام نہیں ہوسکتا۔ جبتک وہی حالات وغیرہ موجود نہ ہوں۔ ان سے استدلال غلط ہے اور یہ کہ اجتہاد اور وقتی حالات لازم وملزوم ہیں"۔ اور یہ کہ "اکثر اقوال آں حضرت وقتی حالات کے تابع تھے"۔ اور "احادیث کتاب اللہ سے اجتہاد ہی ہوگا"۔ غالباً مولوی فاضل صاحب ابتدائی اشکال منطق فراموش کر چکے ہیں۔ کہ ان فقرات میں "تضاد" ثابت کرنے کی ناکام کوشش فرما رہے ہیں۔ "احادیث سے تمام احادیث مراد نہیں ہوسکیں۔ بلکہ اکثر اقوال" مراد ہیں۔ جیسا کہ ہم نے لکھا ہے۔ اور وہ اقوال مراد ہیں۔ جو حالات کے مناسب تھے۔ تعجب ہے۔ کہ آیات قرآن کی شان ونزول بیان کرتے ہوئے تو یہ لوگ نہیں تھکتے۔ لیکن احادیث کی نسبت یہ یقین ہے۔ کہ آنحضرت بلا احساس ضرورت و وقت باتیں کیا کرتے تھے۔

ان لوگوں کو وقتی حالات سے بھی مغالطہ ہوا ہے۔ حالانکہ ہم نے صاف الفاظ میں لکھا تھا۔ کہ جب تک اصل حالات وواقعات وخصوصیات وقت موجود نہ ہوں۔ جن کے مناسب آنحضرت نے اجتہاد فرمایا۔ احادیث کا اطلاق عام نہیں ہوسکتا۔ اگر اب بھی وہی کیفیت پیدا ہو جائے۔ تو آنحضرت کا فیصلہ ناطق ہے۔

بحث حریت ومساوات پر بہ تعلق اسلام ہے۔ اور اس پر مولوی فاضل صاحب نے ایک حرف بھی نہیں لکھا۔ ایک خیال تضاد ہے۔ جو ذہن میں نقش ہو چکا ہے۔ ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں میں عرش سے فرش تک عالم آب نظر آتا ہے۔ خدا تر دامنی سے بچائے۔ جو اتباع ظن سے اور ظن نفسانیت سے پیدا ہوتا ہے۔ اور جسے حق میں کچھ حصہ نہیں ملتا۔ اصول سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ کہ لوگ باتیں بناتے ہیں

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

اللہ اور رسول اور اولی الامر

قرآن میں جہاں لفظ اللہ استعمال ہوا ہے۔ اس سے مراد صحیفہ فطرت اور کتاب اللہ بھی ہے۔ مثلاً آیت فاتوھن من حیث امرکم اللہ" کا یہ مفہوم ہے۔ کہ مرد اور عورت سے ہم صحبت بہ تقاضائے فطرت ہو۔ نہ خلاف وضع فطرت۔ ہر ایک جاندار اس حکم فطرت کی تعمیل کرتا ہے۔ ولہ اسلم من فی السموات والارض (۳-۱۰) یعنی اسلام دین الفطرت ہے۔ فطرۃ اللہ التی فطرۃ الناس علیھا لا تبدیل لخلق اللہ ذلک الدین القیم۔ ان تمام آیات میں جن میں "اطیعو اللہ" کا حکم ہے۔ اللہ سے مراد کتاب اللہ ہے۔ مثلاً یا ایھا الذین امنوا اطیعو اللہ و اطیعو الرسول واولی الامر منکم" میں اللہ سے مراد کتاب اللہ ہے۔ یا شریعت یا ضابطہ قوانین اور رسول سے مراد چیف جج ہے۔ اور آیت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ ان لوگوں کو جو تسلیم کر چکے ہیں۔ کہ قرآن کتاب اللہ ہے۔ اور آنحضرت رسول اللہ ہیں۔ ان کو ان قوانین پر عمل کرنا چاہیئے۔ جو اللہ کے مقرر کردہ قاضی کے ذریعہ نافذ ہوتے ہیں۔ رسول واضع قوانین نہیں ہوتا۔ بلکہ قوانین کا ایسا ہی تابع ہوتا ہے۔ جس طرح اور لوگوں کو ان قوانین کے تابع رہنے کے لئے کہتا ہے۔ جو لوگ قوانین اور فیصلہ جات ہائیکورٹ میں جو بطور نظائر پیش ہو سکتے ہیں۔ فرق کر سکتے ہیں۔ وہ کتاب اللہ اور احادیث میں امتیاز کر سکتے ہیں۔ اگر ایک بادشاہ اپنی رعایا کو یہ حکم دے۔ کہ میرے قوانین اور میرے جج کی اطاعت کرو۔ تو واضح ہے۔ کہ اطاعت فی الحقیقت بادشاہ کی ہے۔ اس لئے اطیعو اللہ و اطیعو الرسول میں واؤ عاطفہ ایسی مغائرت کی متقضی نہیں۔ جو حقیقی ہو۔ البتہ غیر اعتباری ہے۔ جو محققین کے نزدیک قابل اعتبار نہیں۔

خلیفۂ اسلام کی حیثیت

مولوی فاضل صاحب نے حرف عاطفہ پر تو بحث کی ہے۔ مگر یہ نہیں لکھا۔ کہ اطیعوا کا لفظ اللہ اور رسول کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ مگر اولی الامر کے ساتھ نہیں ہوا۔ کیا اولی الامر کی اطاعت نہیں کرنی چاہیئے؟ کیا اللہ اور رسول سے ان کی اطاعت کا مفہوم علیحدہ ہے؟

بات اصل میں یہ ہے۔ کہ یہ لوگ اصول سے واقف نہیں ہیں۔ آسمانی بادشاہت میں اعلیٰ عدالت جس کا فیصلہ ناطق ہے۔ رسول کی ہے۔ اور عدالت ماتحت اولی الامر کی ہے۔ عدالت ماتحت کا فیصلہ عدالت اعلیٰ رد کر سکتی ہے۔ اس لئے ارشاد ہے۔

فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ و الرسول — ترجمہ۔ اگر تمہارا کسی معاملہ میں تنازعہ ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف لاؤ۔

یعنی اگر اولی الامر کا فیصلہ فریقین متخاصمین کو منظور نہ ہو۔ تو عدالت اپیل کی طرف رجوع کر سکتے ہیں۔ عدالت اپیل کا فیصلہ ناطق ہے۔ اس کے بعد تنازعہ قطعی بند ہونا چاہیئے۔ چنانچہ آنحضرت کے عہد مبارک میں ایسا ہی ہوتا رہا۔ اولی الامر سے مراد وہ "عمال" ہیں۔ جنکو آنحضرت نے مقرر فرمایا تھا۔ اور جن کا عزل ونصب آنحضرت کے اختیار میں تھا۔ بہ تقاضائے بشریت رسول بھی اجتہاد میں غلطی کر سکتا ہے۔ اجتہادی غلطی سے بچنے کے لئے حکم الٰہی ہے۔ کہ شاورھم فی الامر اور امرھم شوریٰ بینھم کا بھی یہی مفہوم ہے۔ مگر اس پر بھی غلطی کا احتمال ہے۔ مگر رسول کا تعلق چونکہ براہ راست خدا سے ہوتا ہے۔ اس لئے غلطی کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ رسول کی وفات کے بعد خلیفہ کے پاس کتاب اللہ اور نظائر فیصلہ جات رسول اور شوریٰ رہجاتے ہیں۔

خلیفہ کی حیثیت رسول کی ہوتی ہے۔ اس کا فیصلہ ویسا ہی ناطق ہوتا ہے۔ اسی طرح اولی الامر کا تقرر و موقوفی اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ لیکن اس کے اجتہاد میں غلطی کا احتمال ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ مجتہد کی غلطی کو فقہاء نے گناہ نہیں۔ بلکہ ثواب تسلیم کیا ہے۔

زیر بحث مسئلہ حریت و مساوات بہ تعلق اسلام ہے۔ ہمارے اور جماعت احمدیہ کے درمیان بحث شوریٰ کی صورت میں ہے۔ کتاب اللہ اور احادیث پر فیصلہ ہے۔ ہم نے احادیث کا کبھی انکار نہیں کیا۔ بلکہ ہمارا عقیدہ ہے۔ کہ احادیث کا درجہ قرآن کے بعد ہے۔ لیکن احادیث کا وہی رتبہ ہے۔ جو نظائر مقدمات کا ہے۔ اس لئے احادیث کو تطبیق دینے کے لئے ہم نے ان حالات اور واقعات کا مطالبہ کیا تھا۔ جن سے مناسب

احادیث واقع ہیں۔ اس مطالبہ پر ہمیں منکر احادیث سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ہم نے اتنا بھی لکھ دیا تھا۔ کہ رسول پر کیا موقوف ہے۔ ہم ہر ایک شخص کا حکم ماننے کیلئے تیار ہیں۔ جو مطابق کتاب اللہ ہو۔

لیکن مسئلہ زیر بحث میں ایک اور امر قابل غور بھی ہے۔ کہ احادیث کی چھان بین اس وقت کی جاتی ہے۔ جب کسی امر کے متعلق نصوص موجود نہ ہوں۔ لیکن جب نصوص قرآنی سے استدلال ہو سکتا ہے۔ تو احادیث سے استدلال تحصیل حاصل ہے۔

آیات قرآن سے استدلال کرتے وقت فقہاء مشترک اور ظاہر اور مرجوع کو نص کے مقابلہ میں پیش نہیں کرتے۔ احادیث کا درجہ تو ان کے بعد ہے۔ احادیث کی بیشمار قسمیں ہیں۔ جب ان سے استدلال ہو۔ تو تمام حالات اور واقعات اور اسناد کا حوالہ دینا چاہیئے۔ اور ہر مسئلہ زیر بحث کے ساتھ تطبیق دینی چاہیئے۔ اب مولوی فاضل صاحب کا اختیار ہے۔ کہ ہماری عبارت کو توڑ مروڑ کر جو چاہیں۔ معانی پیدا کریں محققین ایسی بحث پسند نہیں کرتے۔ مولوی فاضل صاحب کو پہلے عہدۂ رسالت اور کسی رسول کی شخصیت کا مفہوم دلنشین کرنا چاہیئے۔ پھر غالباً ان تمام فقرات کا مطلب سمجھ جائیں گے۔ جن میں تضاد ثابت کرنے کی کوشش ہے۔ بیشک اللہ تعالے کا ارشاد ہے۔ کہ رسول کی اطاعت کرو۔ مگر یہ کہاں حکم ہے۔ کہ حضرت محمد کی اطاعت کرو۔ آنحضرت کی اطاعت بہ حیثیت رسول فرض ہے۔ اور یہ اس لئے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں۔ رسول کریم نے اپنی شخصیت اور رسالت میں نمایاں فرق کیا ہے۔ اور عہد مبارک کی ایک لونڈی (بریرہ) بھی اس میں فرق کرتی تھی۔ یہ لوگ جو رسالت اور بشریت میں فرق نہیں کرتے۔ بالآخر ان کو ادبابا من دون اللہ بنا دیتے ہیں۔

مرزا صاحب ممدوح کا یہ دعویٰ تھا۔ کہ:۔

"علاوہ کلام الٰہی میں مذکور شدہ احکام کے رسول بھی جو حکم دے۔ فرض ہے"۔

ہم نے لکھا تھا۔ (وکیل ۲۸۔ اپریل ۱۹۳۱ء) کہ

"اگر مرزا صاحب ممدوح کوئی ایسا حکم وضع کر سکتے۔ تو ہم بھی غور کرتے"

مولوی فاضل صاحب نے کتاب اللہ کے علاوہ ایک حکم کی مثال پیش کی ہے۔ جو واقعہ جنگ احد ہے۔ جو شوال ۳ھ میں ہوا۔ اور اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں۔ کہ آں حضرت نے مسلمانوں کی ایک جماعت کو خاص مقام پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا۔ مگر ان لوگوں نے حکم توڑ دیا۔ اور میدان میں آگے بڑھ آئے۔ اور غرض یہ تھی۔ کہ مال غنیمت حاصل کریں۔ اس حکم کے توڑنے کو خدا تعالٰے نے عصیان کے لفظ سے تعبیر کیا۔ چنانچہ فرمایا۔

ولقد صدقکم اللہ وعدہٗ اذ تحسونھم باذنہ حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون۔ منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاخرۃ۔

ترجمہ۔ جس وقت تم خدا کے حکم سے ان کو تہ تیغ کر رہے تھے۔ خدا نے تم کو اپنا وعدہ سچا کر دکھایا۔ یہاں تک کہ تم کو وہ دکھا دیا۔ جو تمہارے دلپسند تھا۔ اس کے بعد تم ہمت ہار بیٹھے۔ اور حکم کے بارے میں تنازعہ کیا۔ اور نافرمانی کی۔ تم میں سے بعض دنیا کے پیچھے لگے۔ اور بعض آخرت کے خواہاں ہوئے۔

مولوی فاضل صاحب کا یہ قیاس ہے۔ کہ ان لوگوں نے رسول کریم کے ایک ایسے حکم کی نافرمانی کی۔ جو کتاب اللہ میں مذکور نہیں۔ یہ قیاس غلط ہے۔ جنگ بدر ۲ھ یعنی احد سے ایک سال پیشتر ہوا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ

واذ ھمت طائفتٰن منکم ان تفشلا واللہ ولیھما وعلی اللہ فلیتوکل المومنون ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ فاتقوا اللہ لعلکم تشکرون (۴-۳)

ترجمہ۔ جب تم میں سے دو فرقوں نے قصد کیا کہ ہمت ہار دیں۔ اور اللہ ان کا مددگار تھا۔ اور اللہ ہی پر مومنوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ اور بلاشبہ اللہ تمہاری مدد بدر میں کر چکا ہے۔ اور تم اس وقت بے مقدور تھے۔

اسی جنگ بدر کے متعلق یہ آیات بھی ہیں۔

اذ یریکھم اللہ فی منامک قلیلا ولو

ترجمہ جب اللہ نے ان کو تیرے خواب میں

ارٰیکھم کثیراً لفشلتم ولتنازعتم فی الامر ولکن اللہ سلم۔ انہ علیم بذات الصدور واذ یریکموھم اذ التقیتم فی اعینکم قلیلا ویقللکم فی اعینھم لیقضی اللہ امراً کان مفعولا۔ والی اللہ ترجع الامور۔ یاایھا الذین امنوا اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیراً لعلکم تفلحون واطیعوا اللہ ورسولہ ولاتنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم واصبروا۔ ان اللہ مع الصابرین (۲۰۱۰)

تھوڑے دکھلائے۔ اور اگر وہ تجھ کو بہت دکھاتا۔ تو تم لوگ ہمت ہار بیٹھتے۔ اور حکم کے بارے میں تنازعہ کرتے۔ لیکن اللہ نے بچالیا۔ وہ دلوں کے بھید جانتا ہے۔ اور جب مٹ بھیڑ کے وقت وہ فوج تمہاری آنکھوں میں تھوڑی دکھائی دی۔ اور تم کو ان کی آنکھوں میں تھوڑا دکھایا۔ تاکہ وہ کام ہوجائے۔ جو ہوچکا تھا۔ اور اللہ ہی تک ہر کام کی پہنچ ہے۔ اے ایمان والو۔ جب تمہاری کسی فوج سے لڑائی ہو تو جمع رہو۔ اور اللہ کو بہت یاد کرو۔ شاید تم مراد پاؤ۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ اور آپس میں تنازعہ نہ کرو۔ ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ اور ثابت قدم رہو۔ اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔

ان آیات کے مطالعہ کے بعد کون کہہ سکتا ہے۔ کہ قرآن میں یہ حکم مذکور نہیں۔ یہ حکم نص قرآن نہیں ہے۔ اس میں چون وچرا کی گنجائش ہی نہیں۔ مولوی فاضل صاحب نے عصیتم کا مفہوم یہ سمجھا ہے۔ کہ یہ لوگ اس مقام پر ثابت قدم نہ رہے۔ جہاں آنحضرت نے ان کو ٹھہرنے کے لئے حکم دیا تھا۔ حالانکہ آیت پیشکردہ میں واضح کیا گیا ہے۔ کہ دنیا طلبی اس کا موجب تھی۔

آیت محولا بالا میں لطیف حقیقت واضح کی گئی ہے۔ کہ کثرت نفوس طاقت ہے اور طاقت سے رعب چھا جاتا ہے۔ اور کمزور ہمت ہار دیتا ہے۔ اور اس کے مقابلہ سے

جی چراتا ہے۔ اور جان بچانے کے لیے باتیں بناتا ہے۔ یہ مفہوم ہے تنازعتم فی الامر کا لیکن علی اللہ فلیتوکل المومنون یعنی ایمان بہت بڑی طاقت ہے۔ اور کثرت سے مرعوب نہیں ہوتی۔

ولن تغنی عنکم فئتکم شیئاً ولو کثرت وان اللہ مع المومنین

ترجمہ۔ اور کام نہ آئیگا تم کو تمہارا جتنا کچھ اگرچہ بہت ہو۔ اور جانو کہ اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے۔

اسی طاقت ایمان میں صبر اور استقلال کا راز مضمر ہے۔

کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ واللہ مع الصابرین۔

ترجمہ۔ بہت جگہ تھوڑی جماعت بہت جماعت پر غالب آئی اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے

اسی جنگ بدر کے متعلق ارشاد ہے۔ کہ

قد کان لکم آیۃ فی فئتین التقتا۔ فئۃ تقاتل فی سبیل اللہ واخریٰ کافرۃ یرونہم مثلیہم رای العین، واللہ یوید بنصرہ من یشاء ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار۔ زین للناس حب الشہوات من النساء والبنین والقناطیر المقنطرۃ من الذھب والفضۃ والخیل المسومۃ والانعام والحرث ذلک متاع الحیوۃ الدنیا واللہ عندہ حسن المآب (۳-۱)

ترجمہ۔ ان دو گروہوں میں تمہارے لئے نشانی تھی۔ جو ایک دوسرے سے گتھ گئے۔ ایک تو خدا کی راہ میں لڑتا تھا۔ اور دوسرا منکروں کا تھا۔ جن کو دو برابر صریح آنکھوں سے دیکھتے تھے۔ اور اللہ زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے۔ اسی میں عبرت ہے اہل بصیرت کیلئے۔ لوگوں کو مرغوب چیزوں یعنی بیبیوں اور بیٹوں اور سونے اور چاندی کے بڑے بڑے ڈھیروں اور عمدہ عمدہ گھوڑوں اور مویشیوں اور کھیتی کے ساتھ دل بستگی بھلی معلوم ہوتی ہے یہ تو دنیا کی زندگی کے فائدے ہیں۔ اور اچھا

ٹھکانا تو اسی اللہ کے ہاں ہے۔

یہ مفہوم ہے یعصیتم اور منکم من یرید الدنیا کا۔ مولوی صاحب نے "تسبب" کو نتیجہ تصور فرمایا ہے۔ جہاد فی سبیل اللہ کا یہ مفہوم ہے۔ کہ مال و جان کو قربان کردو۔ اور دنیا پرستی کا یہ تقاضا ہے۔ کہ مال جمع کرو۔ اور جان بچاؤ۔ جنگ احد میں بعض مسلمان مال کی طمع سے لوٹ میں مصروف ہوگئے۔ اور جب دشمن نے آ دبایا۔ تو جان بچانے کے لئے بھاگ کھڑے ہوئے۔

اصول دربارہ حلال و حرام

مولوی فاضل کے قیاس کی بلند پروازی کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے۔ کہ واذا قیل لھم تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول کا مفہوم یہ سمجھتے ہیں۔ کہ الی الرسول سے مراد تعالوا الی ما انزل اللہ یعنی ارشاد الٰہی ہے۔ کہ جو کچھ اللہ نے نازل کیا ہے اور جو کچھ رسول نے نازل کیا ہے۔ اس کی طرف آؤ۔ اس لئے اللہ اور رسول کے احکام میں مغائرت ہے۔ اللہ کے احکام اور ہیں۔ اور رسول کے اور۔ دونو کے آگے سر تسلیم خم کرنا فرض ہے ہم ان آیات کا مفہوم "اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول میں واضح کر چکے ہیں۔ ما انزل اللہ سے مراد کتاب اللہ ہے یعنی شریعت یا ضابطہ قوانین اور رسول سے مراد چیف جج ہے۔ بادشاہ کا حکم ہے۔ کہ میرے قوانین اور میرے جج کی اطاعت کرو۔ لیکن مولوی صاحب کا یہ قیاس نہیں اور اس لئے ایک حدیث یعنی ما انزل الرسول دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ کہ

ان ماحرم الرسول اللہ مثل ماحرم اللہ

ترجمہ۔ خبردار رہو۔ کہ جو رسول اللہ نے حرام کیا۔ وہ اللہ کے حرام کئے ہوئے کی طرح ہے۔

وائے! گر از پے امروز بود فردائے"۔

مولوی فاضل صاحب کے استدلال کے مطابق اللہ نے جو کچھ حرام و حلال کیا ہے وہ اور ہے۔ رسول نے جو کچھ حرام و حلال کیا ہے۔ وہ اور ہے۔ اس استدلال کا نتیجہ حسب ذیل ہے:۔

۱۔ رسول کو اختیار ہے۔ کہ اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال قرار دے۔ اور حلال کو حرام۔

۲۔ قرآن میں حلال و حرام کی تفصیل نہیں ہے۔ بعض باتوں کو خدا نے اور بعض کو رسول نے حلال و حرام قرار دیا ہے۔

پہلی صورت تو باطل ہے۔ رسول کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں، کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر دے۔ اس کے متعلق نص موجود ہے

یاایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک (۲۸-۱۹)
ترجمہ۔ اے نبی تو کیوں حرام کرتا ہے۔ جو اللہ نے تجھ پر حلال کیا۔

یاایھا الذین امنوا لا تحرموا طیبت ما احل اللہ لکم
ترجمہ۔ اے ایمان والو مت حرام ٹھہراؤ۔ ستھری چیزیں جو اللہ نے تم کو حلال کیں

دوسری صورت اصولی بحث کا تقاضا کرتی ہے۔ اور اصول کی جامع و مانع کتاب قرآن ہے۔ اس لئے اصول احکام درباره حلال و حرام کتاب اللہ ہی سے واضح ہو سکتے ہیں۔ اصول یہ ہیں۔ کہ خبائث حرام ہیں۔ اور طیبات حلال ہیں۔

لیمیز اللہ الخبیث من الطیب ویجعل الخبیث بعضہ علی بعض فیرکمہ جمیعاً فیجعلہ فی جہنم (۹-۱۸)
ترجمہ۔ تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے جدا کرے۔ اور ایک ناپاک کو دوسرے ناپاک پر رکھ کر ڈھیر لگا دے۔ اور جہنم کی آگ میں جھونک دے۔

کلوا من طیبت ما رزقنکم (۱-۶)
ترجمہ۔ کھاؤ پاک چیزیں جو ہم نے تم کو دیں۔

یاایھا الناس کلوا مما فی الارض حللا طیبا (۲-۵)
اے لوگو! کھاؤ۔ زمین کی چیزوں سے جو حلال ہیں ستھری۔

یسئلونک ماذا احل لھم قل احل لکم الطیبت (۶-۵)
ترجمہ۔ تجھ سے پوچھتے ہیں۔ کہ ان کو کیا حلال ہے، تو کہ۔ کہ تم کو حلال ہیں ستھری چیزیں۔

یہ اصول دربارہ حلال و حرام ہیں۔ جن کی تفصیل امثال و قصص و احکام سے سورہ مائدہ اور دیگر سورتوں میں کی گئی ہے

اللہ تعالےٰ نے حلال و حرام کی ایک اور اصل بھی بیان فرمائی ہے۔ یعنی بعض ناواجب تعلقات کی وجہ سے حلال حرام ہو جاتا ہے۔ اور جب یہ تعلقات منقطع ہو جائیں۔ تو وہی اصول ہیں۔ جو بیان ہو چکے ہیں۔

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبت احلت لھم وبصدھم عن سبیل اللہ کثیراً واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ واکلھم اموال الناس بالباطل (۶-۲)

ترجمہ۔ سو یہودیوں کے گناہ سے ہم نے ان پر کئی پاک چیزیں جو ان کو حلال تھیں حرام کر دیں۔ اور اس لئے کہ اللہ کی راہ سے بہت ٹوکر کہاتے تھے۔ اور ان کے سود لینے پر اور ان کو اس سے منع ہو چکا ہے۔ اور ناحق لوگوں کا مال کہانے پر"

واتوا الیتمیٰ اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تاکلوا اموالھم الیٰ اموالکم انہ کان حوباً کبیرا (۴-۱۲)

ترجمہ۔ اور یتیموں کو ان کا مال دیدو۔ اور ستھرے کو گندہ نہ بناؤ۔ اور ان کا مال اپنے مال سے ملا کر نہ کہاؤ۔ کیونکہ یہ بڑا وبال ہے

اگر مولوی فاضل صاحب اُن حرم رسول اللہؐ سے یہ استدلال کرتے ہیں۔ کہ رسول

یحل لھم الطیبت ویحرم علیھم الخبیث

ترجمہ۔ ستھری چیزیں حلال کرتا ہے۔ اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے۔

تو اس کی تشریح کتاب اللہ میں موجود ہے۔ ان اصول کے مطابق رسول اگر کسی چیز کو حرام یا حلال قرار دے۔ تو وہ محض اجتہاد ہے۔ اور راسخون فی العلم "حق اجتہاد رکھتے ہیں۔ اس سے ہمارے دعوے کی مزید تائید ہوتی ہے۔ کاش مولوی فاضل صاحب اپنے دعوے کی تشریح کسی ایسے حکم سے کرتے۔ جو قرآن میں نہیں ہے۔ ہم نے لکھا تھا۔ (۲۸-اپریل) کہ وہ کون سے احکام نبوی ہیں۔ جو قرآن میں مذکور نہیں۔ یا احکام الٰہی

کے مطابق نہیں۔ یا ان سے علاوہ ہیں۔ مولوی فاضل صاحب نے ایک مثال پیش کی ہے۔ اور بزعم خود یہ قیاس کر لیا ہے۔ کہ قرآن میں موجود نہیں۔ حالانکہ یہ مثال نصوص قرآنی میں مفصل درج ہو چکی ہے۔ اگر ہمیں یہ اندیشہ نہ ہوتا۔ کہ ہم اپنے موضوع سے دور جا پڑینگے۔ تو قرآن مجید اور فرقان حمید سے ان آیات کا حوالہ دینے۔ جن سے واضح ہوتا ہے۔ کہ خبائث اور طیبات میں امتیاز کسطرح کیا جاتا ہے

اصول تحقیق ۔ اللہ تعالے ہمیں اصول تحقیق اس طرح بتاتا ہے۔

هو الذی انزل علیک الکتاب منه ایات محکمت هن ام الکتاب واخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ما تشابه منه ابتغاء الفتنه وابتغاء تاویله وما یعلم تاویله الا الله۔

ترجمہ۔ وہی ہے۔ جس نے تجھ پر کتاب نازل فرمائی۔ جس میں آیات محکمات ہیں۔ وہ اصل کتاب ہیں۔ اور دیگر آیات متشابہات ہیں جن کے دل میں کجی ہے۔ وہ انہی متشابہات (مبہم) کے پیچھے لگے رہتے ہیں۔ تاکہ فتنہ برپا کریں۔ اور ان کی تاویل کریں۔ اور اللہ کے سوا کسی کو ان کی تاویل معلوم نہیں

اصول حکومت اور احکام اور اوامر و نواہی

اگرچہ مرزا صاحب ممدوح اور ان کی جماعت ہمیں بے اصولے پن کا ملزم قرار دیتی ہے مگر خود اصول کی طرف توجہ نہیں کرتے اور متشابہات کے پیچھے پڑے ہیں۔ وکیل کے صفحات پر ہم کافی بحث اصولاً کر چکے ہیں۔ اور واضح کر چکے ہیں۔ کہ متشابہات کی تاویل بھی کتاب اللہ ہی سے کرنی چاہئے۔ اور ہمیشہ اصول مدنظر ہوں۔ ورنہ بحث بے نتیجہ ہے۔

مولوی صاحب نے فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم "الآیہ" سے یہ استدلال کیا ہے۔ کہ جو "خدا تعالےٰ کے اوامر یا رسول کے اوامر کی نافرمانی کرتا ہے وہ اسلام سے خارج ہے" یہ استدلال مبہم ہے۔ اس لیے ہم اصول احکام و اوامر کتاب اللہ سے بیان کرتے ہیں۔ تاکہ مولوی فاضل صاحب کے استدلال کی حقیقت واضح ہو

جائے۔ اور مولوی فاضل صاحب آئندہ کے لئے یہی روش اختیار کریں۔

ہم لکھ چکے ہیں۔ (وکیل ۲۰ دسمبر ۲۲ئمہ) کہ قرآن یہ اصل اصول بتلاتا ہے۔ کہ کسی شئے کا خالق اس شئے کا مالک ہوتا ہے۔ ملکیت کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جس طرح چاہے۔ اس شئے کو کام میں لائے۔ اور یہ کہ "چونکہ ہر ایک شئے کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اس لئے وہی مالک ہے۔ انسان کسی شئے کا مالک ہی نہیں۔ کیونکہ کسی شئے کا خالق نہیں ہے اس لئے وہ مالکانہ تصرف کرنے کا مجاز نہیں۔ انسان صرف" فی الارض خلیفہ" ہے۔ اشیاء میں اس کا تصرف حکم الٰہی کے تحت ہی جائز ہے" یہ اصول حکومت و احکام و اوامر و نواہی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے۔ کہ

له الخلق والامر ط تبارک اللہ رب العالمین (۸-۱۵)

ترجمہ۔ اسی کا کام پیدا کرنا اور حکم کرنا ہے بڑی برکت والا رب العالمین ہے۔

یعنی ہر ایک شئے کا خالق ہے۔ ہر ایک شئے کا رب ہے۔ اور ہر ایک شئے پر حکومت بھی اسی کی ہے۔ یہ اصل حکومت ہے۔ اگر جماعت احمدیہ ان اصول کو تسلیم کرتی ہے تو مولوی فاضل صاحب انصاف سے کہیں۔ کہ کسی بشر کی نسبت یہ کہنا کہ اس بشر کا حکم ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ اللہ کا۔ اس کو اربابًا من دون اللہ بنانا نہیں۔ تو اور کیا ہے؟

ہم اس موضوع پر کافی بحث کر چکے ہیں۔ کہ انسان عالم میں محض امانت دار ہونے کی حیثیت سے تصرف کر سکتا ہے۔ یعنی احکام الٰہی کے مطابق اس میں تصرف کرے گا۔ اور ان کو استعمال میں لائیگا۔ اور اس موضوع پر بھی بحث کر چکے ہیں۔ (وکیل ۲۸-۲۹-اپریل ۱۹۲۱ئہ) کہ تصرف جائز بہ اتباع ما انزل اللہ ہے۔ اور تصرف ناجائز باتباع ہوائے نفس ہے۔ اور یہی دو صورتیں اتباع اور تصرف کی ہیں تیسری کوئی صورت ہی نہیں ہے۔ اس لئے کسی رسول کا حکم و امر یا باتباع ما انزل اللہ ہوگا یا باتباع ہوائے نفس۔ چونکہ بحث ماینطق عن الھوٰی کے مخاطب کے متعلق ہے۔ اس لئے فیصلہ قطعی فیصلہ یہی ہے۔ کہ آنحضرت کا حکم و امر ذاتی کوئی نہیں۔ اور نہ

ہو سکتا ہے۔ آیات ذیل سے بھی واضح ہوتا ہے۔ اور ان کا حوالہ ہم پہلے بھی دے چکے ہیں۔ (وکیل ۱۰ جنوری ۱۹۲۱ء)

وانزلنا الیک الکتاب بالحق مصدقا لما بین یدیہ من الکتاب ومھیمنا علیہ فاحکم بینھم بما انزل اللہ ولا تتبع اھواءھم عما جاءک من الحق ط (۶-۱۱)

ترجمہ۔ اور ہم نے تمہاری طرف کتاب برحق اتاری۔ کہ جو پہلی کتابوں کی مصدق اور محافظ ہے۔ اور جو کچھ خدا نے نازل فرمایا ہے۔ اسی کے مطابق ان لوگوں میں حکم دو۔ اور جو حق بات تم کو پہونچتی ہے اس کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ عدل کا حکم دیتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہے:۔

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل (۵-۵)

ترجمہ۔ اور جب لوگوں میں فیصلہ کرو۔ تو فیصلہ عدل کے ساتھ کرو۔

اس آیت کے مخاطب اہل ایمان ہیں۔ یعنی حکم صرف رسول ہی نہیں دے سکتا بلکہ اہل ایمان بھی دے سکتے ہیں۔ بشرطیکہ ما انزل اللہ کے مطابق ہو۔ اور اسی طرح رسول کو ہدایت ہے۔ کہ

فان حکمت فاحکم بینھم بالقسط؛

ترجمہ۔ اگر حکم کرے۔ تو ان میں انصاف کا حکم کر۔

حکم کا مفہوم اختیار ہے۔ اور اختیار مالک کا ہوتا ہے۔ یہی اصل اصول ان آیات کا ہے

ما عندی ما تستعجلون ان الحکم الا اللہ (۷-۱۳)

ترجمہ۔ میرے (رسول کے) پاس نہیں ہے جو تم جلدی سے مانگتے ہو۔ سوائے اللہ کے کسی کا حکم نہیں۔

ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق الا لہ الحکم (۷-۱۴)

ترجمہ پھر اللہ کی طرف لوٹ جاؤ گے جو ان کا مالک ہے۔ سن رکھو۔ حکم اسی کا ہے

اب ہم مولوی فاضل صاحب سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ آنحضرتؐ کا یہ حکم کہ تو "پانی کو اس حد تک روک۔ کہ تیرے باغ کی دیواروں تک چڑھ آئے۔ ما انزل اللہ کے مطابق ہے۔ یا اپنے پھوپھی کے بیٹے حضرت زبیرؓ کی رعایت ایک انصاری کے مقابلہ میں ہے۔ جو کچھ مولوی فاضل صاحب ارشاد فرمائینگے۔ اس بحث کا خاتمہ ہو جائیگا۔

ایک خطرناک تحریف

مولوی فاضل صاحب واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم سے استدلال کرتے ہوئے ہمیں بغاوت کا حامی قرار دیتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔ کہ "یہ عقیدہ کہ کتاب اللہ کے سوا کسی کا حکم ماننا یا اس کی رعایت کرنا اربابا من دون اللہ میں شامل ہے۔ صریح طور پر بغاوت کا حامی ہے" اس کے بعد اولی الامر منکم کا مفہوم اس طرح واضح فرماتے ہیں۔ کہ "جو تم پر بادشاہ ہوں۔ ان کی اطاعت کرنی چاہیئے۔ منکم بمعنی علیکم ہے جیسے ونصرنہ من القوم الذین کذبوا بایاتنا" اور تائید میں ایک صحیح حدیث بھی پیش کرتے ہیں۔ کہ آنحضرت نے فرمایا۔ میں تم پر تقوی اللہ کی وصیت کرتا ہوں۔ اور منکر اطاعت کرنے کی۔ اگرچہ تم پر کوئی غلام ہی حاکم کیوں نہ ہو"

ہمارے کلام میں تحریف کرنا اور ہمیں بغاوت کا مجرم قرار دینا ایسی بات ہے جس کی ہمیں پرواہ نہیں۔ لیکن ہم کبھی اجازت نہیں دے سکتے۔ کہ جماعت احمدیہ کتاب اللہ میں یہودیوں کی طرح تحریف کرے۔ تحریف کا یہ مطلب ہے۔ "کلمہ کے مفہوم کو جس کے لئے وہ وضع ہوا ہے۔ بدل دینا ہے۔ آیت زیر بحث حسب ذیل ہے:۔

یا ایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیٔ فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر (۵۔۵)

ترجمہ۔ اے مسلمانو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو۔ اور اولی الامر کی جو تم میں سے ہوں۔ پھر اگر کسی شے میں تمہارا باہمی تنازعہ ہو۔ تو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان لانے کی یہ شرط ہے۔ کہ اللہ اور رسول کی طرف رجوع کرو۔

یا ایہا الذین امنو اکے مخاطب وہ لوگ ہیں۔ جو رسول کریم کی رسالت تسلیم کر چکے ہیں اور یا اہل الکتاب سے مراد وہ لوگ ہیں۔ جنکو کتاب مثلاً توریت و انجیل عنایت ہوئی ہے یعنی یہود و نصاریٰ۔ اور "یا ایہا الناس کا خطاب کل بنی نوع انسان سے ہے۔ قرآن میں اس تقسیم کا مفہوم یہ ہے۔ کہ وہ حکم جو مسلمانوں کو مخاطب کر کے دیا گیا ہے۔ اہل کتاب یا غیر اہل کتاب نہیں مانیں گے۔ اور اہل کتاب کو وہی کچھ کہا گیا۔ جو وہ تسلیم کر سکتے ہیں۔ غیر اہل کتاب کو وہی کچھ ارشاد ہے۔ جو انسانیت کے مقتضی ہے۔ غرض یہ ہے۔ کہ اپنی اپنی کتاب پر ایمان لاتے ہوئے اور عقل و فکر سے کام لیتے ہوئے کل بنی نوع انسان کا اتفاق ان امور پر ہو سکتا ہے۔ جو کتاب اللہ میں مذکور ہیں اور مغایرت اور منافرت رفع ہو سکتی ہے۔ جو ان میں غلط فہمی سے پیدا ہو گئی ہے۔ اگر اہل کتاب رسول کریم کی رسالت تسلیم نہیں کرتے۔ تو نہ سہی۔ اپنی کتاب پر تو ایمان رکھتے ہیں۔ اسی پر عمل کریں۔ اگر لوگ کسی کتاب کو نہیں مانتے۔ تو نہ سہی۔ تدبر و تفکر سے کام لیں۔ جو انسانیت کی دلیل ہے۔

آیت زیر بحث میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ اگر مولوی فاضل صاحب کا استدلال صحیح ہوتا۔ تو فان تنازعتم فی شئی فردوہ الی اللہ والرسول بے معنی آیت ہوتی۔ اولی الامر کی تشریح ہم کر چکے ہیں۔ مولوی صاحب نے اس کا ترجمہ "بادشاہ کیا ہے۔ جس کا فیصلہ ناطق ہوتا ہے۔ لیکن اولی الامر کا فیصلہ ناطق نہیں ہوتا۔ جیسا کہ فردوہ الی اللہ والرسول سے واضح ہوتا ہے۔ اولی الامر کی اطاعت اسی حد تک واجب ہے۔ جب تک اللہ اور رسول کی اطاعت کے مخالف نہ ہو۔ اس کی تائید اس خطبہ سے بھی ہوتی ہے۔ جو صدیق اکبر نے بیعت عامہ کے بعد مسجد نبوی میں فرمایا۔

اطیعونی ما اطعت اللہ و رسولہ فاذا عصیت اللہ و رسولہ فلا طاعتہ لی علیکم

میری اطاعت کرو۔ اس وقت تک جب تک میں اللہ اور رسول کی اطاعت کرتا ہوں۔ اگر میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں۔ تو میری طاعت تم پر واجب نہیں۔

حالانکہ خلیفہ کی حیثیت اولی الامر سے اعلیٰ ہے۔ مگر جب وہ بھی اللہ اور رسول کی اطاعت سے روگرداں ہو۔ تو اطاعت واجب نہیں۔ اس سے واضح ہوتا ہے۔ کہ اولی الامر کی اطاعت اسی وقت واجب ہوتی ہے۔ جب وہ اللہ اور رسول کے مطیع ہوں۔ یعنی مسلمان ہوں۔ مولوی صاحب کا یہ استدلال ہے۔ کہ اولی الامر کا مسلمان ہونا شرط نہیں۔ اور اس لئے مسئلہ لمبنی علیکم سمجھتے ہیں۔ مولوی فاضل صاحب نے ہمارے عقیدہ کو جلی حروف میں نمایاں کیا ہے۔ حالانکہ آنجناب کا اپنا عقیدہ آیت زیر بحث سے استدلال کرتے ہوئے یہ ہے۔ کہ اولی الامر یعنی بادشاہ وقت کی اطاعت فرض ہے۔ خواہ وہ اللہ اور رسول کا مخالف ہو۔ کم ازکم رسالت کا پردہ تو آں جناب نے خود ہی اٹھا دیا۔ جو بقول آنجناب اسلام سے خارج کر دینے والا ہے۔ جماعت احمدیہ معنی خیز فتاویٰ شائع کرتی ہے؟

جب ہم صاف صاف الفاظ میں اور شروع بحث میں لکھ چکے ہیں۔ کہ رسول ہی پر کیا موقوف ہے۔ ہم ہر ایک شخص کا حکم ماننے کیلئے تیار ہیں۔ بشرطیکہ منشاء الٰہی کے مطابق ہو۔ اگر جماعت احمدیہ منشاء الٰہی کی ضرورت تسلیم نہیں کرتی۔ تو اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ ہر ایک فرعون اور نمرود کو "اولی الامر" کی فہرست میں جگہ دیتی ہے۔

آہ! گر از پس امروز بود فردائے

اور اگر یہ دعویٰ صحیح ہے۔ کہ کسی شخص کے لئے کوئی حکم جو خلاف منشاء الٰہی ہو۔ واجب التعمیل نہیں۔ تو لی عملی و لکم عملکم۔ انتم بریئون مما اعمل و انا بری مما تعملون۔

اصول حکمت و اطاعت

ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ کتاب اللہ جامع و مانع کتاب اصول ہے۔ اور واضح کر چکے ہیں۔ کہ اصول حکمت یہ ہیں۔ کہ لہ الخلق والامر تبٰرک اللہ رب العالمین۔ یعنی حکومت صرف اسی کیلئے خاص ہے۔ جو محکوم کا خالق اور رب ہے۔ رسول اور اولی الامر نہ تو کسی شئے کے خالق ہیں۔ اس لئے ان کو حکومت کا وہ حق حاصل نہیں ہے جو اللہ تعالےٰ کیلئے خاص ہے۔ اللہ تعالیٰ جسطرح چاہتا ہے۔ اپنی مخلوق پر حکومت

اور تصرف کرتا ہے۔ لہ اسلم من فی السموات والارض ہر ایک شئی اسی کی حکمبردار ہے۔ رسول اور اولی الامر کو یہ اختیارات حاصل نہیں۔ اس لئے طاعت کا وہ مفہوم جو اللہ کی حکومت کیلئے خاص ہے۔ رسول اور اولی الامر کی حکومت کا نہیں ہے۔ ان الحکم الا للہ" اور رسول و اولی الامر آسمانی بادشاہت کے آلات حکومت ہیں۔

گرچہ تیر از کماں مے گذرد　　　از کماندار بیند اہل خرد

ایک کتا اتنی تمیز رکہتا ہے۔ کہ پتھر کو نہیں۔ بلکہ پتھر مارنے والے کو بہونکتا ہے۔

نہ سگ کمتر نہٗ اے مرد ناداں

انسان وہ کیا ہے؟ جو اتنی سمجھ نہیں رکہتا۔ کہ حکومت صرف اللہ ہی کیلئے خاص ہے۔ دنیا میں ہر ایک شئے اس کی حکمبردار ہے۔ نہ کہ حاکم ان آلات حکومت کو کچھ اختیار احکام ذاتی وضع کرنے کا ہے۔ تو وہ فرعون اور نمرود ہی ہوں گے۔ اصولاً ہم تسلیم کہتے ہیں۔ کہ جو شخص حکومت کا اہل ہو۔ یعنی منشاء الٰہی کے مطابق حکومت کرتا ہو۔ واجب الاطاعت ہے۔ اور جو اسے غیر اللہ کی اطاعت تصور کرتا ہے۔ "مشرک است آں فضول نابکار"

وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب اس آیت پر مولوی فاضل صاحب نے ایسا ہی بے فائدہ خامہ فرسائی کی ہے۔

جیسا کہ دیگر امور زیر بحث پر ہم لکہہ چکے ہیں۔ کہ اولاد ابراہیم میں اگر نبوت اور کتاب کی تخصیص تسلیم کی جائے۔ تو بوجہ اس ام کے ہوگی۔ کہ وہ اس کے اہل تھے کیونکہ ظالمین خواہ وہ ذریت ابراہیم سے ہوں۔ اس انعام کے مستحق نہیں۔ اگر یہ دعویٰ صحیح نہیں۔ تو مرزا صاحب ممدوح کے استدلال کے مطابق فیض حقانیت نہیں۔ بلکہ فیض اولاد ابراہیم ہوگا۔ اور ساتھ ہی ہم نے اس موضوع پر بہی بحث کی ہتی۔ کہ یہ مثال قرون اولی اور وسطی کے مناسب حال ہے۔ جب کہ فہم انسانی بالغ نہ تہا۔ اور اس لئے شخصی حکومت بہی پسندیدہ ہتی۔ لیکن

اب نہیں۔ لیکن اب جبکہ نبوت کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ مرزا صاحب ممدوح نے یہ نہیں لکھا۔ کہ انتقال نبوت یا امامت کی اب کیا صورت ہے؟ "لا اکراہ فی الدین قد تبین الرشد من الغی" کے تحت ہم نے اس موضوع پر کافی بحث کی ہے۔

جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ نبوت کا خاتمہ نہیں ہوا ہے۔ چنانچہ مرزا غلام احمد صاحب مرحوم نبی تھے۔ لیکن مرزا صاحب ممدوح کی پیش کردہ آیت سے انہی کے استدلال کے مطابق ایسا عقیدہ فاسد ہے۔ استدلال یہ ہے۔ کہ نبی صرف اولاد ابراہیم ہی سکتی ہے۔ اس لئے یہ عقیدہ کہ ایک "مغل" نبی ہے۔ قیاس مع الفارق ہے۔ لیکن مولوی صاحب ایک اور آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ اب سوائے اطاعت خدا اور رسول کریم کے کوئی نہ نبی ہو سکتا ہے۔ نہ صدیق نہ شہید۔ نہ صالح۔ پس یہ فیض آل ابراہیم سے خاص ہے۔ آیت حسب ذیل ہے:۔

ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا (۵-۶)	ترجمہ۔ جس نے اللہ اور رسول کی اطاعت کی۔ پس یہ ان لوگوں کے ساتھ ہیں۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام بھیجا۔ نبیوں۔ صدیقوں۔ شہیدوں اور صالحین سے۔ اور یہ اچھے رفیق ہیں۔

ان آیات سے یہ استدلال کرنا کہ فیض آل ابراہیم سے لوگ نبی بن سکتے ہیں۔ وہی یہود و نصاریٰ والی تحریف ہے۔ ان سے تو اتنا ہی واضح ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ ان کو نبیوں اور صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کی معیت حاصل ہوگی۔ یہ کہاں سے ثابت ہو گیا۔ کہ محض اطاعت سے وہ نبی۔ شہید۔ صدیق اور صالح بن جاوینگے۔ یہ تحریف کیسی دلیرانہ ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

ان اللہ مع الصابرین ط	بلاشبہ اللہ صابرین کے ساتھ ہے۔
ان اللہ مع المومنین ط	بلاشبہ اللہ مومنین کے ساتھ ہے۔

ان اللہ مع المتقین ط — بلاشبہ اللہ متقیوں کے ساتھ ہے۔

ان اللہ مع المحسنین ط — بلاشبہ اللہ محسنین کے ساتھ ہے۔

مولوی صاحب کے استدلال کے مطابق صابرین و مومنین و متقین و محسنین خدا بنجاتے ہیں۔ بلکہ خود خدا صابر اور مومن اور متقی اور محسن بنجاتے ہیں۔ اور یہ صرف النسانی فیض صحبت ہے۔

گو ممکن ز حد خویش بگذشت — نا او واجب شد و نہ ممکن ایں گفت

معیت کیلئے اطاعت شرط ہے۔ اور اطاعت کسبی ہے۔ اس نامعقول استدلال کے رو سے ہر ایک شخص کسب اطاعت سے نبی ہو سکتا ہے۔ اور مدعی نبوت بن سکتا ہے۔ اطاعت تو تحقیق نہیں۔ پہلا قدم ہے۔ جو سالک راہ حق میں اٹھاتا ہے منزل مقصود تو بہت دور ہے۔ اگر سالک کسی شخص کی من دون اللہ اطاعت کرتا ہے۔ تو یہ اول قدم ہے۔ جو گمراہی کی طرف اٹھتا ہے۔

در رہ منزل لیلے کہ خطرہا است بسے

شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

شرط اول قدم یہ ہے۔ کہ ماسوی اللہ سے قطع تعلق ہو۔ اور سالک بالکل ماسوے اللہ سے بے خبر ہو جائے۔ اس میں کچھ شک نہیں۔ کہ

خلاف پیمبر کسے رہ گزید — کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

یعنی وہ صراط مستقیم جسپر اللہ تعالے نے اپنے رسول کو ہدایت فرمائی ہے۔ وہی منزل مقصود کو جاتی ہے۔

قل ھدینی ربی الی صراط مستقیم — ترجمہ۔ بلاشبہ میرے رب نے مجھے صراط مستقیم کی طرف ہدایت فرمائی ہے۔

اور

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم — اللہ جسکو چاہتا ہے۔ صراط مستقیم کیطرف ہدایت کرتا ہے۔

اور صراط مستقیم یہی ہے۔ کہ

ان اللہ ربی و ربکم فاعبدوہ ذالک صراط مستقیم

ترجمہ۔ اللہ میرا اور تمہارا رب ہے۔ پس اس کی عبادت کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

رسول کو کوئی اختیار نہیں۔ کہ کسی ایک شخص کو بھی گمراہی سے بچا سکے۔ اللہ ہی ہادی ہے۔ اور رسول محض آلۂ ہدایت ہے

والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا وان اللہ مع المحسنین ط (۲۱/۲)

ترجمہ۔ اور جنہوں نے ہمارے لئے محنت کی ہم ان کو اپنی راہیں سوجھا دینگے۔ اور بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

یہ ہے مفہوم اطاعت، اللہ کی راہیں نہ تو حضرت ابراہیم اور نہ اولاد ابراہیم نے اختراع کیں۔ اور نہ کوئی اور کر سکتا ہے۔ صراط مستقیم ہر ایک شخص کے لئے فطرۃً کھلی ہے۔ مجاہدہ شرط ہے۔ تاکہ نفسانیت جو سنگ راہ ہے۔ دور ہو جائے۔

قل ھل من شرکائکم من یھدی الی الحق قل اللہ یھدی للحق افمن یھدی الی الحق احق ان یتبع امن لا یھدی الا ان یھدی فما لکم کیف تحکمون وما یتبع اکثرھم الا ظنا۔ ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً (۱۱-۹)

ترجمہ۔ پوچھو۔ کہ تمہارے شریکوں میں سے کوئی بھی ایسا ہے۔ جو حق کی راہ دکھا سکے جواب دو۔ کہ اللہ ہی حق کی راہ دکھاتا ہے۔ تو کیا جو حق کی راہ دکھائے۔ وہ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے۔ کہ اس کا اتباع کیا جائے۔ یا جو ایسا ہے۔ کہ جبتک دوسرا اس کو راہ نہ دکھلائے۔ وہ خود بھی راہ نہیں پا سکتا۔ تو تم لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کیسے فیصلے کرتے ہو۔ اور ان لوگوں میں کے اکثر تو بس اٹکل پر چلتے ہیں۔ سو اٹکل کے تکے حق کے مقابلہ میں

کچھ کام نہیں آتے۔

یہود و نصاریٰ بھی اسی طرح انبیاء و رہبان و احبار کو ارباباً من دون اللہ" بناتے تھے۔ جس طرح جماعت احمدیہ استدلال کرتی ہے۔ فمالکم کیف تحکمون ان لوگوں کو کیا ہوگیا۔ ذرا تدبر و تفکر سے کام نہیں لیتے۔ کہ رسول کو تو خود اللہ راستہ بتاتا ہے۔ اس کا اتباع کرنا چاہیئے۔ یا اس کا جو سب کا ہادی ہے۔ اتباع رسول کا مفہوم یہ ہے۔ کہ جس راستہ پر رسول چل رہا ہے۔ تم بھی اسی پر چلو۔ غالباً یہ لوگ اپنی نمازوں میں اھدنا الصراط المستقیم کا مخاطب رسول کو ہی سمجھتے ہیں۔ یہ لوگ محض اتباع ظن کرتے ہیں۔ جو نفسانیت سے پیدا ہوتا ہے۔ علم سے بے بہرہ ہیں۔ جو تزکیہ نفس اور تصفیہ قلب سے حاصل ہوتا ہے لاریب فیہ۔ ظن شک و شبہ میں سرگردان رکھتا ہے۔ اور علم کا نتیجہ ہدایت اور رحمت ہے۔ اطاعت اور اتباع کا مفہوم یہی ہے۔ کہ فاقم وجھک للدین حنیفا فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا"

اگر آلودۂ احرام غیری | ہمہ گر کعبہ باشی ننگ دیری
اگر از وہم غیر آگاہیت نیست | براہ کفر ہم گمراہیت نیست

رسول کے بعد انبیاء کی ضرورت قرون اولیٰ کے لئے خاص تھی

قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اصحاب رسول اللہ پر صدیق شہید صالح کا اطلاق ہوتا ہے۔ لیکن ان میں سے ایک بھی نبی نہ تھا۔ کیا وہ اللہ اور رسول کی اطاعت نہیں کرتے تھے۔ اگر یہ کہو۔ کہ رسول کی موجودگی میں نبی کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ نبی رسول کی شریعت کو قایم رکھنے کیلئے مبعوث ہوتا ہے۔ اور رسول خود نبی ہوتا ہے۔ اس لئے صحابہ میں سے کوئی نبی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس استدلال کا یہ نتیجہ ہے۔ کہ نبوت کے لئے اطاعت اللہ اور رسول ہی شرط نہیں۔ بلکہ ضرورت وقت بھی ہے۔ مگر اس کے ساتھ یہ بھی تسلیم کرنا پڑیگا۔ کہ اصحاب اطاعت اللہ اور رسول میں

کمی نہ کرتے تھے۔ مگر نبی کی ضرورت رسول کریم کی زندگی یا بعد وفات نہ تھی۔ ورنہ ان میں سے اکثر نہیں تو بعض نبوت کی قابلیت رکھتے تھے۔ کیونکہ نصوص قرآنی سے ان کی اطاعت ثبوت شدہ ہے۔

عقلمند تسلیم کرتے ہیں۔ کہ رسول کے بعد رسول کی فوراً ہی ضرورت نہیں۔ بلکہ ایسے اشخاص کی ضرورت ہے۔ جو کتاب اللہ کو جو رسول پر نازل ہو چکی ہے۔ لوگوں کو سمجھاتے رہے ہیں۔ اس دعوے کو تسلیم کرینگے۔ کہ جب فہم انسانی بالغ ہو تو انبیاء کی بھی ضرورت نہیں۔ ہم اس موضوع پر مفصل بحث کر چکے ہیں۔ کہ قرون اولی میں فہم انسانی بالغ نہ تھا۔ اور اس لیے انبیاء کی مسلسل ضرورت تھی کہ انہیں کتاب کا فہم عنایت ہو۔ اور وہ لوگوں کو کتاب کے مطالب و نکات و معارف سے آگاہ کرتے رہیں۔ یعنی بلحاظ فہم انسانی انبیاء کی ضرورت تھی۔ انبیاءؑ لوگوں کی سرپرستی اور نگرانی رسول کی طرح ہی کرتے تھے۔ چونکہ کتاب بار بار نازل کرنا ایک عبث فعل تھا۔ اس لئے وہ رسول نہ کہلائے۔ یہ قرون اولی کی ایک خصوصیت ہے۔

قرون اولی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ ممالک اور اقوام میں وہ رابطہ اتحاد نہ تھا۔ جو اب ہے۔ اس لیے لکل امۃ رسولؐ۔ ہر ایک قوم میں رسول انہی کی لسان میں مبعوث ہوئے۔ اور ان کے بعد انبیاء انہی کی اقوام سے پیدا ہوتے رہے غیر اقوام سے انہیں کوئی تعلق نہ تھا۔

ایک اور خصوصیت یہ بھی ہے۔ کہ علم کی اشاعت جیسا کہ اب ہے۔ نہ تھی۔ اور نہ وہ ذرائع و وسائل میسر تھے۔ جو اب ہیں۔ اس لئے علم بعض خاندانوں میں ہی محدود رہا۔ اور انہی خاندانوں میں نسلاً بعد نسل اس کی اشاعت محدود رہی ہندوؤں میں اہل علم صرف برہمن تھے۔ اور یہی ویدوں اور شاستروں کے عالم تھے۔ قرون اولی کی دیگر خصوصیات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ یہی کچھ مناسب حال تھا۔ اسی طرح نبوت اور کتاب" ذریت ابراہیم میں محدود تھی۔ وجعلنا فی

ذریتہ النبوۃ والکتاب" کا یہی مفہوم ہے۔ اور یہی مفہوم لکل امۃ رسولا کا ہے۔

ہر ایک رسول اور اس کے بعد انبیاء اپنی اپنی قوم کی طرف آئے۔ اور صرف اپنی اپنی قوم کو مخاطب کرتے رہے۔ غیر اقوام سے ہمیشہ بے تعلق رہے۔ اگر مرزا صاحب ممدوح کا یہ استدلال صحیح ہو۔ کہ نبوت اور کتاب کی تخصیص صرف ذریت ابراہیم سے ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ ذریت ابراہیم ہی کل اقوام عالم کے لئے رسول اور انبیاء رہتی۔ حضرت ابراہیم کی وفات کے بعد غیر اقوام میں نہ کوئی نبی ہوا۔ اور نہ ان کی اپنی شریعت کا اثر رہا۔ یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ یہ مسلم ہے کہ آنحضرت کی بعثت سے پیشتر کل رسل اور انبیاء کا خطاب صرف اپنی اپنی قوم سے تہا۔ حضرت عیسٰے صرف بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے مبعوث ہوئے۔

یا بنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم ترجمہ۔ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔

یہ دعوٰی کہ غیر اقوام میں رسل اور انبیاء حضرت ابراہیم کی بعثت سے پیشتر گذر چکے تھے۔ ایک بے معنی بات ہے۔ کیونکہ کتاب کا اثر دیگر اقوام میں ان کے اپنے انبیاء اور ہادیان کے ذریعہ غیر منقطع رہا ہے۔ اس لئے چار و ناچار تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ کل اقوام میں اپنے اپنے رسل اور انبیاء گذرے ہیں۔ اور ایک دوسرے سے ایسے ہی بے تعلق تھے۔ جس طرح ان کا بین الاقوامی رابطہ نہ تہا۔ البتہ اپنی اپنی کتاب کا ہم قوم کے خاص خاندانوں میں محدود تہا۔

قرون اولی کی خصوصیات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ تسلیم کرنا پڑے گا۔ کہ چونکہ فہم انسانی کے بچپن کا زمانہ تہا۔ اس لئے انبیاء کی نگرانی اور سرپرستی کی ایسی ہی ضرورت تھی۔ جیسا کہ ایک بچہ کو والدین کی ہوتی ہے۔ لیکن اب یہ بچہ بالغ ہو گیا۔ اور "قد تبین الرشد من الغی" یہ سرپرستی ہمیشہ کے لئے اٹھ گئی۔

حضرت عیسٰی اور رسول کریم کے دعاوی میں مقابلہ کرو۔ یہی فرق قرون اولٰے

اور موجودہ زمانہ کی خصوصیات میں سے ہے۔ رسول کریم کافۃ الناس کے لئے مبعوث ہوئے۔

یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعاً — ترجمہ اے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت عیسےٰ صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کیلئے مبعوث ہوئے۔

یابنی اسرائیل انی رسول اللہ الیکم جمیعاً — ترجمہ۔ اے بنی اسرائیل میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔

چونکہ کتب سابقہ مختلف اقوام کے اپنے اپنے حالات اور اوضاع و اطوار اور رسوم و عادات کے مناسب تھیں۔ اس لئے جب کہ کل اقوام عالم میں رابطۂ اتحاد پیدا ہونا تھا۔ اور ہر ایک قوم کو دوسرے کے تمدن و معاشرت سے موثر ہونا تھا اور کل اقوام کے اغراض اور حقوق کی حفاظت لازمی تھی۔ اس لئے ایک ایسی ہی کتاب کی ضرورت تھی۔ جو کل کتب سابقہ کی صداقتوں کی جامع بھی ہو۔ اور زمانہ موجودہ کے مناسب بھی ہو۔ یہ کتاب قرآن ہے۔

ختم نبوت ترقی مدارج کی دلیل ہے

اب سوال یہ ہے۔ کہ کیا آنحضرت کے بعد بھی انبیاء کی ایسی ہی ضرورت ہے۔ جیسا کہ قرون اولی میں تھی۔ ہرگز نہیں۔ اگر ضرورت ہوتی۔ تو ان ایام میں تھی۔ جو آنحضرت کے عہد کے قریب تھے۔ اب جبکہ فہم انسانی ارتقا کی اور بھی چند منازل طے کر چکا ہے۔ اور تیرہ سو سال کے عرصہ میں حکم کی اشاعت عام ہو چکی ہے کسی شخص کا دعوائے نبوت کرنا ذہن انسانی کا مضحکہ اڑانا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ آنحضرت خاتم النبین ہیں۔ اور آنحضرت نے اعلان فرما دیا کہ

لانبی بعدی — ترجمہ۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

وماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔ — ترجمہ۔ محمد تمہارے مردوں میں سے کسی ایک کا باپ بھی نہیں، لیکن رسول اللہ اور

خاتم النبیین ہے۔

صحف انبیاء کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے۔ کہ علمائے کی زبان کا فہم صرف انبیاء کے لئے خاص تھا۔ لیکن فہم قرآن کچھ مشکل نہیں۔ عام فہم ہے۔

لقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر ہم نے قرآن سمجھنے کے لئے آسان کیا۔ پر ہے کوئی سوچنے والا۔

کیا دعوت عام ہے۔ یہ کہنا کہ فہم قرآن آج ایک ہی شخص کے لئے خاص ہے ایک ایسا دعوئے ہے۔ جو زمانہ عقل میں معقول نہیں ہو سکتا۔ انبیاء کی ضرورت صرف ازمنہ تاریک کے لئے خاص تھی۔ اب دعوئے نبوت اللہ تعالیٰ کی حکمت کاملہ کا مضحکہ اڑانا ہے۔ صحابہ یا تابعین یا تبع تابعین میں سے ایک شخص کا بھی نبی نہ ہونا اوس ترقی مدارج کی دلیل ہے۔ جو قرون اولی میں اقوام کو حاصل نہ تھی۔ جو لوگ غلط فہمی سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ اس سے شان احمدی کو بٹہ لگتا ہے۔ حقیقت حال سے محض بے خبر ہیں۔ وما یتبع اکثرھم الا ظنا ط ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ط

فطرت چشمۂ الہام ہے

غلط فہمی کی ایک وجہ یہ ہے۔ کہ نبوت اور الہام لازم و ملزوم سمجھے گئے ہیں۔ اور یہ قیاس کیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالےٰ سے تعلق محض نبوت کے ذریعہ ہی رہ سکتا ہے۔ اس کی تائید کتاب اللہ سے نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ واضح ہوتا ہے۔ کہ ضرورت ہی انسان کو ملہم بنا دیتی ہے۔ لیکن ضرورت کا احساس علم پر موقوف ہے۔ اور علم کی تعریف یہ ہے۔ کہ لاریب فیہ" جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ ہو۔ زمانہ حال کی حیرت انگیز دریافت اور ایجاد ایسی ضرورت کے احساس سے ظہور میں آئی ہیں۔ یہ سمجھنا کہ انسان ایک بے جان کل کی طرح بین الاصبعین ہو۔ انسانی دل اور دماغ کا انکار کرنا ہے۔

صالحین کسے کہتے ہیں؟

ہر ایک عمل جو تدبر اور تفکر کا نتیجہ نہیں، ضایع ہوتا ہے۔ ہر ایک کوشش جو مدعا کے بغیر ہو۔ بے فائدہ ہے ایسا عمل نہ صالح ہے۔ اور نہ انسان کو ارتقا میں مدد دے سکتا ہے۔ جب حضرت

موسیٰ نے بنی اسرائیل کو دشمنوں کے مقابلہ کیلئے کہا۔ تو جواب ملا۔ کہ جا تو اور تیرا خدا ہمارے دشمنوں سے جنگ کرے۔ ہم تو یہیں بیٹھینگے۔ یہ لاعلمی کا نتیجہ ہے جاھدوا فی سبیل اللہ کی حکمت سے ناواقفیت ہے۔ یہ قانون فطرت ہے کہ لیس للانسان الاماسعیٰ۔ تدبر اور تفکر کے بعد سعی چاہیئے۔ یعنی بنظر انجام کار ہو۔ وہ کوشش ہی کیا ہے۔ جب یہ علم بھی نہ ہو۔ کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟

صداقت موجود ہے۔ لیکن خود بخود حاصل نہیں ہوئی۔ سعی اور سعی کے ساتھ علم شرط ہے۔ صداقت اور شئے ہے۔ اور صداقت کا علم اور چیز ہے۔ انسانی شرافت کا یہ تقاضا ہے۔ کہ صداقت کا علم ہو۔ بغیر علم کسی نتیجہ پر پہنچنا خواہ وہ صداقت ہی کیوں نہ ہو۔ ایک بے جان "کل" کی طرح ہے۔ کیا کوئی انسان اس ارتقائی حالت میں پھر ادنےٰ درجہ کی طرف رجوع کرنا پسند کریگا۔ کیا وہ پسند کریگا۔ کہ اس کا دل ہو نہ دماغ اور اگر یہ ہوں بھی۔ تو ان میں نہ جذبات ہوں اور نہ تدبر و تفکر کی طاقت ہو۔ ایسی خواہش نفسانیت کی نفی کرتی ہے۔

اسی طرح اگر نیکی کا علم ہو۔ مگر نیت نیک نہو۔ کوئی عمل خواہ اس کا نتیجہ بالواسطہ یا بلاواسطہ نیک ہو۔ عمل صالح نہیں۔ عمل صالح وہی ہے۔ جس میں انسانی علم و نیت و ارادہ کام کرتا ہے۔ نتائج کے لحاظ سے نیک و بد اور بعض نتائج کے لحاظ سے قابل تعریف و مذلت نہیں۔ یورپ کی تہذیب و تمدن کے اسباب میں سے "حروب الصلیبیہ" کو بھی شمار کیا جاتا ہے۔ اگر بد اعمالی کے نتائج بالواسطہ نیک ہوا کرتے ہیں تو یہ قوانین فطرت کی خوبی ہے۔ کہ وہ حسن و خوبی کے چہرے کو بگڑنے نہیں دیتے۔ فتح قسطنطنیہ ہی یورپ میں علوم و فنون کی اشاعت کا باعث ہوئی۔ قسطنطنیہ یورپ میں علوم و فنون کا مرکز تھا۔ جب سلطان محمد خاں ثانی نے قسطنطنیہ فتح کیا۔ تو اہل علم و فن بھاگ کر یورپ کے مختلف ممالک میں چلے گئے۔ کوئی یورپین سلطان کو کلمۂ خیر سے یاد نہیں کریگا۔ شاہ انگلستان "جون" نے مگنا چارٹا (قرطاس حریت و مساوات) پر اس لئے دستخط کر دئے۔ کہ مسلح جماعت شرفاء کا

دباؤ پڑ رہا تھا۔ لیکن جب نفسانیت سے خوف و خطر کا پردہ اٹھ گیا۔ تو اسی قرطاس کو پارہ پارہ کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس کی نیت کبھی بخیر نہ تھی۔ ہر ایک عمل جو خوف وخطر اور جبر و اکراہ کے احساس کا نتیجہ ہے۔ عمل صالح نہیں۔ ایسی وفاداری کا اظہار جو محکوم قومیں خوف کے مارے کرتی ہیں۔ قابل تعریف نہیں۔ ایسی مراعات جو حکومت بغاوت کے خوف سے دیتی ہے۔ عمل صالح نہیں

فرعون ایک شیر خوار اسرائیلی بچہ کو زندہ رہنے دیتا ہے۔ کیا یہ عمل صالح ہے۔ اس کی پرورش شاہی گود میں ہوئی ہے۔ اس کی تعلیم و تربیت شہزادوں کی طرح ہوئی ہے۔ کیا یہ اعمال صالح ہیں۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ فرعون کی نیت بخیر نہیں۔ بچہ کو زندہ رہنے دیا۔ تو اس لئے کہ "عسی ان ینفعنا پرورش اور تعلیم و تربیت اسی ذاتی منفعت کے خیال سے کی۔ اگر اس کا عمل لوجہ اللہ ہوتا۔ تو صالح ہوتا۔ اگر بے بس بچہ کو دیکھ کر خدائی صفت رحم اس کے دل میں پرورش اور تعلیم و تربیت کی تحریک کرتی۔ تو اس کا عمل صالح ہوتا۔ وہ اسرائیلیوں کو اس لئے قتل کرتا تھا۔ کہ روز افزوں ترقی کر رہے تھے۔ ان کی کثرت نفوس سے خوف تھا۔ کہ حکومت کا تختہ الٹ دینگے۔ اس اسرائیلی بچہ کو اس لئے قتل نہ کیا۔ کہ عسیٰ ان ینفعنا" وہ اس بچہ کو اسی بچہ کی قوم کے خلاف ایک خطرناک آلہ بنانا چاہتا تھا۔ اور اسی بدنیتی سے اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت کا مناسب انتظام کیا۔ اس کے عمل میں ایک ہی بدنیت' ایک ہی بدارادہ کام کر رہا تھا۔ اس لئے یہ مشورہ کہ "عسی ان ینفعنا" پسند آیا۔ اور یہ مشورہ اس لئے دیا گیا۔ کہ اس کے دل کی بات تھی۔ اسی ایک لفظ نفع میں فرعونیت کا اظہار تھا۔

اس وقت فرعون کے ہاتھ یہ شیر خوار بچہ نہ تھا۔ بلکہ بنی اسرائیل کی قومیت اوس کے قبضہ میں تھی۔ نہ صرف یہی کہ اس وقت اس شیر خوار بچہ کی طرح بنی اسرائیل آل فرعون کے ہاتھوں میں بے بس تھے۔ بلکہ فرعون اور فرعونیت کی منفعت کا آلہ بھی تھی۔ عسیٰ ان ینفعنا کا یہی مفہوم ہے۔

لیکن الحمد للہ کہ تقاضائے فطرت بھی کچھ ہے - دنیا میں کوئی طاقت اس کے عمل کو بیکار اور معطل نہیں کر سکتی - فطرت اپنا کام آہستہ آہستہ اور اس خاموشی سے کرتی ہے - کہ اس کا عمل محسوس نہیں ہوتا - فطرت میں عجلت نہیں - عجلت کا وہ دلدادہ ہوتا ہے - جس کے دل میں خوف ہو - شک وشبہ ہو - فطرت اس سے پاک ہے فطرت غم وغصہ سے واقف نہیں - وہ اپنا کام بلا خوف وخطر - بلا جبر واکراہ اور بلا شک وشبہ کرتی ہے - اور سیدھی صحیح نتیجہ پر پہنچتی ہے - وہ تمام صنعتیں جو باطل اس کے راستہ میں رکاوٹوں کی صورت میں اختراع کرتا ہے - اسی کے آلات عمل بنجاتے ہیں - اگر یہ رکاوٹیں نہ ہوتیں - تو اس کی حرکت ہماری نظروں میں سکون معلوم ہوتا - لیکن ان رکاوٹوں نے فطرت کا عمل تیز اور تیز تر کر دیا - لا تبدیل لخلق اللہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون -

حضرت موسیٰ اسرائیلی وفد کی صورت میں فرعونی دربار میں اپنے مطالبات پیش کرتے ہیں - فرعون کے کانوں میں ابھی تک عسیٰ ان ینفعنا کا فقرہ گونج رہا ہے - ایک ایک کر کے اپنے احسانات جتاتا ہے - اور پرورش اور تعلیم وتربیت اور دنیوی عزت وجاہ کا حال یاد دلاتا ہے - حضرت موسیٰ جواب دیتے ہیں - کہ

وتلک نعمۃ تمنھا علی ان عبدت بنی اسرائیل

ترجمہ اور اس احسان کی غرض جو تو مجھے جتا رہا ہے - یہ تھی - کہ بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنالے -

المختصر وہ عمل صالح نہیں - جو خوف وخطر وجبر واکراہ کے تحت ہو - وہ عمل صالح نہیں - جو علم ونیت وارادہ کے خلاف ہو - وہ عمل صالح نہیں - جو ذاتی منفعت کیلئے ہو - عمل صالح وہ ہے - جو لوجہ اللہ ہو - صالح کی یہ تعریف ہے - کہ اس کا عمل بلا تصنع علم کے مطابق ہو۔

شہید کی تعریف

شہید کی یہ تعریف ہے - کہ اس کے علم سے کوئی شئی پوشیدہ نہ ہو

ان اللہ کان علی کل شئی شہیدا ؁ ترجمہ - بلاشبہ اللہ کے روبرو ہر ایک شئے ہے

یہ تعریف اللہ ہی کے لئے خاص ہے۔ لیکن سمیع و بصیر کی طرح شہید کا اطلاق بشر پر بھی ہوتا ہے۔ اس لئے شہید وہ ہے۔ جس کا لقب العین اظہار علم ہو۔"

قل للہ المشرق والمغرب یہدی من یشاء الی صراط مستقیم وکذلک جعلنکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا ۲/۱

ترجمہ۔ کہو۔ کہ اللہ ہی کا ہے مشرق و مغرب جس کو چاہتا ہے۔ صراط مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اسی طرح ہم نے تم کو امت وسطا بنایا۔ کہ تم لوگوں پر اظہار علم کرو۔ اور رسول تم پر اظہار علم کرے۔

ان آیات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ اصحاب کو "منصب شہادت" جو رسول کے فرائض کے متعلق ہے۔ حاصل تھا۔ مگر ان پر رسول کا اطلاق نہیں ہوتا۔ فرائض منصب شہادت میں دخل ہے۔ کہ شہید اظہار علم کے لئے جان و مال سے دریغ نہیں کرتا۔

صدیق کی تعریف

صدیق وہ ہے "جس کا قلب سلیم بلا شک و ریب علم تبدل کرتا ہے" یہ مقام صدق انتہائی مقام ہے۔ جو کسی بشر کو دنیا میں حاصل ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کل انبیاء اور رسل صالحین تھے۔ اور اصحاب صالحین تھے۔

انما المومنون الذین آمنوا باللہ و رسولہ ثم لم یرتابوا وجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ اولئک ھم الصالحون ۔ (۲۶-۱۴)

ترجمہ۔ بیشک مومن وہی ہیں۔ جو ایمان لائیں اللہ پر اور اس کے رسول پر پھر اس پر شک نہ کریں۔ اور اللہ کے راستہ میں اپنی جان اور مالوں سے محنت کریں۔ یہی لوگ صالحین ہیں۔

مگر "صدیقین کی فہرست میں انبیاء اور رسل بھی خال خال نظر آتے ہیں۔ لیکن اصحاب رسول کریم کثرت سے ہیں

ھم الصدیقون والشھداء عند ربھم لھم اجرھم ونورھم (۲۷/۱۸)

ترجمہ۔ وہی ہیں صدیق اور شہید اپنے رب کے نزدیک۔ انکو ہے انکا اجر اور انکا نور۔

تعجب نہ کرو حقیقت یہی ہے۔ علم کی تعریف ہے "لاریب فیہ" اور اس کیلئے تزکیہ نفس و تصفیہ قلب شرط ہے۔ کیونکہ "ریب" شک و شبہ ظن سے ظن "نفسانیت" سے پیدا ہوتا ہے۔ اور ان الظن لا یغنی من الحق شیئاً" انبیاء کا تو کیا مذکور ہے رسل بھی آنحضرت کی بعثت سے بیشتر نفسانیت سے پاک نہ تھے۔ اور کوئی نبی اور کوئی رسول ماسوی آنحضرت "وما ینطق عن الھوی" کا مخاطب نہیں۔ اس لئے "مقام محمود" جو صدق کا انتہائی درجہ ہے۔ آنحضرت کا حصہ ہے۔

عسیٰ ان یبعثک ربک مقاماً محموداً
قل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعلنی من لدنک سلطاناً نصیراً۔ وقل جاء الحق و زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا ۱۵/۹

ترجمہ شاید تیرا رب تجھ کو مقام محمود میں کھڑا کرے۔ دعا مانگ کہ اے رب مجھ کو صدق میں ہی لا۔ اور صدق ہی کیساتھ لے جا۔ اور میرے لئے آسمانی بادشاہت کی مدد دے۔ اور اعلان کر۔ کہ حق آگیا اور باطل بھاگ گیا۔ بلا شبہ باطل بھگوڑا ہی تھا۔

اعلان "جاء الحق و زھق الباطل" اس ارتقائے عقل و فہم کا شاہد ہے جس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ قرون اولیٰ میں جو بات خاص تھی۔ آج عام ہے۔ آج بچہ بچہ افلاطون و ارسطو ہے۔ یہ اسی ارتقا کے مناسب ہے۔ کہ

سنریھم ایٰتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق اولم یکف بربک انہ علیٰ کل شیٔ شھید ۲۵/۶

ترجمہ۔ اب ہم دکھادینگے۔ ان کو اپنی آیات دنیا میں اور ان کی جان میں۔ جبتک کہ کھل جائے۔ ان پر کہ یہی حق ہے۔ کیا تیرا رب کافی نہیں ہے۔ بلا شبہ وہ ہر ایک شئی پر نگران ہے۔

بیا بنگر جمال یار بے پردہ است دیدارش
تقاضائے نگاہ شوق وارد جلوہ در کارش
بسوزد شعلہ برق تجلی خرمن ہستی
کہ موسیٰ باید بیضا ندارد تاب دیدارش

اگر نقد نگاہ شوق داری صرف حیرت کن
کہ بفروشند حسن ماہ کنعانی بہ بازارش (اختر)

حضرت عیسےٰ نے رومی گورنر "پیلاطوس" کی ناصح نہاد عدالت میں یہی کہا کہ:-
"میں اس لئے پیدا ہوا - اور اس واسطے دنیا میں آیا ہوں - کہ حق کی گواہی دوں"
(یوحنا ۱۸ : ۳۷) یعنی شہید ہوں - اپنے لئے "صدیق" کا لفظ استعمال نہ کیا - وکنت علیہم شہیدا (۵)

اس تشریح کے بعد ضرورت نہیں - کہ ہم مولوی فاضل سے دریافت کریں - کہ کیا آپ اب بھی رسول اللہ پر ایمان نہیں لائیں گے - کہ آنحضرتؐ خاتم النبیین ہیں کیا اب بھی آپ کی رجعت پسندی قرون اولی کی تنگ و تاریک بھول بھلیوں میں لئے پھرے گی -؟

کتاب اور حکمت

مولوی فاضل صاحب کا استدلال "یعلمہم الکتاب والحکمۃ" سے یہ ہے - کہ کتاب اور حکمت دو مختلف چیزیں ہیں - کتاب تو ہوئی کتاب اللہ اور حکمت کا لفظ تو صریح طور پر بتلاتا ہے کہ کتاب کے سوا بھی رسول صلعم انہیں سکھاتے تھے -

ایسا دعویٰ جو بلا دلیل ہو - قابل پذیرائی نہیں - مولوی صاحب نے بار دلیل سے سبکدوشی حاصل نہیں کی - اور یہ نہیں بتایا - کہ وہ کون سی باتیں ہیں جنہیں "حکمت" سے تعبیر کیا جاتا ہے - اور جو کتاب اللہ میں مذکور نہیں - جب غرض تحقیق نہ ہو - بلکہ مخاطب کو کسی نہ کسی طرح ملزم قرار دینا ہو - تو اسی قسم کی بحث کی طرح ڈالی جاتی ہے - مولوی فاضل صاحب کو چاہئے تھا - اور تقاضائے تحقیق بھی یہی ہے کہ اپنے دعویٰ کو دلائل سے واضح بیان کرتے - قرآن کا مطالعہ کرو - دیکھو - ہر ایک دعوے کو برہان اور دلائل سے ثابت کیا ہے - اتباع ما انزل اللہ کا تقاضا ہے کہ "ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین" اب ہم مولوی صاحب کو بتاتے ہیں - کہ حکمت کی باتیں بھی قرآن ہی میں مذکور ہیں - اور ما انزل اللہ میں شامل ہیں - اور بذریعہ وحی نازل ہوتی رہی ہیں -

"کتاب" اور "علم" اور "حکمت" اور "قرآن" اور "فرقان" مختلف نام ایک ہی "ما انزل اللہ" کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ بےشمار ہیں۔ اگرچہ ایک دوسرے کا غیر اعتباری ہے مگر ان میں حقیقی مغائرت نہیں ہے۔ اسی طرح ما انزل اللہ کے مختلف نام اوس کی مختلف صفات و افعال و آثار و احکام کی حیثیت سے ہیں۔ مگر ہیں نام ایک ہی شئے کے مثلاً ایک نام "کتاب" ہے۔ دوسرا نام علم ہے۔ جس کی یہ تعریف ہے۔ کہ اس میں شک و شبہ کی گنجایش نہیں۔ ذالک الکتاب لاریب فیہ

ولئن اتبعت اھواءھم بعد الذی جاءک من العلم مالک من اللہ من ولی ولا نصیر" ۲/۱۲۰

ترجمہ۔ اور کبھی تو ان کی خواہش پر چلا۔ بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا۔ تو اللہ کے ہاتھ سے تیرا حمایت کرنے والا اور مددگار کوئی نہ ہوگا۔

اور اسی طرح اس کے اسماء میں "ہدایت" اور "رحمت" بھی ہیں

ذلک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین۔

ترجمہ۔ یہ کتاب ہے جس میں شک و شبہ نہیں متقین کیلئے ہدایت ہے۔

ولقد جئنٰھم بکتٰب فصلنٰہ علی علم ھدی ورحمۃ لقوم یؤمنون" ۷/۵۲

اور ہم نے تو ان کو کتاب پہنچا دی ہر طرح تفصیل علم بھی کر دی۔ ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے

اسی طرح اس کا ایک نام "حکمت" ہے

انزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ"

ترجمہ۔ اور اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی۔

واذکروا نعمت اللہ علیکم وما انزل علیکم من الکتاب والحکمۃ ۲/۲۳۱

اور اللہ نے جو تم پر احسان کئے ہیں۔ ان کو یاد کرو۔ اور یہ کہ اس نے تم پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی

ولقد جاءھم من الانباء مافیہ مزدجر

اور ان کو تو اتنے حکم پہنچ چکے ہیں۔ کہ

حکمۃ بالغۃ ۶/۲۷	جن میں تنبیہ تھی۔ سراسر حکمت تھی
ذلک مما اوحیٰ الیک ربک من	یہی ہے۔ جو تیرے رب نے حکمت سے
الحکمۃ ۱۵/۴	وحی کیا۔

ہم لکھہ چکے ہیں۔ کہ قرآن جامع و ملنع کتاب اصول ہے۔ اس لئے نامناسب نہ ہوگا۔ اگر یہ بھی واضح کر دیا جائے۔ کہ اصول حکمت کیا ہیں؟

ان السمع والبصر والفواد کل اولئک	ترجمہ۔ بالشبہ سمع و بصر و دل ہر ایک کو اس
کان عنہ مسئولا۔ ولا تمش فی الارض	سے پرسش ہے۔ نہ چل اتراتا ہوا۔ تو زمین
مرحا۔ انک لن تخرق الارض ولن تبلغ	کو پھاڑ نہ دیگا۔ اور پہاڑوں کی بلندی
الجبال طولا۔ کل ذلک کان سیئہ عنہ	تک نہ پہنچ سکیگا۔ یہ جتنی باتیں ہیں۔ ان
ربک مکروھا۔ ذلک مما اوحیٰ الیک	میں سے سب سے بری چیز تیرے رب کی
ربک من الحکمۃ" ۱۵/۴	بیزاری ہے۔ یہی ہے۔ جو تیرے رب نے تجھے حکمت سے وحی کیا ہے۔

تمام حواس ظاہری و باطنی اور تمام طاقتیں جن پر انسان کا قبضہ ہے۔ ثابت ہیں جو ایسے کاموں کے واسطے عطا ہوئے ہیں۔ جو پسندیدہ ہیں۔ نہ کہ ایسے کاموں کے لئے جن سے فطرت کراہت کرتی ہے۔ قانون فطرت یہ ہے۔ کہ اعضائے انسانی اور تمام قوائے انسانی اگر انہی کاموں میں استعمال کئے جائیں۔ جن کے لئے فطرتاً وضع ہوئے ہیں۔ تو ارتقاء میں مدد ملتی ہے۔ اور اگر ان کا ناجائز استعمال کیا جائے۔ تو نہ صرف وجود انسانی میں بلکہ ہر ایک شئے میں جو اس وجود سے تعلق رکھتی ہے۔ فساد پیدا ہوتا ہے۔

فجعلنہ سمیعا بصیرا انا ھدینہ	ترجمہ۔ پھر اس کو سنتا دیکھتا بنا دیا۔ ہم نے
السبیل اما شاکرا واما کفورا۔ ۲۹/۱۹	اس کو راہ سوجھائی۔ یا شکر گزار ہوتا ہے یا ناشکرہ۔

یعنی اللہ تعالٰے نے سمع و بصر و عقل ایسے آلات دیکر یہ بھی فطرتاً سمجھا دیا۔ کہ ان سے کیا کام لینا چاہیئے۔ اور کیا نہ لینا چاہیئے۔ اگر انسان ان کو انہی کاموں میں

استعمال کرے۔ تو شاکر ہے۔ اللہ تعالےٰ کی حکمت بالغہ نے ان آلات کو جس کام کے لئے وضع کیا ہے۔ اس کے مطابق کام کرنا شکر انعام ہے۔ جو انسان کو ان آلات کی صورت میں عطا ہوا ہے۔ کہ اس کو ارتقا میں مدد دیتے ہیں۔ ورنہ کفر ہے۔ جیسا کہ ہر ایک نفس پرست کرتا ہے۔

اس اصل حکمت کو اللہ تعالیٰ ایک مثال سے واضح فرماتا ہے:۔

ولا تمش فی الارض مرحاً انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا

ترجمہ۔ یعنی زمین پر اکڑ کر اتراتا ہوا نہ چل۔ تیری رفتار سے زمین میں شگاف تک نہیں آ سکتا۔ اور کھنچ کر چلنے سے پہاڑوں کی بلندی پست نہ ہوگی۔

یہ فعل فطرتاً مکروہ اور عقلاً ممنوع ہے۔ نہ صرف عبث ہے۔ بلکہ ہزارہا خرابیوں کا موجب ہے۔ خواہش علو' اور فساد" لازم و ملزوم ہیں۔ جو شخص فرعون کی طرح علو کا خواہاں ہوتا ہے۔ وہ ان آلات سے جو اسکے قبضہ میں ہوتے ہیں۔ وہ کام کرتا ہے۔ جو فرعونیت کے مقتضی ہیں یا نتیجہ فتنہ و فساد ہے۔

حکمت" اگر شکر کے ساتھ نہ ہو۔ یعنی اس کا استعمال مناسب موقعہ اور محل پر نہو تو فساد برپا ہو جاتا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ کہ

ولقد اتینا لقمان الحکمۃ ان اشکر للہ

ترجمہ۔ ہم نے لقمان کو حکمت عطا فرمائی کہ اللہ کا شکر ادا کرے۔

حضرت لقمان اپنے بیٹے کو نصیحت حکیمانہ کرتے ہیں۔ کہ

ولا تمش فی الارض مرحا ان اللہ لا یحب کل مختال فخور واقصد فی مشیک واغضض من صوتک ان انکر الاصوات لصوت الحمیر۔ ۲۱

ترجمہ اور زمین پر اتراتا ہوا مت چل۔ بلا شبہ اللہ کو کوئی اکڑ فوں اور بڑے بول والا نہیں بھاتا۔ چل میانہ چال۔ اور اپنی آواز نیچی کر۔ بیشک بری سے بری آواز گدھوں کی آواز ہے۔

یہ احکام ہیں۔ اور ان احکام کی حکمت بھی واضح کی گئی ہے۔ غلط فہمی عموماً اس سے ہوتی ہے۔ کہ حکمت کا مفہوم" دانائی کی باتیں۔ فہم سلیم سمجھا ہے۔ لیکن کیا وہ کتاب اللہ کے الفاظ سے علاوہ ہے؟ کیا وہ کتاب اللہ کے اصلی معانی نہیں ہیں اگر کسی شخص نے کسی آیت کا صحیح مفہوم سمجھ لیا ہے۔ تو وہ کتاب اللہ ہی کے الفاظ میں ہے۔ لیکن ہمارا مدعا اس تشریح سے یہ ہے۔ کہ فہم کتاب اللہ" کتاب اللہ ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص سمع و بصر و فواد کو صحیح استعمال کرتا ہے۔ تو اس کے لئے الہام کا راستہ کھل جاتا ہے۔ اور تصورہائے معلومہ سے نامعلوم کی تصدیق بھی مفہوم ہو جاتی ہے۔ مگر یہ سب باتیں کتاب اللہ میں مذکور ہیں۔ کوئی ایسی بات تو بتاؤ۔ جو کتاب اللہ میں نہیں ہے

ان آیات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ قرآن حکیم میں رسم سابقہ کے حالات بھی کثرت سے بیان کئے گئے ہیں۔ اور نتائج پر "تنبیہ" بھی ہے

سنت اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنت اللہ تبدیلا۔ ۲۳/۱۱	اللہ کا قانون ہے۔ جو شروع سے چلا آتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے قانون میں تو تبدیلی نہ پائے گا
فھل ینظرون الا سنت الاولین فلن تجد لسنت اللہ تبدیلا ولن تجد لسنت اللہ تحویلا۔ اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبۃ الذین من قبلھم" ۲۲/۱۴	ترجمہ۔ پھر اب اسی دستور کے منتظر ہیں جو اگلوں پر گذر چکا۔ سو تو نہ پائے گا اللہ کا دستور بدلتا۔ اور نہ پائیگا اللہ کا دستور ٹلتا۔ کیا زمین پر چل پھر کر نہیں دیکھا۔ کہ جو ان سے پہلے تھے ان کا کیا انجام ہوا۔

المختصر حالات بھی بیان کئے گئے ہیں۔ اور یہ بھی واضح کیا گیا ہے۔ کہ یہ نتائج قوانین فطرت کا لازمی نتیجہ ہیں۔ اور آفرینش سے یہی قوانین اپنا کام کر رہے ہیں۔ ان میں تبدیلی ناممکن ہے۔ یہ اٹل ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

خدا نے "سمع" دیا ہے۔ سننے کیلئے جو صدائے فطرت ہے۔ "بصر" ہے تو دیکھنے کے لئے جو مشاہدہ فطرت ہے۔ "فواد" دیا ہے۔ تو تذکر و تدبر و تفکر کے لئے کہ "ربنا ما خلقت ھذا باطلا" اسے کہتے ہیں "حکمت" جو آفرینش سے ہر ایک امر میں اپنا کام کر رہی ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جن کو اس کا فہم عطا ہو۔ اور بدبخت ہیں وہ لوگ جن کے کان ہیں اور سنتے نہیں۔ آنکھ ہے پر دیکھتے نہیں۔ دل ہے پر سمجھتے سوچتے نہیں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں جو "حکمت" پوشیدہ ہے۔ وہ بھی کتاب اللہ میں مفصل واضح کی گئی ہے۔ جیسا کہ ہم ایک مثال سے بیان کر چکے ہیں۔ اب مولوی فاضل صاحب اس حکمت کو واضح کریں۔ جو اس کے علاوہ ہے۔

ناسخ و منسوخ

اسلام اور حریت و مساوات کے تحت مرزا صاحب ممدوح نے "جعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب" سے عدم مساوات پر یہ استدلال کیا تھا۔ کہ نبوت اور کتاب آل ابراہیم سے مخصوص ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا۔ کہ قرون اولیٰ کے حالات موجودہ زمانہ سے مختلف ہیں۔ ارتقا کا یہ تقاضا ہے۔ کہ انسان طبقاً عن طبق ترقی کرتا ہوا جائے۔ اس لئے یہ استدلال صحیح نہیں۔ اب جبکہ نبوت ختم ہو چکی ہے۔ اس لئے بھی یہ استدلال غلط ہے۔ اور ختم نبوت کے ثبوت میں آیات کتاب اللہ سے استدلال کیا گیا۔ جن میں سے ایک حسب ذیل ہے

وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ فینسخ اللہ ما یلقی الشیطان ثم یحکم اللہ اٰیتہ واللہ علیم حکیم لیجعل ما یلقی الشیطان فتنۃ للذین فی قلوبھم مرض والقاسیۃ قلوبھم" ۲۲/۷

ترجمہ۔ ہم نے تم سے پہلے کوئی ایسا رسول نہیں بھیجا اور نہ کوئی نبی ہی۔ جبکہ یہ بات واقع نہ ہوئی۔ کہ جب اس نے تمنا کی شیطان نے اس کی تمنا میں القا کیا۔ پھر خدا نے القاء شیطان کو دور اور اپنی آیتوں کو مضبوط کیا۔ اور اللہ علیم اور حکیم ہے تاکہ القاء شیطانی کو ان لوگوں کی آزمائش گردانے۔ جن کے دلوں میں مرض ہے اور

ان کے دل سخت ہیں۔

انہی آیات پر بحث کرتے ہوئے مولوی فاضل صاحب نے کتاب اللہ میں نہ صرف بے باکانہ تحریف بلکہ تصرف بیجا سے بھی کام لیا ہے۔ آیت زیر بحث میں "من رسول" سے پہلے "من قبلک" اور بعد میں "ولا نبی" کے الفاظ حذف کر دئے ہیں جس سے آیات کا مفہوم جس کے لئے یہ وضع ہوئی ہیں۔ بالکل بدل گیا۔ اگر یہ معمولی غلطی کتابت ہوتی۔ تو ہم خاموشی سے نظر انداز کرتے۔ مگر ہمارے ایک احمدی دوست نے جن کے ساتھ انہی آیات پر ہمارا مبادلہ خیالات ہوا۔ اور یہی انکشاف ایک خط مورخہ ۲۱ اپریل ۲۱ء میں جو اپنے ایک بزرگ کو لکھتے ہیں۔ کیا ہے۔

کارڈ آپکا ملا۔ مکرمی خواجہ صاحب نے آیت وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیتہ الخ ۱۷/۱۳ میں لفظ قبلک سے یہ استدلال کیا تھا۔ کہ محمد رسول اللہ صلعم سے پہلے جو رسول اور نبی ہوئے۔ صرف ان کو القاء شیطانی ہوئے۔ کیونکہ وہ کامل نبی اور کامل رسول نہ تھے۔ اس لئے نہ ہی وہ رسول اور نبی خاتم النبیین کہلائے۔ اور نہ ہی اکملت لکم دینکم کی وحی ان پر نازل ہوئی اور نہ ہی وہ ما ینطق عن الھوےٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ کے مصداق ٹھہر سکے۔ لیکن حضرت نبی کریم صلعم چونکہ خاتم النبیین تھے۔ اور دیگر رسولوں اور نبیوں سے ایک خاص امتیاز رکھتے تھے۔ اس لئے قبلک کے لفظ میں یہ اشارہ ہے۔ کہ ان کی وحی سراسر آیات اللہ نہیں۔ اس لئے قرآن کریم کے "محافظوں" کا وعدہ یہی ہے۔ لیکن پہلے نبیوں کی وحی محفوظ نہ رہی۔ کیونکہ ان کے ساتھ شیطانی القاؤں کی ملاوٹ ہو گئی تھی۔ بہر صورت خواجہ صاحب نے اس آیت سے ایک خصوصیت نکالی ہے۔ جیسے کہ جمیع اہل اسلام لفظ خاتم النبیین سے آنحضرت صلعم کی ایک خصوصیت نکالتے ہیں۔ جو لوگ اس آیت سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ اس میں حضرت نبی کریم صلعم کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ بلکہ جب ان کو القاء شیطانی ہوا۔ اور لوگوں نے شور برپا کر دیا۔ کہ بتوں کی تعریف میں آیات نازل ہوئی ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ کہ سب رسولوں۔

نبیوں کو القائے شیطانی ہوئے۔ چنانچہ تفاسیر میں اس آیت کا شان نزول اسی طرح درج ہے۔ تو ایسے لوگ دراصل حضرت نبی کریم صلعم کو بھی انبیاء سابقین سے ملاتے ہیں۔ ان کو چاہئے۔ کہ پھر خاتم النبیین اور الکملت لکم دینکم اور ما ینطق عن الھوی کے بھی ایسے معنے کریں۔ جو نبی کریم صلعم ان خصوصیات میں انبیاء سابقین سے مستثنیٰ نہ سمجھے جائیں۔

بعض لوگ اس آیت سے یہ سمجھتے ہیں۔ کہ

جب کبھی کسی نبی رسول نے تمنا تبلیغ کامل کیلئے کی ہے۔ تو شیطان نے اس کی آرزو اور تمنا میں وسوسے ڈالے ہیں۔ یعنی رسول یہ تمنا کرتے ہیں۔ کہ توحید پھیلے اور شیطان سیرت لوگ مقابلہ کر کے شیطانی باتیں پھیلاتے ہیں۔

میرے خیال میں بشریت کا تقاضا حقیقی نسیان اور خطا ہے۔ اور نسل انسانی کے قلوب اور صدور میں وساوس اور شکوک کا پیدا ہونا ایک قدرتی بات ہے۔ کوئی بشر خواہ وہ رسول ہو۔ یا نبی، اس سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ میرے خیال میں آیت زیر بحث میں یہ الفاظ جو ہیں۔ کہ "لیجعل ما یلقی الشیطان فتنۃ للذین فی قلوبھم مرض والقاسیۃ قلوبھم" یہ الفاظ حضرت نبی کریم کو مستثنیٰ نہیں کرتے۔ اور جب تک نبی کے اجتہادات کی کمزوریاں ثابت نہ ہوں۔ اور یہ ثابت نہ ہو۔ کہ نبی اور رسول بشر ہوتے ہیں۔ خطا اور نسیان سے پاک نہیں ہوتے۔ تب تک خدا کے کلام اور انسان کے کلام میں جو مابہ الامتیاز ہے۔ وہ قائم نہیں ہو سکتا۔ اگر حضرت نبی کریم صلعم فطرتاً شیطانی وساوس اور شیطانی القاء سے محفوظ ہوتے۔ تو پھر شیطان سے پناہ مانگنا اور خدا سے استعانت اور امداد طلب کرنا بے معنی سی بات ہوتی۔

حضرت مسیح موعود نے کتاب آئینہ کمالات اسلام کے صفحہ ۳۵۲ پر اس آیت کے متعلق لکھا ہوا ہے۔ لیکن افسوس کہ انہوں نے غلطی سے من قبلک کا لفظ نہ لکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ مجھے یہ آیت بغیر قبلک کے یاد ہو گئی اور حضرت مسیح موعود نے قرآن کریم کی آیت کو غلطی سے غلط لکھکر مجھ سے بھی غلطی کرائی۔ میں نے خواجہ

صاحب کو کہا۔ کہ آیت میں قبلک کا لفظ موجود نہیں۔ حالانکہ موجود ہے۔"ان

الانسان مرکب من الخطا والنسیان"

مولوی فاضل صاحب ہمارے استدلال سے جو ہم نے آیت زیر بحث سے کیا ہے عدم مساوات پر یہ دلیل پیدا کرتے ہیں۔ کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر القار شیطانی نہیں ہوا۔ باقی رسل کے قلب پر ہوا۔ اس لئے مساوات نہ رہی" بلاشبہ جب ہم قرون اولی کا مقابلہ موجودہ زمانہ کے ارتقا سے کرتے ہیں۔ تو کہنا پڑتا ہے۔ کہ ان ایام میں حریت ومساوات نہ تھی۔ جو فہم انسانی کے ارتقا کے مقتضی ہے۔ یہ حقیقت کہ "ماکذب الفواد ماداٰی" اس حریت ومساوات کی طرف رہنمائی کررہی ہے۔ جس کا فہم قرون اولی میں اس شان کمال میں نہ تہا۔ جیسا کہ اب ہے اگر عدم مساوات پر کچھ دلیل قایم ہو سکتی ہے۔ تو وہ کلام اللہ کے رو سے نہیں۔ بلکہ اسی القار شیطانی میں مل سکتی ہے۔ جو قرون اولیٰ کے نفوس میں ہوتا رہا۔ بنی اسرائیل کے بڑے سے بڑے پیغمبر نے بھی اپنی قوم کو خدا کے بیٹوں اور غیر بنی اسرائیل کو کتوں سے تعبیر کیا۔ (متی $\frac{15}{26}$ مرقس $\frac{7}{27}$) بنی اسرائیل اپنے آپ کو خدا کے بیٹے بلکہ پلوٹھے سمجھتے تھے۔ یقیناً یہ القاد شیطانی ہے۔ کلام اللہ میں ان کی تمناؤں کی مذلت کی گئی ہے۔

وقالت الیهود والنصٰرٰی نحن ابنؤا اللہ واحباؤہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق $\frac{5}{3}$

ترجمہ اور یہود و نصاریٰ کہتے ہیں۔ کہ ہم خدا کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ جواب دو۔ کہ پھر تم کو تمہارے گناہوں پر عذاب کس لئے کرتا ہے بلکہ تم بھی انسان ہو جیسے کہ اس کی پیدائش میں دوسرے ہیں۔

قل ان کانت لکم الدار الاخرۃ عند اللہ خالصۃ من دون الناس فتمنوا الموت ان کنتم صادقین ولن یتمنوہ ابداً بما

ترجمہ انہیں کہو۔ کہ اگر اور لوگوں کو چھوڑ کر تم ہی اللہ کے ہاں دار آخرت کے واحد اجارہ دار ہو۔ تو موت کی آرزو کرو

قد صدقت ایدیھم واللہ علیم بالظلمین ولتجدنھم احرص الناس علی حیوۃ ومن الذین اشرکوا یود احدھم لو یعمر الف سنۃ وما ھو بمزحزحہ من العذاب ان یعمر ۱۱؎

اگر تمہارا دعویٰ سچا ہے۔ اور یہ آرزو کبھی نہ کرینگے۔ ان بد اعمالیوں کے باعث جو وہ کر چکے ہیں۔ اور اللہ بے انصاف لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ اور تو ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص جینے پر دیکھے گا اور مشرکوں میں سے بھی ایک ایک چاہتا ہے کہ ہزار برس کی عمر پائے۔ اور اتنا جینا بھی کچھ عذاب کو ہلکا نہیں کر سکتا۔

کتاب اللہ سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ خدا کے بیٹے نہ تھے۔ بلکہ اور انسانوں کی طرح انسان تھے۔ اس لئے ہم ایسا دعویٰ کہ وہ بیٹے ہیں۔ غیر اقوام انسان نہیں بلکہ کہتے ہیں۔ ماننے کے لئے تیار نہیں۔ خواہ مدعی نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو حریت اور مساوات کا یہی مفہوم ہے۔ کہ "لا فضل لعربی علی عجمی ولا عجمی علی عربی" مگر یہ قول کسی ایسے نبی اور رسول کا نہیں۔ جو قرون اولیٰ میں گزرا ہو۔ بلکہ اوس قلب سلیم کے روحانی جذبات ہیں۔ جو صدق کا بدرجہ کمال شاہد ہے۔ یہ قومی منافرت اور منافرت جو کتب سالقہ میں پائی جاتی ہے۔ القاء شیطانی کا نتیجہ ہے۔ لاریب فیہ

مولوی ناضل صاحب کے یہ استدلال کہ "اگر پیش کردہ معانی صحیح تسلیم کئے جائیں۔ تو ماننا پڑتا ہے۔ کہ انبیاء بھی شیطان کے غلبہ سے محفوظ نہیں رہے" ہماری تحریر کے مفہوم سے بہت بعید ہے۔ اسی طرح افراط و تفریط کا مفہوم پیدا کرنا تحقیق سے دور ہے۔ بتقاضائے بشریت کسی غلطی کا سہواً مرتکب ہونا اور بات ہے۔ اور دیدہ و دانستہ اتباع ہوائے نفس میں بدکاری کو رواج دینا اور شئے ہے۔ یہی فرق انبیاء اور "افاک اثیم" میں ہے۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

جن پر شیطان کا تسلط ہوتا ہے۔ وہ معصیت پر دلیر ہوتے ہیں۔ مگر پاک نفوس

سے اگر کوئی ایسا فعل سرزد بھی ہو جاتا ہے۔ تو ندامت بھی ہوتی ہے۔ اون کا نفس "نفس امارہ" نہیں ہوتا۔ بلکہ "لوامہ" ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ نے ایک مصری کو جوش میں آکر مار ڈالا۔ مگر مدت العمر نادم رہے

فعلتہا اذا وانا من الضالین — بیشک میں نے یہ کام کیا۔ اور میں چوک گیا۔

مولوی فاضل صاحب حیران ہوں گے۔ کہ اینچہ بوالعجب! ایسا شخص جو اپنے آپ کو ضال کہتا ہے۔ کیا نبی رسول ہو سکتا ہے۔ ایسا شخص جو خود گمراہ رہا ہو۔ اس شان کا رسول ہو سکتا ہے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ تھے۔ مولوی فاضل صاحب کا یہ خیال ہے کہ انبیاء اور رسل سابقہ کو القا شیطان سے محفوظ رہنا چاہیئے۔ تلک امانیہم اپنی خواہشات، اپنی توقعات، اپنی تمناؤں نے انسانوں کو اربابا من دون اللہ بنا دیا۔ یہ خیال کہ ایسا اور ایسا ہونا چاہیئے۔ اور ایسا اور ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ محض نفسانی خواہشات ہیں۔ سوال یہ ہے۔ کہ حقیقت کیا ہے؟ کیا فی الواقعہ ان لوگوں کو القاء شیطانی ہوتا رہا۔ اگر ہوتا رہا۔ تو تمام دنیا بھی عصمت انبیاء پر خامہ فرسائی کرے حقیقت بدل نہیں سکتی۔

فاصبر لحکم ربک ولا تکن کصاحب الحوت اذ نادی وھو مکظوم۔ لولا ان تدارکہ نعمۃ من ربہ لنبذ بالعراء وھو مذموم ۲۹/۴

ترجمہ اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیئے رہو۔ اور ذوالنون کی طرح نہ ہو کہ اس نے پکارا۔ اور وہ غصہ میں بھرا ہوا تھا۔ اور اگر اس کے پروردگار کا فضل دستگیری نہ کرتا۔ تو چٹیل میدان میں الزام کھا کر پھینک دیا گیا ہوتا۔

وان یونس لمن المرسلین ×××× فالتقمہ الحوت وھو ملیم ×××× فلولا انہ کان من المسبحین للبث فی بطنہ الی یوم یبعثون۔ ۲۳/۹

اور بیشک یونس پیغمبروں میں سے ہے پھر مچھلی اس کو لقمہ کر گئی۔ اور وہ ملامت زدہ ہو رہا تھا۔ تو اگر تسبیح کرنے والوں سے نہ ہوتا۔ تو روز قیامت تک

اس کے پیٹ ہی میں رہتا۔

حضرت عیسیٰ ایک ہی چلہ کشی کے بعد جو سنت موسوی ہے۔ یہ توقع کرنے لگے۔ کہ میرے حکم کی دیر ہے۔ پتھر روٹی بن سکتا ہے۔ اگر بلند کنگرہ سے کود پڑوں تو فرشتے ہاتھوں پر اٹھالیں۔ کہ پاؤں کو ٹھیس نہ لگے۔ اور اگر چاہوں۔ تو تمام دنیا کی بادشاہتیں زیر قدم ہوں (متی ۴ مرقس ۱ لوقا ۴)

محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی رح جو بہت بڑے عابد اور زاہد اور متقی تھے ایک روز جنگل میں جارہے تھے۔ دہوپ سخت تھی۔ خیال ہوا۔ کہ اگر ابر ہوتا۔ تو کیا اچھا ہوتا۔ دیکھا۔ کہ ایک ابر کا ٹکڑا چھا رہا ہے۔ جس سے آواز آئی۔ کہ "اے عبد القادر ہم نے تجھے تمام تکالیف شرعیہ معاف کیں۔" آنجناب نے لاحول پڑھا۔ کہ رسول کریم بھی اس سے مستثنےٰ نہ ہوئے۔ میں کون ہوں؟ ہو نہ ہو۔ یہ القا شیطانی ہے۔ پھر آواز آئی۔ کہ "اے عبد القادر۔ تجھے تیرے علم نے بچالیا۔ ورنہ میں نے ہزاروں طالبان حق کو اس مقام پر گمراہ کردیا۔" فرمایا۔ "ذالك فضل الله يوتي من يشاء" میں کیا اور میرا علم کیا؟" دوسرا فریب پہلے فریب سے بڑھ کر تھا۔ اگر اپنے علم پر مغرور ہو جاتے۔ تو داؤ چل گیا تھا۔ انما اوتيته على علم بل هي فتنه

بایزید بسطامی فرماتے ہیں۔ کہ "مجھے فریب انسانی کی کوئی انتہا معلوم نہیں ہوئی" طالبان حق "انا الحق" اور "سبحان ما اعظم شانی" کے مدعی رہے ہیں۔ مگر "ما زاغ البصر وما طغیٰ" کا مخاطب کیا ارشاد فرماتا ہے۔ "انا البشر مثلکم" یہ مقام جہاں آیات ربہ الکبریٰ مشاہدہ ہوتے ہیں آنکھوں کو خیرہ کردیتا ہے۔ اور پاؤں ڈگمگاتے ہیں۔ مگر آنحضرت یہاں بھی ما عرفناک حق معرفتک کہتے ہیں

عمق ایں دریا عمیق است و تو موجے برزہ تاز
فہم ایں معنی دقیق است و تو نا فہمیدہ

مولوی فاضل صاحب اگر مسئلہ ارتقا کو ذہن نشین کرلیں۔ اور وللاخرۃ خیر والقیٰ کے دقائق سمجھ لیں۔ تو اس مغالطہ سے بچ سکتے ہیں۔ جو آپ کے استدلال میں

پایا جاتا ہے۔ انبیاء مختلف قرون میں مبعوث ہوئے۔ اولین کی غلطیوں کا ازالہ آخرین کرتے چلے آئے۔ مگر خود بھی غلطی سے محفوظ نہ تھے۔ ارتقاء کا راز انہی غلطیوں میں مضمر ہے۔ اور یہ انسان ہی کے لئے خاص ہے۔

مولوی فاضل صاحب نے بزعم خود آیات زیر بحث کا صحیح مفہوم یہ واضح کیا ہے کہ "تمنیٰ" اور "امنیۃ" کے معنے قرأت ہیں۔ جب انبیاء اور رسل کلام الٰہی پڑھتے۔ تو شیطان لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتا۔ اور وہ فساد پر آمادہ ہو جاتے۔ مولوی فاضل صاحب نے اس تاویل کی سند کتاب اللہ سے پیش نہیں کی۔ لوگوں کے اقوال دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے۔ کہ ان سے بھی ہماری ہی تائید ہوتی ہے جیسا کہ امام راغب رح کا قول ہے۔ "والامنیتہ ماقال الراغب المصورۃ الحاصلہ فی نفس من التمنیٰ"

رہا یہ امر کہ بعض آدمی اس کے معنے قرأت بھی کرتے ہیں۔ سو کوئی دلیل اس بات کی نہیں ہے۔ کہ آیات زیر بحث میں یہی مفہوم ہے۔ یہ کیا استدلال ہے۔ کہ ان مختلف معانی میں سے وہی حسب خواہش منتخب کئے جائیں۔ جو موافق مطلب ہوں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے۔ کہ ان الفاظ کے معانی میں مفسرین کا اختلاف ہے اس اختلاف کے ہوتے کوئی خاص مفہوم اختیار کرنے کے لئے کوئی قطعی دلیل ہونی چاہئے۔ کتاب اللہ سے بڑھ کر۔ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔ کتاب اللہ میں آیات کو بار بار دہرایا گیا ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے۔ کہ مفہوم میں غلطی واقعہ نہ ہو۔ اور وہ اختلاف رفع ہو جائے۔ جس میں طبائع الجھ جاتی ہیں۔ چنانچہ یہی لفظ تمنیٰ متعدد آیات میں استعمال ہوا ہے۔ اور ایک ہی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اور کسی آیت میں اجنبی معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ جب خود خدا اس کو ایک خاص معنی میں استعمال کرتا ہے۔ تو اس کے کلام کے الفاظ کو کسی اور کے قیاسات سے بدلنا سخت بے ادبی ہے۔

یتبعون الا الظن وماتھوی الانفس ترجمہ۔ یہ لوگ تو بڑی اٹکل اور نفسانی

ولقد جاءھم من ربھم الھدیٰ ' ام للانسان ما تمنیٰ ' فللہ والاخرۃ والاولیٰ ۲۷/۶

خواہشات پر چلتے ہیں - حالانکہ اون کے پروردگار کی طرف سے ہدایت بھی آچکی ہے - کہیں انسان کو من مانی مراد بھی ملی ہے - سو آخرت اور دنیا سب اللہ کے اختیار میں ہے -

ان آیات میں "تمنیٰ" کا مفہوم واضح کیا گیا ہے - کہ نفسانیت سے ظن پیدا ہوتا ہے اور ظن سے دل بہلانے والی توقعات پیدا ہوتی ہیں مالھم بہ من علم ' ان یتبعون الا الظن وان الظن لا تغنی من الحق شیئا ۲۷/۶

ولقد کنتم تمنون الموت من قبل ان ملقوہ فقد رایتموہ وانتم تنظرون ۳/۶

ترجمہ :- اور تم تو موت کے آنے سے پہلے مرنے کی تمنا کرتے تھے - سو اب تو تم نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا (پھر مرنے سے کیوں جی چراتے ہو -)

قارون تزک و احتشام کے ساتھ اپنی قوم میں نکلتا ہے - تو

قال الذین یریدون الحیوٰۃ الدنیا ھیئت لنا مثل اوتی قارون انہ لذو حظ عظیم

ترجمہ - جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے - لگے کہنے کہ جیسا کچھ قارون کو ملا ہے - اے کاش ہمارے پاس بھی ہوتا - اس میں شک نہیں - کہ قارون بڑا صاحب نصیب ہے -

لیکن جب قارون اور اس کا گھر زمین میں دھنس گیا - تو آنکھیں کھلیں

واصبح الذین تمنوا مکانہ بالامس یقولون ویکان اللہ یبسط الرزق لمن یشاء من عبادہ ویقدر -

اور جو لوگ کل اس کی جگہ کی تمنا کرتے تھے - وہ صبح کو لگے کہنے - کہ ارے غضب یہ تو اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کی روزی چاہے - فراخ کرتا ہے -

ان آیات سے یہی واضح ہوتا ہے - کہ "تمنیٰ" دنیا طلبی ہے - جو نفسانیت کے سبز باغ ہیں - اس لئے اللہ تعالیٰ اس سے منع فرماتا ہے۔

ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض للرجال نصیب مما اکتسبوا وللنساء نصیب مما اکتسبن وسئلوا اللہ من فضلہ ۵/۲

ترجمہ - اور جو خدا نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اس کی تمنا نہ کرو - مردوں نے جیسے عمل کئے - ان کو ان کا حصہ اور عورتوں نے جیسے عمل کئے - ان کو ان کا حصہ - اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہا کرو۔

لفظ "امانی" جمع ہے "امنیۃ" کی - حسب ذیل آیات میں یہ بھی ایک ہی مخصوص معنی میں استعمال ہوا ہے۔

ومنھم امیون لا یعلمون الکتب الا امانی وان ھم الا یظنون ۵/۲

اور ان میں سے غیر اہل کتاب ہیں - جو کتاب سے تو واقف نہیں صرف آرزوئیں باندھ رکھی ہیں - اور اٹکل پر چلتے ہیں -

ومن اصدق من اللہ قیلا لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتب من یعمل سوءً یجز بہ ۵/۱۵

اور اللہ سے بڑھکر بات کا سچا کون ہو سکتا ہے - (مسلمانو! فلاح عاقبت) نہ تو تمہاری آرزوؤں پر اور نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر موقوف ہے - جو شخص برا کام کریگا - اس کی سزا پائیگا -

کیا لطیف اشارہ اس آیت میں ہے - کہ اسی لفظ زیر بحث پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے - کہ جو کچھ اللہ کا ارشاد ہے - وہی صحیح ہے - یعنی الفاظ تمنی - امنیۃ - امانی انہی معنوں میں استعمال ہوئے ہیں - جو آیات میں واضح ہیں - اور نفسانی ظن سے توقعات ان کا مفہوم ہے - جو لوگ یہ تمنیٰ کرتے ہیں - کہ ہم مسلمان ہیں - ہم یہودی ہیں - ہم مسیحی ہیں - پس ہم ہی جنت کے واحد اجارہ دار ہیں - دوزخ کی آگ ہم پر

حرام ہے۔ تلک امانیہم - یہ ان کے خیالی پلاؤ ہیں

ہر آنکہ تخم بدی کشت و چشم نیکی داشت

دماغ بیہودہ بخت و خیال باطل بست

وغرتکم الامانی حتی جاء امر اللہ وغرکم باللہ الغرور ۲۷/۱۹

ترجمہ - اور ان آرزوں نے تم کو دہوکے میں رکھا - یہانتک کہ حکم خدا آپہنچا - اور (شیطان) دغاباز اللہ کے بارے میں تمہیں دہوکا دیتا رہا۔

اس آیت سے واضح ہوتا ہے - کہ تمنا دہوکے کی ٹٹی ہے - اور شیطانی فریب ہے - حکم خدا کچھ اور ہے - جو حقیقت کا انکشاف کرتا ہے اور آنکہیں کہول دیتا ہے۔

وقال لاتخذن من عبادک نصیبا مفروضا ولاضلنہم ولامنینہم × × × × × ومن یتخذ الشیطن ولیا من دون اللہ فقد خسر خسرانا مبینا - یعدہم ویمنیہم وما یعدہم الشیطن الا غرورا ۵/۱۵

ترجمہ - شیطان نے عرض کی - کہ میں تو تیرے بندوں سے ایک حصہ معین ضرور لیا کرونگا اور ان کو ضرور بہکاؤنگا - اور اون کو توقعات ضرور دلاؤنگا × × × × اور جو شخص خدا کے سوا شیطان کو دوست بنائے تو وہ صریح گہاٹے میں آگیا - شیطان ان کو وعدے دیتا ہے - اور انکو توقعات دلاتا ہے - اور شیطان ان سے جو وعدہ کرتا ہے - سو نرا دہوکا ہے

والشعراء یتبعہم الغاون ۱۹/۱۵

حسان کے مرثیہ کا ایک شعر جو حضرت عثمان ذی النورین کی شہادت پر لکہا گیا - مولوی فاضل صاحب نے اس دعوٰی کی تائید میں پیش کیا ہے - کہ "تمنی" کے معنی "قرأت" ہے

تمنی کتاب اللہ اول لیلۃ

یہ شعر مختلف الفاظ میں روایت ہوا ہے - اس میں لفظ تمنی کا مفہوم قرأت مجازی ہے

اصلی نہیں۔ اور مجاز کے لئے قرینہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں کتاب اللہ کے الفاظ صریح قرینہ ہیں۔ کیا آیت زیر بحث میں بھی کوئی ایسا واضح اور ظاہر الفاظ میں قرینہ موجود ہے۔ یونہی اپنے خیالات کو قرینہ بنانا اور جو کچھ چاہنا معنے بنا لینا اور ثابت شدہ حقائق کو جھٹلانا قرین انصاف نہیں ہے کسی لفظ کے ثابت شدہ اور متبادر معنے چھوڑ کر شاعرانہ تخیلات اور مجازات کو پیش کرنا کیسے ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اس طرح سے جو کچھ تمنا ہو۔ معنے بنائے جا سکتے ہیں۔

مولوی فاضل صاحب نے "تمنیٰ" کے معنے قرأت لکھ کر "یجعل مایلقی الشیطان فتنۃ" کی تفسیر ہی کی ہے۔ اور عجب گومگو میں الجھ رہے ہیں۔ آپ ہی شبہات پیدا کرتے ہیں اور آپ ہی طفل تسلی بھی دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے غلط فہمی ہی زندگی ہے۔ ہم کیوں اس بیہودہ بحث میں وقت ضائع کریں۔ مناسب اور مفید یہی ہے۔ کہ کتاب اللہ سے اس کی تفسیر کریں۔ ولیعلم الذین اوتوا العلم انہ الحق من ربک

فتنہ نتیجہ ہے خواہش "علو" کا۔ یعنی جو لوگ ملک خدا اور بندگان خدا میں برتری اور علو کی تمنائیں کرتے ہیں۔ وہ دنیا میں فتنہ و فساد کا باعث ہوتے ہیں۔ اور یہ ایسا تخم شیطنت ہے۔ کہ اشد من القتل۔ اس کی بیخکنی ہر ایک مسلمان کا اعلیٰ فرض ہے "اتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ" اس فتنہ کا زوال صرف ظالموں پر ہی نہیں پڑتا ہے۔ بلکہ ہر ایک اس کی زد میں آ جاتا ہے۔ اس لئے ضرور ہے۔ کہ انسان انسانوں کے حقوق کی حفاظت کرے۔ نہ کہ حق تلفی کرے۔

"الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر" ترجمہ۔ اگر ایسا نہ کیا جائے۔ تو ملک میں شورش پھیل جائیگی۔ اور بڑا فساد مچیگا

فتنہ کے اسباب نیک و بد اور بھی ہیں۔ اس موضوع پر جامع بحث ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ بہ تعلق حریت و مساوات یہی کافی ہے۔

ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعاً یستضعف طائفۃ منھم یذبح ترجمہ۔ فرعون ملک میں بہت چڑھ رہا تھا۔ اور اس نے وہاں کے لوگوں کے الگ الگ گروہ

ابناءهم ویستحی نساءهم انه کان من المفسدین ۲۸
قرار دئے تھے۔ اور اون میں سے ایک گروہ کو اسقدر کمزور سمجھ رکھا تھا۔ کہ ابناد قوم کو ذبح کرتا اور ان کی عورتوں کو زندہ رکھتا۔ بلا شبہ وہ فسادیوں میں سے (ایک ہی فسادی) تھا۔

فما امن لموسی الا ذریة من قومه علی خوف من فرعون وملائهم ان یفتنهم وان فرعون لعال فی الارض وانه لمن المسرفین ۱۱
ترجمہ۔ باایں ہمہ موسیٰ ان ہی کی قوم کی نسل کے صرف چند آدمی ایمان لائے۔ وہ بھی فرعون اور اس کے سرداروں سے ڈرتے ڈرتے۔ کہ کہیں ان پر کوئی مصیبت نہ لا ڈالے اور (خوف کا یہ باعث تہا۔ کہ) فرعون ملک میں بہت بڑہا چڑہا تہا۔ اور وہ لوگوں پر زیادتی کیا کرتا تھا۔

فرعون نے ملک مصر میں لوگوں میں عدم حریت و مساوات قایم کی تھی۔ اور ایک کو دوسرے سے الگ کر دیا تھا۔ یہ نتیجہ اسی عفو کا تہا۔ جو وہ اپنے لئے برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ملک میں بے چینی اور بدامنی کا آغاز ہو گیا۔ اور فساد پھیل گیا۔ اگر فرعون نے یہ دعویٰ کیا۔ کہ "انا ربکم الاعلیٰ" تو بنی اسرائیل نے بعد میں کچھ کم فرعونیت اختیار نہ کی۔ کہ اپنے آپ کو خدا کے بیٹے اور ریلو ٹھے بہتے سمجھتے تھے۔ اگر دوسروں کو بھی ایسا ہی سمجھتے۔ تو کچھ بات نہ تھی۔ لیکن جب ان میں سے ایک سلاطین کا شہزادہ یہ کہے۔ کہ عیز اقوام کُتے ہیں۔ اور یہ سند مسیحی اقوام کے ہاتھ میں ہو۔ اور وہ یہ خیال کرتے ہوں۔ کہ دنیا اور آخرت انہی کا حصہ ہے۔ تو ان کے دل پر "بل انتم بشر ممن خلق" کا کیا اثر ہو گا۔ نرود میخ آہنی در سنگ۔

اگر مولوی فاضل صاحب القاء شیطانی سے بچنا چاہتے ہیں۔ تو وہ اس دعوے کی ضرور تائید کرینگے۔ کہ کسی شخص کا حکم جو کتاب اللہ کے مطابق نہیں۔ ہم ماننے کے لئے

تیار نہیں۔ خواہ اس کا دعویٰ نبوت اور رسالت ہی کیوں نہ ہو؟ اور ہر ایک شخص کا حکم جو کتاب اللہ کے مطابق ہو۔ ماننے کے لئے تیار ہیں۔ خواہ وہ نبی اور رسول نہ ہو ہمارا دعویٰ صرف اسی قدر ہے۔ کہ قرآن حکیم القاء شیطانی سے پاک ہے۔ لاریب فیہ باقی باتیں جو اس کتاب عزیز کے مطابق ہیں۔ ان میں بھی القاء شیطانی کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ اور ہر صورت میں مابہ الامتیاز یہی ہے۔ کہ جو کلام کتاب اللہ کے مطابق نہیں۔ وہ باطل ہے۔ ولکن اکثر الناس لا یعلمون۔

اصول علم الاقتصاد

ہم نے نفقہ اور عفو اور اسراف اور جمع وکنز مال پر کتاب اللہ کی آیات سے استدلال کرتے ہوئے بحث کی تھی۔ مرزا صاحب ممدوح سے جواب بن نہ پڑا۔ اور ایک اور شخص کو ہمارے مقابلہ کے لئے کھڑا کر دیا۔ چونکہ یہ شخص مرزا صاحب ممدوح کا مرید ہے۔ اور آپ کے ہاتھ پر بک چکا ہے۔ اس لئے اس سے یہ توقع عبث ہے۔ کہ کچھ تحقیق سے کام لے گا۔ چنانچہ مولوی فاضل صاحب نے اپنے ذمہ یہی کام لیا ہے۔ کہ بار بار حضرت صاحب کے اقوال کو نقل کرتے ہوئے حاشیہ آرائی سے زینت دی جائے۔ اور یہی کوشش ہو۔ کہ جو کچھ حضرت صاحب نے لکھا ہے۔ وہی بمنزلہ وحی آسمانی ہے۔

مرزا صاحب ممدوح نے فی سبیل اللہ خرچ کا یہ مفہوم سمجھا تھا۔ کہ جہاد اور اشاعت اور نصرت دین کے لئے اپنا مال اور اپنی جان اور اپنی عزت اور وطن اور دولت سب کچھ قربان کر دیا جائے۔ اور جہاں عفو کا مفہوم مفسرین نے ضرورت سے زائد مال لکھا ہے۔ وہاں یہی مفہوم ہے۔ بقول مولوی فاضل صاحب اگرچہ حضرت صاحب مفسرین کے اقوال کو بطور صحت پیش نہیں کرتے۔ مگر عفو سے مراد جہاد اور اشاعت دین ہی ہے۔ عجب تحقیق اور منطق ہے۔ خود مولوی فاضل صاحب عفو کے معنے کتاب اللہ کے رو سے نہیں۔ بلکہ احادیث کو مد نظر رکھتے ہوئے یہی کرتے ہیں۔ کہ عفو وہ مال ہے جس کا انفاق شاق نہ گذرے۔ اگر عفو وہی مال ہے۔ جو فی سبیل اللہ صرف ہوتا ہے۔ تو مرزا صاحب ممدوح کو اپنے مرید کی خبر لینی چاہئیے۔

مولوی فاضل کے دل میں جذبۂ مخالفت کا یہ اثر ہے۔ کہ اگر "عفو" کا موافق مفہوم یہ ہے۔ کہ ضرورت سے زائد مال صرف کرنا چاہئے۔ تو "مخالف مفہوم" یہ ہوگا۔ کہ اگر کسی مال کی ضرورت ہو۔ تو اس کو خرچ نہیں کرنا چاہئے۔ افسوس ہے۔ کہ آیات الٰہی سے مولوی فاضل صاحب کو صرف مغالطہ ہی ہوتا ہے۔ آیت زیر بحث حسب ذیل ہے۔

یسئلونک ماذا ینفقون۔ قل العفو" ترجمہ۔ تجھ سے پوچھتے ہیں۔ کہ کیا خرچ کریں۔ جواب دو۔ جو ضرورت سے زائد ہو۔

مرزا صاحب ممدوح اس کا ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ کہ "اپنی جان اور مال اور عزت اور وطن اور دولت سب کچھ قربان کردو"۔ اور ایک اور مقام پر زکوٰۃ کے مفہوم کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ترجمہ کرتے ہیں۔ کہ "ایک معین رقم ادا کردو"۔ مولوی فاضل صاحب یہ ترجمہ کرتے ہیں۔ کہ "وہ مال دو جس کا دینا شاق نہ گزرے"۔ اور سنداً احادیث پیش کرتے ہیں۔ جو مرزا صاحب ممدوح اپنے استدلال میں پیش کر چکے ہیں۔ حالانکہ اون احادیث کے رو سے جو بالکل صحیح ہیں۔ یہ استدلال ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ یہی ضرورت کا احساس واضح ہوتا ہے۔ جو کتاب اللہ میں مذکور ہے۔ آنحضرت کی خدمت میں صدیق اکبر اپنا تمام مال لے آئے۔ تو یہ ارشاد نہ فرمایا۔ کہ ایسا نہ کرو۔ فاروق اعظم نصف لائے۔ تو پھر بھی ارشاد نہ فرمایا۔ کہ مناسب ہے۔ کہ تمہارے بال بچے بھوکے نہ مریں۔ ضرورت ان حضرات کو بھی تھی۔ مگر ان کی ضروریات سے بڑھ کر اور ضروریات بھی تھیں۔ جہاں یہ مال صرف ہونا تھا۔ لیکن جب ایسی ضرورت نہ رہی۔ یا بیت المال میں ضرورت کے مکتفی مال موجود تھا۔ تو سعد بن ابی وقاصؓ کا ثلث بھی کثیر معلوم ہوا۔ ہم نے لکھا تھا۔ (وکیل ۱۹ جنوری ۲۱ء) کہ خیرات کی نوعیت میں فرق نہیں۔ مدارج مختلف ہیں۔ اور "ایثار" بھی ایک صورت منجملہ اور صورتوں کے ہے۔ لیکن ضرورت کا احساس ہر ایک صورت میں رونما ہوتا ہے۔ بلاشبہ عفو کا مفہوم وہی مال ہے۔ جو ضرورت سے زائد ہو۔ اور اس ضرورت اور حالی مساوات کا صحیح تصور ذہن میں حاصل کرنے کے لئے اس نسبت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ جو لوگوں کی ضروریات میں ہے

مثلاً زید اپنے مال سے اپنی ضروریات پوری کرتا ہے - اور کچھ مال بچ رہتا ہے - وہ جہاں اور جس کو اس کی ضرورت ہے - صرف کرتا ہے - دوسری صورت ضرورت یہ ہے کہ زید کے پاس ایک وقت کا کھانا ہے - اگر وہ عمرو کو جو دو روز کا بھوکا ہے - دیدے تو خود ایک وقت بھوکا رہیگا - یہ ظاہر ہے - کہ عمرو کی ضرورت زید سے زیادہ ہے - اس لئے عفو کا مفہوم یہ ہے - کہ زید یہ کھانا عمر کو دیدے -

ولو کان بھم خصاصۃ ولن یوق شح نفسہ فاولٰئک ھم المفلحون ۲۸/۴

ترجمہ - اور اپنے اوپر تنگی ہی کیوں نہ ہو - (دوسروں کی ضرورت کو) اپنے سے مقدم رکھتے ہیں - جو شخص اپنی طبیعت کے بخل سے محفوظ رکھا جائے - تو ایسے لوگ فلاح پائینگے

اس لئے مولوی فاضل صاحب کی یہ تعریف کہ "عفو وہ مال ہے - جس کا انفاق شاق نہ گزرے" صحیح نہیں - البتہ آیت محولا بالا کے فتوے کے رو سے "بخل" کے بہت مناسب ہے -

فلاح دارین مالی مساوات میں ہے

فلاح ہی ایک ایسی شئے ہے - جو علم الاقتصاد کی تدوین کا موجب ہے - مگر جس وضاحت کے ساتھ کتاب اللہ میں اس اہم مسئلہ کا حل کیا گیا ہے - اس سے وہ تمام کتابیں جو اس موضوع پر لکھی گئی ہیں - خالی ہیں - یہ "فلاح" کتاب اللہ کی ایک ہی آیت بلکہ ایک ہی لفظ "عفو" کے مفہوم میں ہے -

کتاب اللہ کا یہ فتویٰ کہ :-

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون وما تنفقوا من شئ فان اللہ بہ علیم ۴

ترجمہ - جبتک وہ چیزیں نہ خرچ کروگے - جو تم کو محبوب ہیں - نیکی کو ہرگز نہ پہنچ سکوگے - اور کوئی سی چیز بھی خرچ کرو اللہ اسکو خوب جانتا ہے -

مولوی فاضل صاحب کے قیاس کو باطل ٹھہراتا ہے - کیونکہ محبوب اشیاء کا جدا کرنا

قدرتاً شاق گزرتا ہے۔ مگر مولوی فاضل صاحب کچھ ایسی ہی چیزیں فی سبیل اللہ خرچ کرنے کا فتویٰ دیتے ہیں۔ جن سے خدا نے منع فرمایا ہے۔

یا ایھا الذین اٰمنوا انفقوا من طیبٰت ما کسبتم وما اخرجنا لکم من الارض ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ الا ان تغمضوا فیہ واعلموا ان اللہ غنی حمید الشیطان یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلاً پ ۳

ترجمہ۔ مسلمانو عمدہ چیزوں میں سے خرچ کرو۔ جو تم نے آپ کمائی ہوں تو۔ اور ہم نے تمہارے لئے زمین سے پیدا کی ہوں تو اور ناکارہ چیز کے دینے کا ارادہ بھی نہ کرنا۔ کہ تمکو اس میں سے خرچ کرنے۔ حالانکہ تم اس کو تو تو آنکھیں موندھ کر قبول کرو۔ اور جانے رہو۔ کہ اللہ بے نیاز خوبیوں والا ہے۔ شیطان تمکو تنگدستی کا وعدہ دیتا ہے۔ اور فواحشات کی طرف ابھارتا ہے۔ اور اللہ اپنی طرف سے مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے

یہی ناکارہ اشیاء ایسی ہیں۔ جن کا جدا کرنا شاق نہیں گزر سکتا۔ یہ تعریف تو کتاب اللہ میں اتباع خطوات الشیطٰن (الانعام ۱۷) کی گئی ہے جن کے باعث مالداروں کے پیٹ میں چوہے دوڑتے ہیں۔ کہ اگر اپنی ضروریات زندگی پر مال صرف کرنے کے بعد لوگوں کی ضروریات زندگی پر صرف کریں۔ تو تہی دست ہو جائیں گے۔ اگر وہ تدبر سے کام لیں۔ تو انجام یہ ہوگا۔ کہ کل دنیا سے فقر وفاقہ اٹھ جائے گا۔ اور فلاح دارین حاصل ہوگی جو انسانی جد وجہد کا نصب العین ہے۔ دنیا میں دائمی امن قایم ہو جائے۔ اور امن کے ساتھ وہ ترقی ہو۔ جو انسانی زندگی کا منشا ہے۔ ابتدا میں مال کا جدا کرنا شاق ضرور گزرتا ہے۔ مگر بہ نظر انجام کار فلاح بنی نوع انسان اسی میں ہے۔ اسی عدم مالی مساوات کے نتائج آئے دن دنیا مشاہدہ کر رہی ہے۔ بحر و بر میں فساد برپا ہے۔ قومیں تباہ و برباد ہو رہی ہیں۔ اور ترقی کے راستے مسدود ہیں۔ اور سب سے پہلے یہی مالدار اور سرمایہ دار اور ان کا مال و سرمایہ قتل و غارت ہوتا ہے۔

زکواۃ میں تعین مقدار وقتی ضرورت کے تحت اجتہاد رسول کریم ہے

اگرچہ مرزا صاحب ممدوح نے "عفو" کی تعریف نہیں کی۔ مگر آنجناب کے مرید مولوی فاضل صاحب کی جرأت ہم سے خراج تحسین حاصل کئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کہ کم از کم تعریف کی کوشش تو کی ہے۔ اگرچہ یہ تعریف صحیح نہیں۔ اور مرزا صاحب ممدوح کے قیاسات سے بھی بہت بعید ہے۔ لیکن جرأت قابل تعریف ہے۔ بلاشبہ قرآن حکیم میں محکمات ہیں۔ متشابہات ہیں۔ اور متشابہات کی تاویل محکمات سے ہی ہو سکتی ہے۔ اس لئے کسی ایسی اصطلاح کی تعریف جو کتاب اللہ میں استعمال ہوئی ہو۔ کتاب اللہ سے ہی کرنی چاہئے۔ "وما یعلم تاویلہ الا اللّٰہ" کا یہی مفہوم ہے۔ مرزا صاحب ممدوح کا یہ ارشاد کہ "ضرورت سے زائد مال کی اصطلاح مبہم ہے" کتاب اللہ کے رو سے صحیح نہیں۔ خود مرزا صاحب ممدوح کا یہ استدلال کہ اس سے مراد زکوۃ ہو سکتی ہے اسی قبیل کا ہوگا۔ کیونکہ کتاب اللہ میں تعین مقدار مال مذکور نہیں۔ اور اصولاً ہونا بھی نہ چاہئے۔ ضرورت ہر ایک زمانہ میں اور ہر ایک حال میں مختلف مقدار کا تعین کر دیتی ہے۔ احادیث میں جہاں تعین واضح ہوتا ہے۔ وہ وقتی ضرورت کے تحت آنحضرت کا اجتہاد ہے۔ اس لئے جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں۔ کتاب اللہ اصول کی جامع و مانع کتاب ہے۔ اس کے مطابق "راسخون فی العلم" حسب ضرورت تعین مقدار کر سکتے ہیں۔ خود مرزا صاحب ممدوح اس ضرورت کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور جہاد اور اشاعت اور نصرت دین کے لئے یہ اجتہاد کرتے ہیں۔ کہ سب کچھ دے دینا چاہئے۔ اور اسے فرض بھی سمجھتے ہیں۔ اگر صرف زکوۃ ہی ایک معینہ رقم فرض ہے۔ تو مرزا صاحب ممدوح کا اجتہاد صحیح نہیں۔ اور اگر بات یہی ہے۔ جو ہم واضح کر چکے ہیں۔ تو مرزا صاحب ممدوح ہمارے ہی دعوے کی تائید کر رہے ہیں۔ ہم نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے لیکن عادتاً جماعت احمدیہ خاموشی سے ٹال دیتی ہے۔

مرزا صاحب ممدوح کی ایک اور غلطی بھی ہم واضح کر چکے ہیں۔ جو اصطلاح فی سبیل اللہ کے متعلق آنجناب کو ہوئی ہے۔ چونکہ یہ جماعت "قتال" کی بجائے وہ جہاد

سے تعبیر کرتی ہے - فی الحال ضرورت تسلیم نہیں کرتی - اس لئے مرزا صاحب ممدوح کو "اشاعت دین اور نصرت دین" کی ضرورت محسوس ہوئی ہے - اور یہ اس لئے کہ ظاہر ہوجائے کہ جان و مال و وطن و دولت غرض سب کچھ قربان کرنے کے لئے جہاد کے علاوہ اور بھی ضروریات ہیں - اس کی تائید مرزا صاحب ممدوح نے احادیث سے نہیں کی - اگرچہ بوجہ ناواقفیت اصول مرزا صاحب ممدوح اشاعت و نصرت دین کے مفہوم کو ایسا ہی تنگ دلی پر محمول کرتے ہیں - جس طرح مولوی فاضل صاحب "عفو" کی تعریف میں جو شاق نہ گذرے - حالانکہ صرف دین ہی ایک ایسی اصطلاح ہے - جو تمام ضروریات پر حاوی ہے - دین زندگی ہے - اور زندگی کا ہر ایک شعبہ ہے - دین کا مفہوم سمجھتے ہوئے اگر اتنا ہی لکھدیتے کہ دین کے لئے سب کچھ قربان کر دینا چاہیئے - تو آنجناب اور ہمارے درمیان بحث کا خاتمہ خوش اسلوبی سے ہو جاتا -

فلاح اعلیٰ مقصد زندگی ہے - اور جہاد فی سبیل اللہ کے بغیر حصول ناممکن ہے

"جہاد" کا مفہوم وہ کوشش ہے - جو انسان کسی مقصد کے حاصل کرنے کے لئے کرتا ہے - کوئی مقصد وسیلہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا - وسیلہ اور مقصد میں مناسبت لازمی ہے - ورنہ مقصد حاصل نہ ہوگا - حصول مقصد کا نتیجہ "فلاح" ہے - "جہاد فی سبیل اللہ" کا مفہوم وہ کوشش ہے - جو اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندے یا آسمانی بادشاہت کے نیک شہری اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کرتے ہیں جو فطرۃً اون کا نصب العین ہے - اور جو "فلاح" سے تعبیر ہوتا ہے - اس مقصد یا اس ارتقاء زندگی کے لئے وہ ایسا وسیلہ تلاش کرتے ہیں - جو اس کے مناسب ہے - اور اس وسیلہ کی مناسبت کا علم "تقویٰ" سے حاصل کرتے ہیں حسب ذیل آئیت کا یہی مفہوم ہے -

"یاایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون" ۶/۱

ترجمہ - اے مومنین! اللہ کے اوامر کی تعمیل کرو - اور نواہی سے باز رہو - اور اس کے لئے وسیلہ تلاش کرو - اور اس کے راستہ میں کوشش کرو تاکہ تم فلاح حاصل کر سکو -

دنیا میں ہر ایک شخص فلاح و بہبود کا متلاشی ہے۔ اور ہر ایک وسیلہ استعمال کرتا ہے۔ کہ فلاح حاصل ہو۔ لیکن اکثر آدمی نہیں جانتے۔ کہ وسیلہ جو وہ استعمال کر رہا ہے کہاں تک مناسب ہے۔ جس کو اصطلاح میں "جائز" کہتے ہیں۔ اکثر لوگ یہ کہتے ہیں۔ کہ مقصد حاصل ہو جائے۔ خواہ وسیلہ ناجائز ہی کیوں نہ ہو۔ اسلام یہ ہے۔ کہ مقصد فلاح ہے۔ اور اس کے لئے جائز وسیلہ ہی تلاش کرنا چاہیئے۔ اور اس کے جواز کا فتویٰ صرف تقویٰ ہی دے سکتا ہے

مقصد اعلیٰ فلاح ہے۔ انتہائی ارتقائی زندگی ہے۔ وسائل مسلسل موجود ہیں۔ ان میں سے کوئی مقصود بالذات نہیں۔ لوگ غلط فہمی سے انہی کو مقصود بالذات سمجھ لیتے ہیں۔ اور ہر ایک ناجائز وسیلہ بر انگیختہ کرتے ہیں۔ یہ لوگ کبھی مقصد اعلیٰ حاصل نہیں کر سکتے۔

یہ تو ظاہر ہے۔ کہ انسان انہی وسائل سے کام لیگا۔ جو اس کے ہاتھ میں ہوں۔ یا جہاں تک اس کا ہاتھ پہنچ سکتا ہے "لا تکلف نفسا الا وسعہا" اس لئے ہر ایک انسان کو اپنی جان و مال سے جہاد فی سبیل اللہ کرنا چاہیئے۔

وجاھدوا باموالکم وانفسکم فی سبیل اللہِ ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون ۱۱/۱۲	ترجمہ۔ اور فی سبیل اللہ اپنے جان و مال سے کوشش کرو۔ اگر تم سمجھو۔ تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔

گوہر مقصد کی قیمت جان و مال مقرر ہو چکی ہے

نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

جان بھی اسی کی عنایت، اور مال بھی اسی کی نعمت، ہمارا کیا ہے۔ ہر ایک شی اسی کی ہے انسان کو صرف تصرف کا اختیار دیا گیا ہے۔ کیسی ناشکری ہے۔ اگر یہ تصرف ناجائز ہو ہر ایک شئی کا جائز صرف وہی ہے۔ جہاں اور جس وقت اس کے صرف کی ضرورت ہو انسان تو محض امانت دار ہے۔ مسلمان اس امانت کی حفاظت کرتا ہے۔ اور جب طلب ہوتی ہے۔ خوشی خوشی حوالہ کر دیتا ہے۔ کافر جو آسمانی بادشاہت کا باغی ہے سنہری

خیانت کرتا ہے۔

جہاد فی سبیل اللہ کی مختلف صورتیں ہیں۔ مگر سب کا مقصد فلاح ہے۔ ان میں سے ایک "قتال" ہے۔ اس کا مفہوم قرآن میں واضح کیا گیا ہے۔

من قتل نفساً بغیر نفس او فساد فی الارض فکانما قتل الناس جمیعاً ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا ۳۲

ترجمہ۔ کسی شخص کا کسی شخص کو قتل کرنا جبکہ مقتول قاتل نہ ہو۔ اور زمین پر فساد نہ پھیلاتا ہو۔ ایسا ہی ہے۔ جیسا کہ کل بنی نوع انسان کا قتل اور جس نے کسی شخص کی زندگی کی حفاظت کی۔ اس نے کل بنی نوع انسان کی زندگی کی حفاظت کی۔

قتال فی سبیل اللہ اور حرب میں زمین و آسمان کا فرق ہے

قتال کا مفہوم "حرب" نہیں ہے۔ حرب کی مذمت قرآن کریم میں خاطر خواہ کی گئی ہے۔ اس کی بنیاد خواہش "علو" پر اور اس کا نتیجہ فساد ہے اس لئے بروئے اسلام حرب ممنوع ہے۔ حرب کی مختلف صورتیں ہیں۔ اور زندگی کے ہر ایک شعبہ میں حرب جاری ہے۔ قوموں کے درمیان حرب ہے۔ سرمایہ داروں اور مزدوروں کے درمیان حرب ہے۔ تجارت میں حرب کا بازار گرم ہے۔ قتال کا مفہوم یہ ہے کہ حرب سے ہتھیار رکھوا لے۔ اور اسی وقت تک جائز ہے "حتی تضع الحرب اوزارھا ۴۷ ؍ ۴" یہ حکم الٰہی ہے۔

جو شخص یہ کہتا ہے۔ کہ جہاد فی سبیل اللہ اب قطعی موقوف ہو چکا ہے۔ وہ اصطلاح کا مفہوم ہی نہیں سمجھا۔ یہ دائمی صداقت ہے۔ کہ "لیس للانسان الا ما سعیٰ"۔ البتہ حکم قتال مشروط ہے۔ اور جب تک قتل ناحق ہوتا ہے۔ جبتک فتنہ و فساد برپا ہے۔ حق و باطل کا مقابلہ ہے۔ تب تک جائز ہے۔ قرآن میں جہاں قتال کا حکم ہے۔ وہاں فی سبیل اللہ کی شرط ہے۔ تاکہ حرب سے جو فی سبیل المفسدین ہے۔ نمایاں امتیاز ہو جائے۔ قتال فی سبیل اللہ باتباع ما انزل اللہ اور حرب باتباع ہوائے نفس ہے۔ قتال فی سبیل اللہ میں عدل

واحسان وتقویٰ مدنظر ہوتا ہے۔ اور حرب کا قتل ناحق اور فتنہ وفساد تباہی اور غارتگری اسیری اور غلامی، ذرائع زندگی پر ذاتی منفعت کے لیے قبضہ اور تصرف بیجا نصب العین ہے۔ قتال فی سبیل اللہ میں زندگی کی حفاظت اس کمال کے لیے ہے۔ جو اس کا منشا ہے اور اسی لیے قصاص بھی مشروع ہے۔

ولکم فی القصاص حیوٰۃ یا اولی الالباب لعلکم تتقون پ۲

ترجمہ۔ اے عقلمندو قصاص میں تمہاری زندگی ہے۔ اور مدعا یہ ہے کہ تم (خونریزی سے) باز رہو۔

بروئے اسلام قتال مقصود بالذات نہیں۔ بلکہ ایک وسیلہ حفاظت دین یعنی زندگی کا ہے۔ اگر ضرورت ہو۔ تو اس وسیلہ کے حصول کے لیے سب کچھ دے دینا چاہیے۔ قتال جہاد کی ایک صورت ہے۔ اور صورتیں بیشمار ہیں۔ ضرورت ہو۔ تو کسی ایک صورت کے لیے سب کچھ دیدینا چاہیے۔ ہمارا سب کچھ اس کے مقابلہ میں کچھ بھی نہیں۔ یہ سب کچھ دیکر بھی "حق تو یہ ہے۔ کہ حق ادا نہ ہوا"

سبیل اللہ کا مفہوم صرف قتال نہیں ہے

قرآن میں جہاد کی ایک صورت ہجرت بھی ہے۔ اس کے ساتھ بھی فی سبیل اللہ شرط ہے۔ بلکہ ہجرت فی سبیل اللہ دین بھی ہوتی ہے۔ اور اکثر ہوتی ہے۔ ایک صورت "مال" کی ہے۔ اس کے لیے بھی فی سبیل اللہ شرط ہے۔ یعنی "مال وہاں صرف ہو۔ جہاں اور جبکو باتباع ما انزل اللہ اس کی ضرورت ہو" کیونکہ مال اکثر لوگ باتباع ہوائے نفس صرف کرتے ہیں۔ اس کی اور صورتیں بھی ہیں۔ اور سب کے ساتھ فی سبیل اللہ شرط ہے۔ حسب ذیل آیات میں ہم واضح کرتے ہیں۔ کہ سبیل اللہ سے مراد صرف قتال ہی نہیں ہے۔

قل یا اھل الکتٰب لم تکفرون بایٰت اللہ واللہ شھید علیٰ ما تعملون قل یا اھل الکتٰب لم تصدون عن سبیل اللہ من اٰمن

ترجمہ۔ اے اہل کتاب آیات الٰہی سے کیوں منکر ہوتے ہو۔ اور جو کچھ بھی تم کر رہے ہو اللہ اس کا شاہد حال ہے۔ ان سے کہو۔

تبغونہا عوجاً وانتم شہداءؕ ۲۳/۳
کہ اے اہل کتاب دیدہ و دانستہ اللہ کے راستہ میں کجی نکال نکال کر ایمان والوں کو اس سے کیوں روکتے ہو؟

فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبت احلت لھم وبصدھم عن سبیل اللہ کثیراً۔ ۴/۲۲
ترجمہ۔ الغرض یہودیوں کی شرارت کیوجہ سے ہم نے پاک چیزیں جو اون کے لئے حلال تھیں۔ اون پر حرام کر دیں۔ اور اس وجہ سے کہ اکثر راہ خدا سے روکتے تھے۔

ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ قد ضلوا ضلالاً بعیداً ۴/۲۳
ترجمہ۔ بلاشبہ جن لوگوں نے کفر کیا۔ اور راہ خدا سے لوگوں کو روکا۔ وہ بڑی دور بہک گئے۔

والذین اتینٰھم الکتب یعلمون انہ منزل من ربک بالحق فلا تکونن من الممترین وتمت کلمت ربک صدقاً وعدلاً لا مبدل لکلمتہ وھو السمیع العلیم وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن وان ھم الا یخرصون ۶/۱
ترجمہ۔ اور جنکو ہم نے کتاب دی ہے جانتے ہیں۔ کہ یہ قرآن فی الحقیقت تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے۔ تو تم کہیں شک کرنے والوں میں نہ ہو جانا۔ اور تمہارے پروردگار کا ارشاد سچائی اور انصاف کے ساتھ پورا ہوا۔ کوئی ایسا نہیں۔ کہ اس کے کسی حکم کو ٹال دے۔ اور وہی سنتا اور جانتا ہے۔ اور اکثر لوگ تو دنیا میں ایسے ہیں کہ اگر ان کے کہنے پر چلو۔ تو تم کو راہ خدا سے بہکا چھوڑیں۔ یہ تو صرف اپنے ظن پر چلتے ہیں۔ اور نری اٹکلیں ہی دوڑاتے ہیں۔

والی مدین اخاھم شعیبا قال یقوم
× × × × × × × × × × ×
ولا تقعدوا بکل صراط توعدون وتصدون
عن سبیل اللہ من امن بہ یبغونھا عوجا
$\frac{8}{12}$

ترجمہ۔ اور مدین کی طرف ان کے بہائی شعیب کو (سفیر بناکر بہیجا) انہوں نے سمجہایا کہ بہائیو × × × × × × تم جو ہر ایک رستہ پر اس شخص کو جو خدا پر ایمان لاتا ہے ڈراتے اور خدا کے رستے سے روکتے اور راہ خدا میں کجی پیدا کرنے کے درپے ہوتے ہو۔ اب نہ روکا کرو۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن ان ربک ھو اعلم بمن ضل عن سبیلہ وھو اعلم بالمھتدین $\frac{14}{22}$

ترجمہ۔ لوگوں کو حکمت اور اچھی اچھی نصیحتوں سے اپنے پروردگار کے راستے کی طرف لاؤ۔ اور ان کے ساتھ بحث کرو تو ایسے طور سے کہ وہ بہت ہی پسندیدہ ہو جو کوئی خدا کے راستے سے بہٹکا۔ تمہارا خدا اس سے بخوبی واقف ہے۔ اور وہ ان سے بھی بخوبی واقف ہے۔ جو راہ راست پر ہیں۔

ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ بغیر علم $\frac{21}{10}$

ترجمہ۔ اور لوگوں میں سے ایسے بھی ہیں جو واہیات قصے مول لیتے ہیں۔ تاکہ بے سمجھے بوجھے راہ خدا سے بہٹکائیں۔

ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ $\frac{23}{11}$

ترجمہ۔ اور اپنی نفسانی خواہش پر نہ چلنا۔ وہ تمہیں راہ خدا سے بہٹکادیگی۔

آنکھ کا شہتیر

ان آیات سے واضح ہوتا ہے۔ کہ اتباع ما انزل اللہ یعنی علم سبیل اللہ ہے۔ اور اتباع ہوائے نفس یعنی ظن گمراہی ہے۔

مولوی فاضل صاحب نے تقلیدِ سبیل اللہ کا وہی مفہوم لکھا ہے۔ جو مرزا صاحب ممدوح

لکھہ چکے ہیں۔ اور ہماری قرآن دانی کا مضحکہ اڑاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ

"ان کی قرآن دانی تو آیت وما ارسلنا من قبلک من رسول ولا نبی"
کی تفسیر سے ظاہر ہے۔"

ہم نے تو کبھی قرآن دانی کا دعویٰ نہیں کیا۔ البتہ جماعت احمدیہ کو ادعار قرآن دانی ہے۔ لیکن ابھی تک اس کے ثبوت سے سبکدوشی حاصل نہیں کی۔ اور جو کچھ ثبوت اس مضحکہ میں دیا ہے۔ وہ معنی خیز ہے۔ بات اصل میں یہ ہے۔ کہ مولوی فاضل صاحب یہی آیت پہلے الفضل کے نمبر میں نقل کر چکے ہیں۔ اور "نقل را چہ عقل" لفظ "من قبلک" اور "ولا نبی" حذف کر چکے ہیں۔ اور اسی تحریف کے رنگ میں آپ کا استدلال ڈوبا ہوا ہے۔ اب کسی وجہ سے اس غلطی کا ازالہ کرنا تھا۔ اس لئے یہ دور کی سوجھی۔ کہ آیت کی صحیح نقل بھی اس نمبر میں کر دی جائے۔ اور جملہ معترضہ میں ہماری قرآن دانی کا مضحکہ بھی اڑایا جائے۔" بیک کرشمہ دو کار" کہہ دینگے۔ کہ کتابت کی غلطی سے الفاظ حذف ہو گئے۔ اب ہم مولوی فاضل صاحب کو ان کی قرآن دانی کی قسم دیکر پوچھتے ہیں۔ کہ ہم نے بیشمار آیات سے استدلال کیا ہے۔ کیا یہی آیت آپ کے مضحکہ کے لئے خاص تھی؟ اس کی کوئی وجہ تو نہیں۔ کیا آئینہ کمالات میں آپ کے استدلال کی اصل صورت موجود نہیں؟ کیا تحریف اسی کا عکس نہیں؟ اڈیٹر صاحب الفضل اعلان کر چکے ہیں۔ کہ آپ کا تمام مضمون ان کے پاس ہے۔ کیا یہ جملہ معترضہ اب غیر متعلق اور بے محل درج نہیں کیا گیا؟ کیا اس سے یہ مقصود نہیں۔ کہ آپ کی قرآن دانی پر پردہ پوشی ہو جائے؟ اگر یہ سچ ہے۔ تو اپنی قرآن دانی پر جتنا بھی ناز کرو تمہیں زیب دیتا ہے اور ہماری قرآن دانی کا جتنا بھی مضحکہ اڑاؤ۔ تمہارے حال کے مناسب ہے۔ بحکم عملکم!

مولوی فاضل صاحب نے اصول اور ارکان پر بھی کچھ لکھنے کی کوشش کی ہے۔ مگر کوشش حضرت صاحب کے انہی اقوال کی نقل میں صرف کی ہے۔ جن کی تردید خاطر خواہ ہو چکی ہے۔ ان دلائل کا تو کچھ جواب نہیں۔ جو ہم نے پیش کی ہیں۔ یہ دعویٰ

ضرور ہے۔ کہ حضرت صاحب الفاظ قرآن کے مفہوم کو جن الفاظ میں چاہیں۔ لکھ سکتے ہیں۔ اور مولوی فاضل صاحب نے تقلیداً ایسا ہی کیا ہے۔ "مَن" کی جگہ "علی" اور اولی الامر بمعنی بادشاہ "ھا کی جگہ بعضھا" اور "اصول" کی جگہ ارکان" کوئی اتنا پوچھنے والا نہیں۔ کہ آپ کا کیا حق ہے۔ کہ "ارکان بمعنی "اصول" اور اصول" بمعنی ارکان" استعمال کرتے ہیں۔ آپ کو تو اس مفہوم پر بحث کرنی چاہئیے۔ جو گریکو ایٹ صاحب کا ہے۔ اصول کا مفہوم خود بخود پیدا کرنا اور معہود ذہنی کے مطابق اصول کا انکار کرنا انوکھی منطق ہے۔ یہ قرآن دانی کسی دن رنگ لائے گی۔

ہم نے اصول پر مفصل بحث کی ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ کتاب اللہ جامع و مانع کتاب اصول ہے۔ لیکن جماعت احمدیہ کی قرآن دانی جس خموشی سے آیات الٰہی کو جن سے ہم نے استدلال کیا ہے۔ نظر انداز کرتی ہے۔ اس کے یہی معنی ہیں۔ کہ در گفتن نمے آید"

اسلام دین الفطرت ہے۔ اور احمدیّت ویہودیّت ومسیحیت انسانی اختراع ہے

جو شخص "مَن" بمعنی "علی" اور ارکان بمعنی اصول کر سکتا ہے۔ اور جو اصول و ارکان فروع میں فرق نہیں کر سکتا۔ اور جو بنیاد اور ستون اور سقف اور درو دیوار میں امتیاز نہیں کرتا۔ اس سے کچھ بعید نہیں۔ اگر احمدیت بمعنی اسلام سمجھتا ہو۔ اسلام دین الٰہی ہے۔ اسلام دین الفطرت ہے۔ کسی شخص کی اختراع نہیں۔ البتہ احمدیت اور شئے ہے۔ یہ ایک شخص کی صنعت ہے۔ اسلام کو احمدیت سے تعبیر کرنا ایسا ہی ہے۔ جیسا ایک بت کو اللہ کہنا۔

ہم اس اختراع و صنعت انسانی سے بیزار ہیں۔ مولوی فاضل صاحب نے ہماری بیزاری سے بہت کچھ غیظ کا اظہار کیا ہے۔ اور ہمیں بغاوت کا حامی قرار دیتے ہوئے خدا کا خوف بھی نہیں کیا۔ اس لئے مناسب ہے کہ

ادعوا شرکاءکم ثم کیدون فلا تنظرون ترجمہ اپنے شریکوں کے پاس فریاد کرو۔ اور ان ولی اللہ الذی نزل الکتٰب ؁ مجھ پر اپنا داؤ کر چلو۔ اور مجھے ذرا بھی

مہلت نہ دو۔ اللہ ہی میرا حمایتی ہے جس
نے کتاب نازل فرمائی ہے۔

یہ تمہارے شرکاء "عباد امثالکم فادعوھم فلیستجیبوا لکم ان کنتم صادقین"

اسلام دین الٰہی ہے۔ اللہ ہی اس کا حافظ و ناصر ہے۔ دور روز افزوں ترقی کر رہا ہے۔ البتہ حبل اللہ کو چھوڑ کر فرقہ بندیوں میں تفرقہ پردازی جو باطل کے ذریعہ ہو رہی ہے۔ کچھ انوکھی نہیں۔ اور چند روزہ ہے۔ اولین بھی اپنے آثار چھوڑ گئے۔ تم بھی چھوڑ جاؤ گے۔ جو اولی الابصار کیلئے عبرت آموز سبق ہے۔

اصول حریت و مساوات

زیر بحث یہ مسئلہ ہے۔ کہ آیا حریت و مساوات اصول میں داخل ہیں یا نہیں۔؟ یہاں صاحب ممدوح نے ذہن میں اصول بمعنی ارکان تصور کرتے ہوئے لکھا۔ کہ حریت و مساوات اصول اسلام میں داخل نہیں ہیں۔ اس لئے مرزا صاحب ممدوح کو یہ ثابت کرنا چاہئے۔ کہ اصول اور ارکان مترادف الفاظ ہیں۔ مترادف الفاظ جو ایک ہی زبان میں ہوں۔ بالکل ہم معنے نہیں ہوتے۔ کچھ نہ کچھ فرق مفہوم میں ضرور ہوتا ہے۔ اس لئے مرزا صاحب ممدوح کو یہ ثابت کرنا چاہئے۔ کہ اصول اور ارکان بالکل ہم معنی الفاظ ہیں۔ جب صاحب ممدوح بار ثبوت سے سبکدوش نہیں ہوئے۔ تو مولوی فاضل کیلئے مناسب تھا۔ کہ اس موضوع پر جامع بحث کرتے۔ کیونکہ مرزا صاحب ممدوح کی طرف سے آپ نے یہ بوجھ بہ طیب خاطر خود ہی اٹھا لیا ہے۔ چونکہ تمام بحث کی جان یہی مسئلہ ہے اس لئے نہایت نامناسب ہے۔ کہ اسے چند سطور میں صاحب ممدوح کی تائیدی حاشیہ آرائی میں نظر انداز کیا جائے۔ بات اصل میں یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ یہ مسئلہ ادق ہے۔ اور مولوی فاضل صاحب اس وقت سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔ تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

"اگر انجمنوں کے اصول حریت و مساوات پر قائم ہونے سے مراد (بعد اجازت پریزیڈنٹ) آزادانہ رائے دینا ہے۔ تو تسلیم ہے۔ مگر رائے کا مساوی ہونا

بلحاظ نتائج کے مسلم نہیں"۔

مولوی فاضل صاحب آزادی رائے کا حق تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اس کیلئے پریزیڈنٹ کی اجازت شرط ہے۔ یہ مولوی صاحب کا قیاس ہے۔ اور اس بے ذوقی کے مناسب ہے جو آپ کو حریت و مساوات سے ہے۔ اور صریحاً قیاس مع الفارق ہے۔ مولوی فاضل صاحب یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ہر ایک ممبر کو آزادی رائے کا حق حاصل ہے۔ اور اگر صدر انجمن اجازت نہ دے۔ تو یہ حق سلب ہو جاتا ہے۔ اسے کہتے ہیں کج دار و مریز! رائے کا مساوی ہونا بھی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر بلحاظ نتائج یہ بھی تسلیم نہیں کرتے۔ مولوی فاضل صاحب اصول سے کتنے ناواقف ہیں۔ بہر حال مولوی صاحب نے نادانستہ تسلیم کر لیا ہے۔ کہ اصولاً رائے آزاد اور مساوی ہونی چاہیئے۔ جو شخص اسباب اور نتائج اور وسائل اور مقاصد میں فرق نہیں کرتا۔ وہ ایسی ہی کج بحثی میں الجھتا ہے۔ جیسا کہ ہمارے مولوی فاضل صاحب کے طرز استدلال سے واضح ہوتا ہے۔

ہم نے لکھا تھا۔ کہ اصول فطری ہوتے ہیں۔ تبدیل و تحویل نہیں ہوتے۔ اگر یہ دعویٰ صحیح ہے۔ تو مولوی فاضل صاحب کو ارکان کی بھی ایسی ہی تعریف کرنی چاہیئے۔ اور اصول اور ارکان پر مفصل بحث کرنی چاہیئے۔ یہ ہو سکتا ہے۔ کہ خود ساختہ قواعد و قوانین کے رو سے قیود عائد کی جائیں۔ مگر ان سے اصول بدل نہیں سکتے۔ یہ قیود وہی پھندے اور زنجیریں ہیں۔ جن میں بندگان خدا جکڑے ہوئے ہیں۔ اور جن سے نجات اسلام دلا رہا ہے۔ اب ہم مولوی فاضل صاحب سے دریافت کرتے ہیں۔ کہ اگر آزادی رائے پریزیڈنٹ کی اجازت پر منحصر ہے۔ تو کیا اس اجازت کا وہی مفہوم ہے۔ جو حق شاہان سلف تھا۔ اور جسکو حریت و مساوات باطل قرار دے چکی ہے۔ یا کچھ اور ہے؟ اور کن معنوں میں حریت و مساوات کے مخالف ہے

مولوی فاضل صاحب لکھتے ہیں۔ کہ رائے کا مساوی ہونا بلحاظ نتائج مسلم نہیں حق طلبی اور حق گوئی کا یہ تقاضا تھا۔ کہ اس جملہ کو ناقص نہ چھوڑتے۔ اور واضح کرتے۔ کہ مسلم کی کونسی صورت ہے؟ اور کس لحاظ سے مسلم ہے؟

علم فطری ہے اور جہل نفسانی

مولوی فاضل صاحب کے پیش نظر آرا کی بلندی و لیستی ہے مگر تدبر سے کام نہیں لیتے۔ کہ یہ بلندی و لیستی کن وجوہ پر ہے ہم حریت و مساوات پر بہ تعلق اسلام بحث کر رہے ہیں۔ جو دین الفطرت ہے۔ ایسی رائے جو بہ تقاضائے فطرت ہو۔ کبھی لیست نہیں ہو سکتی۔ اور ایسی آرا میں بلندی و لیستی کا سوال ہی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ آرا کی بلندی و لیستی علم و جہل پر موقوف ہے۔ ہم جہل کی حمایت نہیں کرتے۔ بلکہ حریت و مساوات کے تحت جہل و ضلالت کا قلع قمع کرتے ہیں۔ جہل فطرت کے مناسب اور مقتضی نہیں ہے۔ اگر کوئی رائے اس لئے مسترد کی جاتی ہے۔ کہ غلط ہے۔ اور اس لئے تسلیم کی جاتی ہے۔ کہ صحیح ہے۔ تو اس غلطی اور صحت کا بھی کچھ میعار ہونا چاہئے۔ کیا مولوی فاضل صاحب ہمیں بتلائینگے۔ کہ وہ کیا ہے؟ اور کس طرح استعمال ہوتا اور ہو سکتا ہے۔ اور کس لحاظ سے حریت و مساوات کے مخالف ہے؟ کسی رائے کا مسترد ہونا یا تسلیم کیا جانا اور بات ہے۔ اور ضمیر کی آواز کو لوگوں کے کانوں تک پہنچا دینا اور بات ہے۔ مگر دونو امور میں حریت و مساوات ہونی چاہئے۔ حریت و مساوات کا یہ مفہوم ہے۔ کہ بہ تقاضائے فطرت ہر ایک شخص جو چاہے۔ کہے۔ اور جو چاہے۔ تسلیم کرے۔ یا مسترد کرے۔

خدمات کا اختلاف عدم مساوات نہیں

مولوی فاضل صاحب لکھتے ہیں۔ کہ اسی طرح اراکین انجمن میں بھی مساوات نہیں ہوتی۔ کوئی اس میں پریزیڈنٹ ہوتا ہے۔ کوئی سکریٹری۔ کوئی محاسب۔ کوئی امین۔ غرضیکہ ان میں بھی بعض ایسے درجات ہوتے ہیں۔ جو ایک کو دوسرے سے ممتاز رکھتے ہیں۔ بس یہ دعوےٰ کہ ہر ایک بات میں مساوات ہے۔ صحیح نہیں۔ دعویٰ تو اسی قدر ہے۔ کہ حریت و مساوات اصول اسلام میں داخل ہیں۔ صورتوں میں اختلاف ضرور ہے۔ مگر یہ اختلاف عدم مساوات کے ہم معنی نہیں ہے۔ جیسا کہ غلط فہمی سے عجمی و عربی اور کالے اور گورے کے اختلاف اور ذاتوں اور گوتوں کے امتیاز

میں جو قدرتی امور ہیں۔ سمجھا جاتا ہے۔ خواہ بہ تعلق سکونت و قومیت بنی نوع انسان میں اختلاف ہو۔ خواہ بہ اختلاف السنہ و الوان ان میں امتیاز ہو۔ لیکن یہ سب انسان ہیں۔ اور قدرتی اختلافات کے باعث کسی کو کچھ فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اسی طرح صدر و کاتب و محاسب و امین ارکان انجمن ہیں۔ اور بہ تقاضائے فطرت ایک کو دوسرے پر کچھ فضیلت نہیں ہے۔ مختلف خدمات ہیں۔ جو بلحاظ اہلیت و استحقاق جس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ ان اراکین انجمن کے سپرد ہیں۔ اس اختلاف خدمات سے اعلیٰ و ادنےٰ کا مفہوم پیدا کرنا ایسا ہی ہے۔ جیساکہ ذاتوں اور گوتوں کو معیار فضیلت قرار دینا۔ یہ بروئے اسلام ممنوع ہے۔ اور اس لئے حریت و مساوات کے مقتضی نہیں۔ مولوی فاضل صاحب حامیان عدم حریت و مساوات کی مثال پیش کرتے ہیں۔ اور اس لئے ان کے ذہن میں ممتاز درجات کا تصور ہے۔

ہم اس موضوع پر کافی بحث کر چکے ہیں۔ کہ بروئے اسلام کسی شخص کا حق نفقہ سے زیادہ نہیں۔ اس لئے ہر ایک شخص کو خواہ وہ صدر ہو یا کاتب یا محاسب یا امین نفقہ اور صرف نفقہ ہی ملنا چاہیئے۔ اس کی مثال ہمیں حامیان عدم حریت و مساوات میں تلاش نہیں کرنی چاہیئے۔ خلافت راشدہ میں ایسی مثالیں موجود ہیں۔ فاروق اعظم ابتدا میں لکڑیاں بیچ کر پیٹ پالتے تھے۔ جب کاروبار خلافت سے اتنی فرصت نہ ملی۔ تو کچھ وظیفہ بقدر نفقہ منظور ہوا۔ مکہ میں عتاب بن اسید قریشی آنحضرت اور صدیق اکبر کے عہد میں عامل رہے۔ آنحضرتؐ نے دو درہم (قریباً ۸ ر) روزانہ وظیفہ مقرر فرمادیا تھا۔ چنانچہ عتابؓ کہا کرتے۔ کہ "میں نے اس وظیفہ کے سوا اور کچھ کسی سے نہیں لیا۔ اگر کسی کو دعوےٰ ہو۔ تو کہے۔ کہ عتاب نے مجھ سے کچھ لیا ہے۔ رسول اللہ نے دو درہم میرا وظیفہ مقرر فرمایا۔ جس کو دو درہم روزانہ سیر نہ کر سکیں اللہ اس کا پیٹ نہ بھرے"۔ خود رسول کریم کا اسوہ حسنہ موجود ہے۔ کتاب اللہ کی آیات بینات موجود ہیں۔ ان سے استدلال کرتے ہوئے کیا نرم دامن گیر ہے رسول کریم اپنے فقر پر فخر کرتے ہیں۔

کوئی مصلح وقتی حالات نظر انداز نہیں کرتا

ہم لکھ چکے ہیں۔ کہ جہاں تک حالات وقتی کے مناسب تھا۔ آنحضرت نے اصلاح فرمائی۔ حالات وقت کا لحاظ نہ کرنا ایک اصلاح کی جگہ ہزارہا خرابیوں کا موجب ہوا کرتا ہے۔ آئندہ نسلوں کیلئے کتاب اللہ مکمل ضابطہ اصلاحات وغیرہ چھوڑ دی۔ اور یہ کام آئندہ نسلوں کا تھا۔ کہ اس سنگ بنیاد پر پسندیدہ عمارت کھڑی کرتے۔ مگر افسوس کہ وہ بھی قیصر و کسریٰ کی طرح شہنشاہت کی تعمیر میں لگ گئے۔ اور فتنہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور اس لئے اموی و عباسی و فاطمی حکومتیں اسی طرح تباہ ہو گئیں جس طرح پہلے سنت اللہ کے مطابق ہوتی رہیں۔ مالدار ہونا ان معنوں میں کوئی عیب نہیں۔ جن معنوں میں حضرت عثمان۔ حضرت عبد الرحمٰن بن عوف تھے۔ سوخر الذکر باوجود اس امر کے کہ عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔ روتے تھے۔ کہ کہیں ان کی مالداری انہیں فلاح عاقبت سے محروم نہ کر دے۔ حریت و مساوات کا مطالبہ مالداروں سے صرف اسی قدر ہے۔ کہ مال بطور امانت اپنے پاس رکھو۔ اور جہاں اور جس کو اس کی ضرورت ہو۔ صرف کرو۔ لیکن حضرت عثمان اور حضرت عبد الرحمٰن عوف کی مالداری ہمارے لئے اسوہ حسنہ نہیں ہے۔ البتہ رسول کریم کی زندگی ان کے لئے تھی۔ اور ہمارے لئے ہے۔ اور کتاب اللہ میں ہمیں ان دو حضرات کا نام تک نہیں۔ اگر انہی کی زندگی سے استدلال کرنا منظور ہو۔ تو ان حالات کو بھی پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ جو اس وقت رونما ہو رہے تھے۔ اور معقولیت کے ساتھ یہ بھی ثابت کرنا چاہیئے۔ کہ وہ بلحاظ مال امانت میں خیانت کرتے تھے۔ یعنی مال کو وہاں صرف نہیں کرتے تھے۔ جہاں اور جبکو اس کی ضرورت تھی۔ اور اپنے نفس کے لئے نفقہ سے زیادہ صرف کرتے تھے۔ یعنی مسرف تھے۔ ان حضرات کی مثال سے فریق مخالف زیادہ سے زیادہ یہی استدلال کر سکتا ہے۔ کہ خلافت راشدہ میں بھی ویسی حریت و مساوات نہ تھی۔ جو ہمارا نصب العین ہے۔ بہ تقاضائے حالات وقت یہ بالکل ممکن ہے۔ یہ دلیل عدم حریت و مساوات پر قائم نہیں ہو سکتی۔ ہم کہتے ہیں۔ کہ ہمارا

نصب العین ابھی بہت دور ہے۔ اور دنیا میں ایسی حریت و مساوات کبھی نہ تھی۔ اور اب بھی نہیں ہے۔ لیکن انسانی جد و جہد اسی نصب العین کی طرف ہے اور ہم روز بروز اس کے قریب ہوتے جاتے ہیں۔ اس موضوع پر ہم کافی بحث کر چکے ہیں۔ فریق مخالف اگرچہ ان کو خاموشی سے نظر انداز کر رہا ہے اور اس امر کا اعتراف نہیں کرتا۔ کہ یہ باتیں لاجواب ہیں۔ لیکن اہل تحقیق سمجھ سکتے ہیں۔ کہ اس خموشی کے کیا معنی ہیں؟

مرزا صاحب ممدوح نے احمدیت کے پرچار پر بہت کچھ فخر کیا تھا۔ اس پر ہم نے لکھا تھا۔ کہ "یہ لوگ اس بات پر فخر کرتے ہیں۔ کہ ان کا مشن کامیاب ہو رہا ہے حالانکہ باطل بھی کامیاب ہوتا ہے"۔ اس پر مولوی فاضل صاحب لکھتے ہیں۔ کہ

"بتایئے! کیا کوئی مسلمان یہ کہ سکتا ہے۔ یا اس کا یہ عقیدہ ہو سکتا ہے کہ باطل بھی (حق کے مقابلہ میں؟) کامیاب ہو سکتا ہے۔ خدا تعالے تو فرماتا ہے۔ "فمن اظلم ممن افترےٰ علی اللہ الکذب اوکذب بایاتہ انہ لا یفلح الظلمون"۔

لوہا لوہے کو کاٹتا ہے۔

ہم نے یہ تو نہیں لکھا تھا۔ کہ باطل حق کے مقابلہ میں بالآخر کامیاب ہوتا ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہتے ہیں۔ کہ ابتدا میں ضرور کامیاب ہوتا ہے۔ اگرچہ بالآخر غلبہ حق ہی کا ہوتا ہے۔ اور کتاب اللہ میں ایسا ہی لکھا ہے۔ مولوی فاضل صاحب نے نہ صرف بداہت کا انکار کیا ہے۔ بلکہ آیت محولہ کا بھی مطلب نہ سمجھے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ کہ بداہتاً باطل کی کامیابی مشاہدہ ہو۔ اور کتاب اللہ اس کے خلاف ہو۔ حالانکہ بار بار ہمیں مشاہدہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ہم نے فقرہ زیر بحث کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا۔ کہ جہاں مسیحیت کی اشاعت عام ہو۔ وہاں اس کی مماثلت یعنی احمدیت کی کامیابی تعجب انگیز نہیں۔ کیا صدہا سال سے مسیحیت کا مشن کامیاب نہیں ہو رہا۔ کیا اس کی زد میں ایک دنیا نہیں آ چکی۔ اگر مسیحیت باطل ہے۔ اور یہ مسلم ہے۔ ورنہ اس کے

مقابلہ کے لئے احمدیت کا کھڑا ہونا بے معنی ہے۔ تو کیا اس عالمگیر اشاعت مسیحیت کو جو صدہا سال سے ہو رہی ہے۔ کامیابی سے تعبیر نہیں کیا جائے گا۔ اگر نہیں۔ تو ہم اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں۔ کہ ہم نے مناسب الفاظ میں اس مفہوم کو واضح نہیں کیا۔ لیکن کیا مولویت اور فضیلت سے یہ توقع ہو سکتی ہے۔ کہ یہ "مناسب الفاظ" ہمیں بتائے۔ ہم ممنون ہوں گے۔ اور ساتھ ہی حسب ذیل آیات کا مفہوم بھی واضح کریں۔

ان الذین یکفرون بایات اللہ ویقتلون النبیین بغیر حق ویقتلون الذین یامرون بالقسط من الناس فبشرھم بعذاب الیم ۳/۱۱

ترجمہ۔ جو لوگ آیات اللہ کے منکر ہیں اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ اور جو کوئی لوگوں سے انصاف کی کہے اس کو مار ڈالتے ہیں۔ سو ان کو عذاب الیم کی بشارت سنا دو۔

باطل ابتدا میں کامیاب ہوتا ہے

آیات الٰہی کا انکار اور انبیاء اور اون لوگوں کا قتل جو ضمیر کی آواز بلند کرتے ہیں۔ ہوتا رہا ہے۔ اور اس طاقت کا شاہد ہے۔ جو باطل کو حاصل رہی ہے اور اگر یہ کامیابی باطل نہیں۔ تو اور کیا ہے؟ نمائندہ حق یعنی حضرت عیسٰے باطل مجسم کی نام نہاد عدالت میں پیش ہوتے ہیں۔ اور اپنی بے چارگی۔ بے بسی اور اس طاقت کو مشاہدہ کرتے ہوئے جو باطل کو حاصل تھی۔ آئندہ زمانہ میں باطل کی سرکوبی کے لئے، حق کے لئے ایک ایسی ہی طاقت کی ضرورت محسوس کرتے ہیں۔ جو اس وقت باطل کو حاصل تھی۔ باطل کی کامیابی اس حد تک تو جماعت احمدیہ بھی تسلیم کرتی ہے۔ کہ کلمۃ اللہ یا روح اللہ کو صلیب پر لٹکا دو۔ اور ان کے زخموں کے لئے مرہم عیسٰے کی بھی ضرورت تسلیم کرتی ہے۔ اور یہ بھی تسلیم کرتی ہے۔ کہ نمائندہ حق نے شام سے فرار ہو کر کشمیر میں دم لیا یا دیا۔ کیا یہ باطل کی کامیابی نہیں۔ کیا یہ صحیح نہیں۔ کہ جماعت احمدیہ حضرت عیسٰی کی زندگی کو ناکامیابی سے تعبیر

کرتی ہے۔ کیا یہ ناکامیابی باطل کے مقابلہ میں نہیں ہے؟ اس تشریح کے بعد آپ خود ہی آیت پیش کردہ کا مفہوم واضح فرمائیں۔

ومن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ الکذب اوکذب بآیاتہ انہ لا یفلح الظالمون ﴿۷/۲﴾

ترجمہ۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر افترا پردازی کرے۔ یا اس کی آیتیں جھٹلائے۔ بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے۔

فلاح انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ ہے

"فلاح" کے موضوع پر ہم نے بحث کی ہے۔ دیگر آیات سے بھی یہی واضح ہوتا ہے کہ انہ لا یفلح المجرمون ﴿۱۰/۱۷﴾ اور انہ لا یفلح الکافرون ﴿۲۳/۱۱۷﴾ اور متعدد آیات میں واضح کیا گیا ہے۔ کہ "فلاح" کس طرح حاصل ہوتی ہے۔ اور کون حاصل کرتے ہیں فلاح انسانی زندگی کا مقصد اعلیٰ ہے۔ اور ان ذرائع و وسائل سے حاصل ہوتی ہے جو تقویٰ کے مناسب ہوں۔ جھوٹ بولنا اور افترا پردازی کرنا تقویٰ کے مناسب نہیں۔ ظلم کسی شے کا غیر محل وضع و استعمال کرنا ہے۔ چونکہ یہ ایک حقیقت ہے کہ ظالم انجام کار فلاح سے محروم رہتا ہے۔ اس لئے رسول کریم لوگوں کو جو آنحضرت کے دعوائے رسالت کو افترا پردازی پر محمول کرتے تھے۔ کہتے ہیں۔ کہ مجھے اور تمہیں یہ حقیقت معلوم ہے۔ کہ ظالم فلاح نہیں پاتا۔ پھر میں کیوں افترا پردازی کا مرتکب بنوں۔

مایکون لی ان ابدلہ من تلقاءِ نفسی ان اتبع الا مایوحیٰ الیّ۔ انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم" ﴿۱۰/۱۵﴾

ترجمہ۔ مجھ سے تو یہ ہو نہیں سکتا۔ کہ (آیات قرآن کو) بدلوں۔ اپنی طرف سے میں تو اسی وحی کا تابع ہوں۔ جو میری طرف آتی ہے۔ اور میں ڈرتا ہوں۔ کہ اگر بے حکمی کروں۔ تو اس بڑے دن کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤں گا۔

فلاح قربانی سے حاصل ہوتی ہے

فلاح کا مفہوم جو مولوی فاضل صاحب کے ذہن نشین ہے۔ وہ اس شہادت کے مناسب نہیں۔ وہ صفحہ عالم پر شہدار کے خون سے لکھی ہوئی ہے۔ اگر کسی کا قتل ناحق جو باطل کے ذریعہ ہوتا ہے۔ فلاح سے محرومی ہے۔ تو شہدار کا خون بے فائدہ بہتا رہا ہے۔ حالانکہ بروئے کتاب اللہ ان کی موت حقیقی زندگی ہے۔ ہمیں معلوم ہے۔ کہ جماعت احمدیہ کا یہ عقیدہ ہے۔ کہ کوئی نبی کبھی قتل نہیں ہوا۔ بے فائدہ غیر متعلق بحث میں الجھنا ہم پسند نہیں کرتے۔ اس لئے ہم نے شہدار کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اگرچہ اکثر انبیا شہدار کی ذیل میں آتے ہیں۔ مگر اس مقام پر شہدار سے ہماری مراد وہی لوگ ہیں۔ جو اظہار حق کے لئے ناحق قتل ہوئے۔

کنز وہ مال ہے۔ جو نفسانیت جمع کرتی ہے

مولوی فاضل صاحب نے عادتاً یعنی تقلیداً آیت "والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ" پر بحث کی ہے۔ اور وہی مرزا صاحب ممدوح کی باتوں کو دوہرایا ہے۔ افسوس ہے۔ کہ اگرچہ کافی عرصہ تدبر کے لئے تھا۔ مگر ابھی تک جماعت احمدیہ نے حضرت ابوذر غفاری اور بالتبع ہمارے استدلال پر غور نہیں فرمایا۔ ہم نے لکھا تھا۔ کہ جو مال نفقہ سے زیادہ اپنے نفس کے لئے جمع کیا جائے۔ وہ کنز ہے۔ چنانچہ اسی آیت کے آخری حصہ میں اس کی تشریح ہے۔ "واما اکنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون"۔ یہی مسئلہ زیر بحث ہے اور اسی طرف سے چشم پوشی ہے۔ مولوی فاضل صاحب ایک حدیث سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کہ جس مال کی زکوۃ ادا کر دی جائے۔ وہ کنز نہیں ہے۔ بحث تو اس مال کے متعلق ہے۔ جو کنز ہو۔ مناسب ہے۔ کہ پہلے کنز کی تعریف کریں۔ اور ساتھ ہی اس اصطلاح زکوۃ کے مفہوم کو بھی واضح کریں۔ پھر ھا کو لبعضھا استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کو بھی عربی کی تعلیم دیں۔ ہم اعلان کرتے ہیں۔ کہ اس آیت میں اگر کنز کی تعریف کے بعد آپ یہ ثابت کریں۔ کہ ھا بمعنی لبعضھا استعمال ہوا۔ تو بقول

اڈیٹر صاحب الفضل ہم مان لیں گے۔ کہ ہم ہار گئے فان لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ" یہ عجیب بات ہے کہ مرزا صاحب ممدوح تو یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ فی سبیل اللہ سب کچھ دیدینا چاہئے۔ اور یہ اعلیٰ فرض ہے۔ اور جو شخص یہ فرض ادا نہیں کرتا۔ وہ مستوجب سزا ہے۔ تو ھا کا مفہوم لبعضہا نہ ہوا۔ لیکن مولوی فاضل صاحب اچھے مرید ہیں۔ کہ اس تضاد کو جو صریحاً مرزا صاحب ممدوح کی تحریر میں موجود ہے۔ نظر انداز کرتے ہوئے ھا سے لبعضہا ہی مراد لیتے ہیں۔

نقائص پیش کردہ دلائل باطل ہیں

مولوی فاضل صاحب نے مالی مساوات کے نقائص یہ ظاہر کئے ہیں کہ دنیا کی ترقی رک جائے گی۔ اور دنیا میں بغاوت اور فساد پھیل جائے گا۔ اور دنیا کا امن بالکل قائم نہیں رہ سکیگا۔ اور تمام علوم بیکار ہو جائیں گے۔ اور سب سے آخر زکوٰۃ معینہ جو نصاب کے پورا ہونے پر ہوتی ہے کسی پر فرض نہ ہوگی۔ اس سے پیشتر ایک نقص یہ بھی واضح کیا ہے۔ کہ لوگ مفلس اور قلاش ہو جائیں گے۔ آں حضرت کے زمانہ میں لوگ بھی عذر پیش کرتے تھے۔ اس کا جواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ہے۔ کہ۔

الشیطٰن یعدکم الفقر ویامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ و فضلا

ترجمہ۔ شیطان تم کو فقر کا یقین دلاتا ہے اور بے حیائی کا حکم کرتا ہے۔ اور اللہ اپنی بخشش اور فضل کا وعدہ فرماتا ہے

فی زمانا یہ نقائص عدم حریت و مساوات کے ساتھ موجود ہیں۔ کیا ایکدوسرے سے وابستہ نہیں ہیں؟

اگر بقول مرزا صاحب ممدوح سب کچھ دے دینے سے یہ نقائص پیدا نہیں ہو سکتے۔ تو مالی مساوات سے تو بدرجہ اولیٰ نہ ہونگے۔ در اصل یہ القاء شیطانی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی انتہائی ناشکری ہے۔ کہ اون کو وہاں جہاں اور

جنکو ان کی ضرورت ہو۔ صرف نہ کیا جائے۔ یورپ کی زبانوں میں ان نقائص کا کافی ذخیرہ موجود ہے۔ مولوی فاضل صاحب کو چاہئے۔ کہ ان کو کام میں لائیں۔ ہم نے اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے۔ کہ دنیا کی ترقی حریت ومساوات سے وابستہ ہے۔ دنیا میں فتنہ وفساد عدم حریت ومساوات کے باعث ہے۔ اگر ہر ایک شخص کو وہ کام سپرد ہو۔ جس کا وہ اہل ہے۔ تو علوم وفنون میں وہ ترقی ہو۔ کہ بایدوشاید۔ البتہ ہم یہ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ زکوۃ معینہ جو نصاب کے پورا ہونے پر ہوتی ہے۔ کسی پر فرض نہ ہوگی۔ "چشم ماروشن دل ماشاد۔" مناسب ہے۔ کہ مولوی فاضل صاحب اسی غم ورنج میں معینہ رقم کا ماتم کریں۔ جو ضرورت وقت کے تحت جاری رہی۔ اور جب ضرورت نہ ہوگی۔ نہ رہے گی۔ کہتے ہیں۔ کہ مسلمانوں پر ایک زمانہ ایسا گزرا ہے۔ جب زکوۃ لینے والا کوئی نظر نہ آتا تھا۔ کاش مولوی فاضل صاحب اس زمانہ میں ہوتے۔

اللہ تعالیٰ تو یہ ارشاد فرماتا ہے۔ کہ فرعون مسرف اور مفسد تھا۔ اور حضرت موسےٰ دعا مانگتے ہیں۔ کہ

ربنا انک اٰتیت فرعون وملاءہ زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک ربنا اطمس علی اموالھم ۱۰/۸

ترجمہ۔ اے خدا۔ تونے فرعون اور اس کے سرداروں کو دنیا کی زندگی میں رونق اور مال دے رکھا ہے۔ اے رب اسواسطے کہ بہکاویں تیری راہ سے۔ اے رب ان کے مال پر جھاڑو پھیر دے۔

نقائص عدم مساوات نہیں ہیں

"اسراف" وہ خرچ ہے۔ جو انسان اپنے نفس کیلئے "نفقہ" سے زیادہ کرتا ہے۔ اس کے نتائج وہی ہیں۔ جو آیات محولہ بالا میں فرعون اور سرداران فرعون کے متعلق بیان کئے گئے ہیں اور وہ نقائص ہیں جن میں سے چند مولوی فاضل صاحب نے مالی مساوات سے غلط فہمی سے منسوب کئے ہیں۔ اسراف کا لازمی نتیجہ فتنہ وفساد ہوتا ہے اور ہوتا رہا ہے۔ مسرف نہ صرف خود گمراہ ہوتا ہے۔ بلکہ دوسروں کی گمراہی کا باعث بھی ہوتا ہے۔

اس کا ٹزک و احتشام دیکھ دیکھ کر دوسروں کو بھی یہی ہوس ہوتی ہے - کہ وہی ذرائع اختیار کریں - اور اسی طرح زندگی بسر کریں - جس طرح مسرف کرتا ہے - ہم اس موضوع پر کافی بحث کر چکے ہیں - کہ عدم مالی مساوات کے وہی نتائج ہیں جو مولوی فاضل صاحب مالی مساوات سے منسوب کرتے ہیں - ہم نے آیات بینات اور مشاہدات اور واقعات سے استدلال کیا - مگر مولوی فاضل صاحب ایک دعوے بے دلیل پیش کرتے ہیں -

حریت ہر ایک ترقی کی ضامن ہے

علم الاقتصاد کا ایک عالم اور مصنف مالی مساوات کی نسبت لکھتا ہے - کہ "مکمل مالی مساوات اسی وقت دنیا میں قائم ہو سکتی ہے - جب دنیا میں فرشتے آباد ہوں - یہ نفسانیت کے مقتضی نہیں" (پولیٹکل اکانمی از فوسٹ) اگر مولوی فاضل صاحب ان محققین کی تحقیق سے فائدہ اٹھاتے - تو بحث کو طول نہ دیتے - چونکہ یہ مسلم ہے - کہ نفسانیت اور مالی مساوات میں کچھ مناسبت نہیں - اس لئے یہ مصنف مالی مساوات میں وہی نقائص بیان کرتا ہے - جو مولوی فاضل نے لکھے ہیں - کہ "جب لوگوں کو یہ معلوم ہوگا - کہ انہیں نفقہ بہر حال ملیگا - تو زندگی میں جو جد و جہد مشاہدہ ہو رہی ہے - اور جو ترقی کا سبب ہے - ختم ہو جائے گی - اور اس سے ترقی رک جائے گی" یہ ایک شیطانی وسوسہ ہے - اور اس موضوع پر ہم بحث کر چکے ہیں - کہ عدم حریت کے باعث لوگ وہ کام کرنے پر مجبور ہوتے ہیں - جس کے وہ اہل نہیں ہوتے - اور اس لئے یہ کام وہ بہ جبر و اکراہ - و بادل ناخواستہ کرتے ہیں - اور ایسے کاموں میں وہ کچھ ترقی نہیں کرتے - لیکن جس کام سے انہیں محبت ہوتی ہے - وہ بلا معاوضہ بھی کرتے ہیں - بلکہ اس کام کے لئے اپنی جان و مال بھی بے دریغ قربان کر دیتے ہیں - محبت ایک کشش ہے - جو دل میں اس کام کی حس پیدا کر دیتی ہے - جو طبائع کو پسندیدہ ہے - اور دل اور دل کے ساتھ تمام طاقتیں اسی کام کی طرف کھنچی چلی جاتی ہیں - "توجہ" اسی کام میں لگ جاتی ہے - "تصور" "اٹھتے بیٹھتے" "خواب میں" "بیداری میں" اسی کام کا ہوتا ہے - اور اس میں

اس قدر انہماک اور استغراق ہوتا ہے۔ کہ یہی کام مطلوب اور مقصود زندگی ہو جاتا ہے
اور اس کے لئے انتہائی جد وجہد بے تکلف کرتا ہے۔ اس لئے نتیجہ یہ ہے۔ کہ جو کام محبت
سے خالی ہے۔ وہ سراسر موجب تکلیف ہے۔ انسان اس کام میں کچھ بھی ترقی نہیں
کرسکتا۔ لیکن جس کام کی محبت دل میں ہوتی ہے۔ اس کی طلب پیدا ہو جاتی ہے
اور اس کے ساتھ وہ ذوق وشوق پیدا ہوتا ہے۔ جو تمام تکالیف اور مصائب کو ہیچ
سمجھتا ہے۔ اس میں انسان حقیقی راحت محسوس کرتا ہے۔ اور اس میں ترقی کرتا ہے۔
جس کام سے انسان کو محبت ہوتی ہے۔ اسی کام میں تذکرہ وعبرت وتصور وتفکر وتدبر
سے کام لیتا ہے۔ اور ایسے نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ جو علم سے تعبیر ہوتا ہے۔ جو سرچشمہ ہدایت
وراحت ہے۔

حریت اور علم لازم وملزوم ہیں

کتاب اللہ میں اسی تذکرہ وعبرت وتفکر وتدبر کے
اصول وضع کئے ہیں۔ جن سے تزکیہ نفس اور
تصفیہ قلب اور تہذیب اخلاق، دائمی امن۔ عالمگیر اخوت ۔حریت ومساوات اور اتحاد
حاصل ہوتا ہے۔ اور اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے۔ جس پر ہماری نفسانیت پردہ ہے

حکیماں کاندریں کردند تصنیف ۔ چنیں گفتند در ہنگام تعریف
کہ چوں در دل بود حاصل تصور ۔ نخستیں نام او باشد تذکر
وزو چوں بگذری ہنگام فکرت ۔ بود نام وے اندر عرف عبرت
تصور کاں بود بہر تدبر ۔ بہ نزد اہل عقل آمد تفکر
تفکر رفتن از باطل سوئے حق ۔ بجزو اندر بدیدن کل مطلق
ز ترتیب تصور ہائے معلوم
شود تصدیق نا مفہوم مفہوم

اب ہم جماعت احمدیہ کو ان کی قرآن دانی کی قسم دیکر پوچھتے ہیں۔ کہ کتاب اللہ
میں جس تذکرہ وعبرت وتفکر وتدبر کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ وہ نفسانیت کے
مقتضی ہے۔ یا تقویٰ کے؟ اور کیا تدبر وتفکر "حریت" کے بغیر حاصل ہوسکتا ہے؟

فطرت انسانی کا تقاضا کرتی ہے۔ اور ترقی کا میدان اتنا وسیع ہے۔ کہ عرضہا کعرض السماء والارض" لیکن وہ شخص کس طرح ترقی کر سکتا ہے۔ جو مسرف ہے۔ اور لہو و لعب میں مصروف ہے۔ اور اس لئے مفسد ہے۔ امن اور ترقی لازم و ملزوم ہیں جب بحر و بر میں فساد برپا ہو۔ تو ترقی کی کونسی صورت ہے؟ وہ شخص کس طرح ترقی کر سکتا ہے۔ جس کی فطری حریت اور اس کے فطری جذبات کا سد باب اسراف اور فساد سے کیا جاتا ہے۔ کیا تقویٰ کا یہ تقاضا نہیں۔ کہ انسان "نفس امارہ بالسوء" کا تابع نہ ہو۔ اور یہ کہ نفس مطمئنہ حاصل کرے؟ یہ صحیح ہے۔ کہ مالی مساوات نفس امارہ کے مناسب نہیں۔ لیکن کیا کتاب اللہ کے احکام مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں اس کے لئے جد و جہد نہیں کرنی چاہیئے؟

بہ تقاضائے فطرت ہر ایک کام اپنا آپ اجر ہے

اب ہم اس مفہوم کو جو وضع کر چکے ہیں۔ کتاب اللہ کی ایک آیت سے ثابت کرتے ہیں

قل لا اسئلکم علیه اجرا الا المودة فی القربیٰ ومن یقترف حسنة نزدله فیها حسنا ان الله غفور شکور ۲۵

ترجمہ۔ (اے پیغمبر ان لوگوں سے) کہو۔ کہ میں تم سے اس پر کوئی مزدوری تو مانگتا نہیں۔ مگر مودۃ القربیٰ اور جو شخص نیکی کریگا۔ اس کے لئے ہم اس نیکی میں اور زیادہ خوبی پیدا کرینگے۔ اللہ بخشنے والا قدردان ہے۔

چونکہ آنحضرت فطرۃ رسول اور نبی تھے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کو اسی کام کے واسطے پیدا کیا تھا۔ اس لئے اس فطری محبت کا تقاضا یہ تھا کہ آنحضرت یہ کام رسالت و نبوت بلا معاوضہ کرتے تھے۔ نہ صرف یہی بلکہ اس کام میں سب مال قربان کر دیا۔ جان جوکھم میں ڈال دی۔ اگرچہ قریش نے خوبصورت عورتوں، مال وزر، بادشاہی کو پیش کیا۔ مگر آں حضرت نے یہی ارشاد فرمایا۔ کہ اگر ایک ہاتھ پر آفتاب اور دوسرے ہاتھ پر ماہتاب رکھ دو۔ اور یہ کہو۔ کہ یہ کام چھوڑ دے۔ تو مجھ سے نہ ہو سکے گا۔

میں تو یہ کام باتباع ہوائے نفس نہیں کر رہا۔ مجھے ذاتی منفعت کی خواہش نہیں۔ یہ کام میرے سپرد ہو چکا ہے۔ اور میں نے کرنا ہے۔ میں تم سے اس کام کا معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ مطلوب وہ فطری محبت ہے جس نے مجھے اور تمہیں ایک رشتہ میں باندھ دیا ہے۔ اور اس کا تقاضا یہ ہے۔ کہ ہر ایک شخص وہ کام کرے۔ جو اس کی فطرت کے مقتضی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کام کی خوبیاں دن بدن روشن ہوتی جاتی ہیں۔ اور اس میں روز افزوں ترقی ہوتی ہے۔ ہر ایک کام میں بے انتہا خوبیاں اللہ تعالیٰ کی بخشش سے ودیعت ہیں۔ اور کام کرنے والوں کی سعی مشکور فرماتا ہے۔ اور یہی اسکی قدر دانی ہے۔ کہ کام کرنے والوں پر ان خوبیوں کو واضح فرماتا ہے۔ (ب ذرحی نعلماً)

ام یقولون افترٰی علی اللہ کذباً۔ فان یشاء اللہ یختم علی قلبک ویمح اللہ الباطل ویحق الحق بکلمتہ انہ علیم بذات الصدور ﴿۲۴﴾

ترجمہ۔ کیا کہتے ہیں۔ کہ اس شخص نے خدا پر بہتان باندھا ہے۔ سو خدا اگر چاہے۔ تو تمہارے دل پر مہر لگا دے۔ مگر اللہ اپنے کلام سے باطل کو مٹاتا ہے۔ اور حق کو جماتا ہے۔ اور وہ دلی خیالات سے واقف ہے۔

فطرت طلب حق اور نفسانیت طلب باطل ہے

آنحضرت کا تو یہ دعویٰ تھا۔ کہ میں جو کچھ کہتا ہوں باتباع وحی الٰہی کہتا ہوں۔ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتا۔ یعنی بوجہ نفسانیت باتیں نہیں بناتا۔ جاہل کہتے۔ کہ یہ خدا پر جھوٹ کا طوفان باندھتا ہے۔ اگر یہ افتراء ہوتا۔ تو نفسانی صفت ہوتی۔ اور خود باطل ہوتی۔ مگر جو شئے باطل کو محو کرتی ہو۔ اور حق جماتی ہو۔ وہ بے شک ضمیر اور قلب سلیم کی فطری آواز ہے۔ اگر یہ فطرت کا تقاضا نہ ہوتا۔ تو آنحضرت کا قلب وحی کے لئے کھلا نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ کہ ہر ایک شخص فطرتاً کس کس کام کا اہل ہے۔ اس لئے فطرۃً اس کے دل میں اس کام کی تحریک پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ اس حقیقت کو آشکار کرتا ہے۔ جو اس میں ودیعت ہوتی ہے۔ جب یہ حقیقت

روشن ہوتی ہے۔ تو وہ تاریکی کا موز ہو جاتی ہے۔ جو نفسانیت کی صورت میں اس پر حجاب ہوتاہے۔ اور یہ حجاب نفس فی الحقیقت قلب پر ہوتا ہے۔ جو اشیاء کے حقائق اور قلب کے درمیان حائل ہوتا ہے۔ اس کی مثال ایک برقی فانوس کی ہے۔ جب تک سربمہر ہوتا ہے۔ تاریک ہوتا ہے۔ لیکن جب یہ مہر ٹوٹتی ہے۔ تو اس کی فطری استعداد روشن ہو جاتی ہے۔ اور اس کے پردے بھی نور علی نور ہو جاتے ہیں

وھوالذی یقبل التوبۃ عن عبادہٖ و یعفوا عن السیئات ویعلم ما تفعلون ویستجیب الذین امنوا وعملوا الصلحت ویزیدھم من فضلہ والکفرون لھم عذاب شدید ﴿۲۴﴾

ترجمہ۔ اور وہی تو ہے۔ جو اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور خطاؤں سے درگزر کرتا ہے۔ اور جیسے جیسے لوگ عمل کرتے ہیں ان سے واقف ہے اور جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے۔ ان کی سنتا ہے۔ اور اپنے فضل سے ان کو بڑھ کر دیتا ہے۔ اور جو لوگ منکر ہیں۔ ان کے لئے سخت عذاب ہے۔

جب انسان بوجہ نفسانیت اعتدال سے جو تقاضائے فطرت ہے۔ تجاوز کرتا ہے۔ تو افراط و تفریط میں پڑھ کر سیئات کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس لئے دوبارہ راہ راست پر آنے کے لئے اسے اتنا ہی واپس لوٹنا پڑتا ہے۔ جتنا وہ صراط مستقیم سے بھٹک جاتا ہے۔ اسے اصطلاح میں توبہ کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس نفسانی زیادتی سے درگزر فرماتا ہے۔ یعنی اس کو بازگشت کی توفیق دیتا ہے۔ اگر گمراہی کے بعد انسانی فطرت میں یہ استعداد نہ ہوتی۔ تو ترقی انسانی ہمیشہ کے لئے رک جاتی۔ جب انسان کو فطری تقاضا کا علم ہو جاتا ہے۔ اور یہ علم سیئات کے نتائج سے بھی ہوتا ہے۔ یعنی انسان تکالیف برداشت کرتا ہے۔ کیونکہ سیئات فطرۃ مکروہ ہیں۔ تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ فطرۃ پسندیدہ کیا عمل ہے۔ جس میں وہ راحت محسوس کرتا ہے۔ اور ایسے عمل میں وہی اللہ تعالیٰ کا فضل اس کو ترقی دیتا ہے۔ لیکن جو اشخاص محجوب ہیں۔ جن کی نفسانیت فطرت پر

حجاب ہے۔ وہ توبہ نہیں کرتے۔ تو عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے۔

ولو بسط اللہ الرزق لعبادہٖ لبغوا فی الارض ولکن ینزل بقدر ما یشاء انہ بعبادہٖ خبیر بصیر ۲۵ پ

ترجمہ۔ اور اگر اللہ اپنے بندوں کے لئے روزی فراخ کردے۔ تو وہ ضرور زمین میں سرکشی کرنے لگیں۔ مگر وہ بقدر مناسب جتنی چاہتا ہے۔ اتارتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں سے خبردار نگران ہے۔

کتاب اللہ میں بیباکانہ تحریف

یہ آیات ہیں۔ جن سے مولوی فاضل صاحب نے مالی مساوات کے خلاف استدلال کیا ہے۔ یہی محکمات ہیں۔ جو مولوی فاضل صاحب کیلئے متشابہات ہیں۔ لکھتے ہیں۔ کہ مالی مساوات سے یہ لازم آیگا کہ دنیا میں بغاوت اور فساد پھیل جائیگا۔ اور دنیا کا امن بالکل قایم نہیں رہ سکیگا۔ جیسے خدا تعالی فرماتا ہے۔ اس کے بعد آیات محولا بالا نقل کی ہیں۔ اور ترجمہ یا مفہوم اس طرح لکھتے ہیں۔ کہ

اگر خدا تعالی اپنے بندوں کو رزق میں فراخی دیدے۔ اور سب کو مال یکساں مل جائے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ زمین میں بغاوت کریں۔ لیکن خدا تعالی اندازے کے مطابق جتنا چاہتا ہے۔ دیتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بندوں کے حالات سے خوب واقف ہے۔"

یہ وہی بیباکانہ تحریف ہے۔ جو مولوی فاضل صاحب کا معمول ہو چکی ہے اور اس لئے اس پر کچھ لکھنا تحصیل حاصل ہے۔ آیت زیر بحث کے کسی لفظ کا ترجمہ یا مفہوم یہ نہیں ہے۔ جس کو مولوی فاضل صاحب فقرہ " اور سب کو مال یکساں مل جائے" میں واضح کرتے ہیں۔

انہی آیات کے شروع میں جن کا مفہوم ہم واضح کر چکے ہیں۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے

اللہ لطیف بعبادہٖ یرزق من یشاء وھو القوی العزیز۔ من کان یرید حرث الاخرۃ نزد لہ فی حرثہ ومن کان یرید حرث الدنیا

ترجمہ۔ اللہ اپنے بندوں کے ذرا ذرا حال سے واقف ہے جس کو چاہتا ہے۔ دیتا ہے اور وہ بڑا زور آور زبردست ہے۔ جو

نوتہ منھا ومالہ فی الاخرۃ من نصیب
ع ۲ پ ۲۵

کوئی آخرت کی کھیتی کا طالب ہے۔ ہم اس کی کھیتی میں ترقی دیتے ہیں۔ اور جو دنیا کی کھیتی کا طالب ہے۔ تو ہم بقدر مناسب اس کو اس میں سے دینگے۔ اور آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں۔

فطرت حرث الآخرت کی طالب ہے

دنیا میں دو طرح کے لوگ ہیں۔ ایک تو بہ تقاضائے فطرت اس کام میں لگے ہیں جو فطرت کے مناسب ہے۔ ان کی سعی مشکور ہوتی ہے۔ اور وہ ترقی کرتے ہیں۔ دوسرے بہ تقاضائے نفسانیت ایسے اعمال کرتے ہیں۔ جو فطرۃ مکروہ ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے ترقی نہیں ہے۔ اور اس لئے رزق کی کشائش ان کے من مانی نہیں ہوتی۔ اگر ہو جائے۔ تو بہ تقاضائے نفسانیت وہ ملک خدا میں وہ سرکشی کریں۔ کہ کبھی امن قایم ہی نہ ہو سکے۔ جو لوگ حرث الآخرت کے طالب ہیں ان کی "حرث" میں ترقی ہوتی ہے۔ اور جو لوگ "حرث الدنیا" کے طالب ہیں۔ اور چاہتے ہیں۔ کہ دونو ہاتھوں سے سب سمیٹ لیں۔ ان کو اس حرث میں سے کچھ حصہ ملتا ہے۔ اور آخری کی کھیتی میں تو اس کا کچھ حصہ ہی نہیں۔ ایسے لوگ آسمانی بادشاہت کے باغی ہیں۔ اگر ان کو دنیا کی تمام اشیا مل جائیں۔ تو بغاوت کی اشاعت ملک خدا کے طول وعرض میں کردیں "زین لھم الشیطٰن اعمالھم فصدھم عن السبیل"۔ اس بقض سے بسط کا مفہوم پیدا کرنا اور عدم مساوات پر استدلال کرنا مولوی فاضل کی قرآن دانی کے لئے خاص ہے۔ ہم کب چاہتے ہیں۔ کہ ہر ایک شخص فرعون اور قارون بنجائے۔ ہمارا تو یہ دعوےٰ ہے کہ ہر ایک شخص کو اتنا ہی ملنا چاہئے۔ جتنا ان کی ضروریات زندگی کے لئے کافی ہو۔ تاکہ نفسانیت کے فریب میں آکر مسرف اور مفسد نہ بنجائے۔ مولوی فاضل صاحب کے استدلال کا یہ مفہوم ہے۔ کہ انسان کو ہر ایک کام محض شکم پروری

کے لئے کرنا چاہیے۔ اور انسان ایسا ہی کرتا ہے۔ اگر اس کا پیٹ بھر جائے۔ تو وہ کام نہیں کریگا۔ اور اس طرح دنیا کی ترقی رک جائے گی۔ بلاشبہ نفسانیت کا یہی تقاضا ہے۔ یہی فطرت انسانی کی انتہائی ذلت کا مفہوم ہے۔

نفسانیت حرث الدنیا کی طالب ہے

حرث الدنیا کیا ہے؟ یہی اسراف جو محض کھیل تماشا ہے۔ اور جس کا انجام فساد اور تباہی اور ہلاکت ہے اور بمقابلہ آخرت قلیل ہے اس قلیل سے بھی ان کو کچھ ملتا ہے۔ تو متاع مخمور بنجاتے ہیں۔

اعلموا انما الحیاۃ الدنیا لعب ولھو و زینۃ وتفاخر بینکم وتکاثر فی الاموال والاولاد کمثل غیث اعجب الکفار نباتہ ثم یھیج فترٰہ مصفرا ثم یکون حطاما وفی الاخرۃ عذاب شدید ومغفرۃ من اللہ و رضوان، وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور۔ سابقوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا کعرض السماء والارض ۲۷/۱۹

ترجمہ۔ جان لو۔ کہ دنیا کی زندگی کھیل اور تماشا ہے۔ اور ظاہری طمطراق اور ایک دوسرے پر فخر کرنا اور ایک دوسرے سے بڑھکر مال اور اولاد کا خواستگار ہونا ہے۔ مینہ کی مثال ہے کہ کاشتکار کھیتی کو دیکھ کر خوشیاں کرنے لگتے ہیں۔ اور پھر خشک ہو جاتی ہے۔ تو اسکو دیکھتا ہے۔ کہ پیلی پڑ گئی ہے۔ پھر روندن میں آجاتی ہے۔ اور آخرت میں عذاب ہے اور اللہ کی خوشنودی اور مغفرۃ بھی ہے اور دنیا کی زندگی تو نرے دھوکے کی ٹٹی ہے اپنے پروردگار کی مغفرت کی طرف بڑھو۔ اور جنت کی طرف جس کا عرض اتنا ہے۔ جتنا زمین اور آسمان کا

عدم مساوات حرث الدنیا میں ہے

دیکھئے۔ تکاثر فی الاموال والاولاد کی تفسیر مولوی فاضل صاحب کی قرآن دانی کیا کرتی ہے

حرث الدنیا باطل ہے اور ماابدی الباطل وما یعید" باطل سے نہ کچھ پیدا ہوا ہے۔ نہ ہو سکتا ہے

اس لئے اس میں ترقی ممکن نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے جو کچھ پیدا کیا ہے۔ باطل نہیں۔ اور اس لئے لہب ولہو نہیں۔

وماخلقنا السماء والارض وما بینھما لعٰبین" ۲۱	ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ اس کے درمیان ہے کھیل تماشہ نہیں بنایا۔

اس لئے تقاضائے عقل یہ ہے ۔کہ انسان اس لعب ولہو میں مشغول نہ ہو۔ بلکہ اس غرض کو مدنظر رکھے ۔جو مقصد اعلیٰ ہے۔

وما الحیٰوۃ الدنیا الا لعب ولھو وللدار الاخرۃ خیر للذین یتقون افلا تعقلون ۶	دنیا کی زندگی تو یہی لعب ولہو ہے اور آخرت کا گھران کے لئے بہتر ہے۔ جو نفسانیت سے بچتے ہیں۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے

نفس پرست تو اس پیدائش کو لعب ولہو سمجھتے ہیں۔ اور فطرت کا فتویٰ یہ ہے کہ:۔

وماخلقت السماء والارض وما بینھما باطلا ذلک ظن الذین کفروا ۲۳/۱۲	ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ عبث پیدا نہیں کیا۔ الیا ظن وہ لوگ کرتے ہیں۔ جو حقیقت کے منکر ہیں۔

فمن ابتغی وراء ذلک فاولئک ھم العدون	مولوی فاضل صاحب کے استدلال کے لئے ہم حسب ذیل آیات پیش کرتے ہیں۔ امید ہے۔ کہ وہ بغاوت اور فساد فی الارض کے مفہوم کو واضح کرینگے۔

ان قارون کان من قوم موسیٰ فبغی علیھم واٰتینہ من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ اذ قال لہ قومہ لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین وابتغ فیما اٰتٰک اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا واحسن کما احسن اللہ الیک	ترجمہ۔ قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا۔ پھر وہ ان پر زیادتی کرنے لگا۔ اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دے رکھے تھے۔ کہ کئی زور آور مرد اس کی کنجیاں بمشکل اٹھاتے ۔ ایک بار اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اترا مت۔ کیونکہ اللہ اترانے

ولا تبغ الفساد فی الارض ان الله لا یحب
المفسدین، قال انما اوتیته علی علم عندی
اولم یعلم ان الله قد اهلک من قبله
من القرون من هو اشد منه قوة واکثر
جمعا ولا یسئل عن ذنوبهم المجرمون
فخرج علی قومه من زینته قال الذین
یریدون الحیوٰة الدنیا یلیت لنا مثل ما
اوتی قارون انه لذو حظ عظیم وقال
الذین اوتوا العلم ویلکم ثواب الله خیر
لمن امن وعمل صالحا ولا یلقها الا الصبرون
فخسفنا به وبداره الارض وما کان له
من فئة ینصرونه من دون الله وما کان
من المنتصرین، فاصبح الذین تمنوا مکانه
بالامس یقولون ویکان الله یبسط الرزق
لمن یشاء من عباده ویقدر، لولا ان من
الله علینا لخسف بنا ویکانه لا یفلح الکفرون
تلک الدار الاخرة نجعلها للذین لا یریدون
علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبة
للمتقین" ٢٠/١١

والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو خدا نے
تجھ کو دے رکھا ہے۔ اس میں آخرت کے
گھر کا فکر کرتا رہ۔ اور دنیا سے جو تیرا حصہ
ہے۔ اس کو فراموش نہ کر۔ اور جس طرح اللہ
نے تیرے ساتھ احسان کیا ہے۔ تو بھی احسان
کر۔ اور ملک میں فساد کا خواہاں نہ ہو۔ اللہ
مفسدوں کو پسند نہیں کرتا۔ بولا۔ یہ تو مجھ
کو اپنی لیاقت سے حاصل ہوا ہے۔ کیا یہ
خیال نہ کیا۔ کہ اس سے پہلے خدا انہی میں
سے ایسے ایسے لوگوں کو ہلاک کر چکا ہے جو
اس سے کہیں زیادہ بل بوتا رکھتے تھے۔ اور
ان کے پاس جمع بھی بہت زیادہ تھی۔ اور
گنہگاروں سے ان کے گناہ کی بابت نہیں
پوچھا جایا کرتا۔ غرض قارون اپنے ترک
سے اپنی قوم پر نکلا۔ تو جو لوگ دنیا کی زندگی
کے طالب تھے لگے کہنے۔ کہ جتنا کچھ قارون
کو ملا ہے۔ اے کاش ہمارے پاس بھی ہوتا
اس میں شک نہیں۔ کہ قارون بڑا صاحب
نصیب ہے۔ اور جن لوگوں کو علم کی دولت
دی گئی تھی۔ بولے۔ تمہارا جلائے ناس۔ جو
شخص ایمان لایا۔ اور نیک عمل کئے۔ اس
کے لئے ثواب خدا بہتر ہے۔ مگر صبر کرنے
والوں کے سوا وہ نہیں ملا کرتا۔ پھر ہم نے

قارون اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا
دیا۔ اور خدا کے سوا کوئی جماعت اس کی
مدد کو نہ ہوئی۔ اور نہ اپنے تئیں بچا سکا۔
اور جو لوگ کل اس کی جگہ کی تمنا کرتے تھے
وہ آج صبح کو لگے کہنے۔ ارے غضب یہ تو
اللہ ہی اپنے بندوں میں سے جس کی
روزی چاہتا ہے۔ فراخ کر دیتا ہے۔ اور
جس کی چاہتا ہے۔ اندازے پر کر دیتا ہے
اگر خدا ہم پر کرم نہ کرتا۔ تو ہم کو بھی دھسا
دیتا۔ ارے غضب بات تو یہ ہے۔ کہ ناشکروں
کو فلاح نہیں ہوتی۔ یہ آخرت کا گھر جس
کو ہم نے ان لوگوں کے لئے کر رکھا ہے جو
دنیا میں علو اور فساد کے خواہاں نہیں اور
انجام متقین کا ہے۔

کثرت مال و اولاد کی خواہش فتنہ ہے

تکاثر الاموال والاولاد کی مثال اس بغاوت میں
ہے جس میں نفسانیت انسان کو مبتلا کر دیتی ہے
دو دعویدار حضرت داؤد کی خدمت میں حاضر ہوتے
ہیں۔ اور ان میں سے ایک اپنا دعوے اس طرح پیش کرتا ہے۔

خصمٰن بغی بعضنا علی بعض فاحکم بیننا بالحق ولا تشطط واھدنا الی سواء الصراط۔ ان ھذا اخی، له تسع وتسعون نعجة ولی نعجة واحدة فقال اکفلنیھا وعزنی فی الخطاب قال لقد ظلمك بسوال

ترجمہ۔ ہم دونوں میں ایک جھگڑا ہے۔ کہ ہم
میں سے ایک نے دوسرے پر زیادتی کی ہے
تو آپ ہم میں منصفانہ فیصلہ کر دیجئے۔ اور
انصاف سے نہ گذریئے۔ اور ہم کو سیدھا
راستہ لگا دیجئے۔ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے

نعجتك الى نعاجه وان كثيرا من الخلطا
ليبغي بعضهم على بعض الا الذين امنوا
وعملوا الصلحت وقليل ما هم ۲۳/۱۱

ننانوے دنبیاں ہیں - اور میری ایک ہی دنبی ہے - اب یہ کہتا ہے - کہ اپنی دنبی بھی مجھے دے ڈال - اور بات چیت میں مجھ کو دبا لیتا ہے - کہا - یہ تو تیری دنبی مانگ کر اپنی دنبیوں میں ملانا چاہتا ہے - تو یہ تجھ پر ظلم کرتا ہے - اور اکثر شرکار ایک دوسرے پر زیادتی کرتے ہیں، مگر جو لوگ ایمان رکھتے - اور نیک عمل کرتے ہیں۔ اور ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں -

برائی کا بدلہ نیکی نہیں ہے -

ومن عاقب بمثل ما عوقب به ثم بغي عليه
لينصرنه الله ان الله لعفو غفور ۲۲/۱۵

ترجمہ - اور جس شخص نے (دشمن کو) اسقدر ستایا، جتنا کہ یہ شخص (اس کے ہاتھوں سے) ستایا گیا تھا - پھر (دشمن کی طرف سے) اس پر زیادتی ہوئی - تو اس (مظلوم) کی خدا ضرور مدد کریگا - اللہ درگذر کرنے والا بخشنے والا ہے -

عفو فطرتاً پسندیدہ ہے -

والذين اذا اصابهم البغي هم ينتصرون
وجزاؤا سيئة سيئة مثلها فمن
عفا واصلح فاجره على الله انه لا يحب الظلمين
ولمن انتصر بعد ظلمه فاولئك ما عليهم
من سبيل، انما السبيل على الذين يظلمون
الناس ويبغون في الارض بغير الحق ۲۵/۵

ترجمہ - اور جو ایسے ہیں - کہ جب ان پر زیادتی ہوتی ہے - تو وہ بدلہ لیتے ہیں، اور برائی کا بدلہ ویسے ہی برائی ہے - اس پر جو معاف کر دے - اور صلح کر لے - تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ ہے - بے شک وہ ظلم کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا -

اور کسی پر ظلم ہوا ہو۔ اور وہ اس کے بعد بدلہ لے۔ تو یہ لوگ (معذور ہیں) ان پر کوئی الزام نہیں۔ الزام انہی پر ہے۔ جو لوگوں پر ظلم کرتے ہیں۔ اور ناحق ملک خدا میں زیادتی کرتے ہیں۔

نفسانیت زیادہ طلبی یعنی بغاوت ہے۔

فلما انجٰھم اذا ھم یبغون فی الارض بغیر الحق یا ایھا الناس انما بغیکم علیٰ انفسکم متاع الحیوٰۃ الدنیا ۲۳

پھر جب وہ ان کو (گرداب بلا سے) نجات دیدیتا ہے۔ تو وہ خشکی پر پہنچتے ہیں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ لوگو! تمہاری سرکشی (کا وبال) تمہاری ہی جانوں پر پڑیگا۔ یہ دنیا کی زندگی کے فائدے ہیں۔ (سو خیر چند روزہ مزے اڑالو)

قدر ہر ایک شئی کی فطری استعداد ہے

اب مولوی فاضل صاحب انصاف سے کہیں۔ کہ بغاوت عدم مساوات میں ہے۔ یا مساوات میں؟ بغاوت کا مفہوم ہی وہ زیادتی ہے۔ جو عدم مساوات کے معنے ہیں۔ مساوات میں تو زیادتی ہو ہی نہیں سکتی۔ ہم لکھ چکے ہیں۔ کہ قانون فطرت مساوات کی طرف لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ لیکن نفسانیت سے اس توازن میں رخنہ اندازی ہوتی ہے۔ آیت زیر بحث کا بھی یہی مفہوم ہے۔ کہ اگر لوگوں کو من مانی مرادیں ملیں۔ تو اس میزان کو توڑ پھوڑ کر رکھدیں۔ لیکن ہر ایک شئی "قدر معلوم" پر مخلوق ہوئی ہے۔ اور فطرتاً توازن مساوات قائم رکھنا چاہتی ہے۔ اس لئے نفسانیت کا بس نہیں چلتا۔ مگر "نصیباً مفروضاً" کے بھی کچھ معنی ہیں۔ اس لئے اس کا حصہ معینہ اس کو مل رہتا ہے۔

وحملنا الانسان انه کان ظلوماً جھولا

مولوی فاضل صاحب نے اس سوال کے تحت کہ "کیا ضرورت سے زائد مال خرچ کر دینا چاہیئے" چند آیات کا حوالہ دیا ہے۔ اور لکھا ہے۔ کہ وقت ایسے ہی مال کی ہو سکتی ہے۔ جو جمع ہو۔ اور خون بہا ایسے مال سے دیا جاتا ہے۔ جو پس انداز ہو اور ضمناً ہم سے یہ توقع رکھتے ہیں۔ کہ مالی مساوات کا مکمل ضابطہ مرتب کر کے پیش کریں بحث اصول کے متعلق ہے۔ اور جہاں تک ہم سے ہو سکا۔ ہم نے اپنے مفہوم کو واضح کیا ہے۔ اگر اس سے آپ کی تسلی نہیں ہوئی۔ تو ہدایت تو ہمارے اختیار میں نہیں ہے "لکم دینکم ولی دین" بس اب خانہ آباد، دولت زیادہ"

آیات بینات پیش کرتے ہوئے ہم نے (دکیل ۲ دسمبر ۳ دسمبر ۲۰ء) اس موضوع پر اصولاً کافی بحث کی ہے۔ مگر "یہ اگلے برس کی تیلیاں ہیں" ہم لکھ چکے ہیں۔ کہ مال کی خواہ کوئی صورت ہو۔ خواہ وصیت سے خواہ محنت و مشقت، خواہ تجارت و زراعت خواہ ملازمت یا غنیمت سے حاصل ہو۔ اس کا مصرف ایک ہی ہے "کلوا واشربوا ولا تسرفوا" ہر ایک شخص کا حق نفقہ ہے۔ اس سے زیادہ اگر وہ اپنے نفس کے لئے صرف کرتا ہے تو "اسراف" ہے۔ اور جمع کرتا ہے۔ تو "کنز" ہے۔ انسان دنیا میں محض "امین" ہے۔ اس لئے اس کا تصرف ان اشیاء میں جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مسخر کر دی ہیں۔ اسی امانت کے مناسب ہونا چاہیئے۔ جو اس کی فطرت میں ودیعت ہے۔ اسے بوجہ نفسانیت جہل اور ظلم سے تصرف بیجا نہیں کرنا چاہیئے۔ مال خواہ کسی کو وصیت سے مفت ملے۔ امانت کی حیثیت نہیں بدل سکتی۔ اور یہ اصل اصول بھی واضح کیا تھا۔ کہ مال اس شخص کے قبضہ میں رہنا چاہیئے۔ جو اس کا اہل ہے۔ اور اس کو ملنا چاہیئے۔ جو اس کا مستحق ہے جو شخص کماتا ہے۔ وہی اہل ہے۔ اور اس کے بعد اس کے اقربین اس کے اہل ہیں۔ مگر ہیں وہ بھی امانت دار۔ مال بیت المال میں ہی جمع رہتا ہے۔ اور اسی طرح ہر ایک شخص کے پاس رہ سکتا ہے۔ لیکن سوال جمع کے متعلق نہیں ہے۔ بلکہ ایسی جمع کے متعلق ہے۔ جو انسان اپنے نفس کے لئے کرتا ہے۔ ہر ایک انسان مال کماتا ہے۔ اسکی

حفاظت کرتا ہے۔ اور اسکو تقسیم کرتا ہے۔ مال کی حفاظت اور تقسیم کی تکلیف سے
اگر کوئی ایسی صورت ہو۔ اسے سبکدوش کرنا ایک علیحدہ مستقل بحث ہے۔ اس پر بھی
مولوی فاضل صاحب طبع آزمائی کر سکتے ہیں۔ مگر پہلے اصولی بحث ختم کریں۔

الفقر فخری

مال کے متعلق وصیت اس حالت میں ہوتی ہے۔ جب کہ کسی شخص
کے پاس مال بطور امانت الٰہی بچ رہے۔ اور اگر ایسی صورت
نہ ہو۔ جیسا کہ رسول کریم کی "اسوۂ حسنہ" میں نظر آتی ہے۔ کہ آنحضرت نہ کسی کے وارث
ہوئے۔ اور نہ ان کا کوئی وارث ہوا۔ تو مال کے متعلق وصیت نہیں ہو سکتی۔ اور
یہ کوئی گناہ نہیں۔

اہلیت اور استحقاق کی مثال ہم پہلے پیش کر چکے ہیں۔ اور اب مولوی فاضل صاحب
نے بھی وہی آیت پیش کی ہے "ولا تؤتوا السفہاء اموالکم الآیہ" کا یہ مفہوم ہے۔
کہ یتیم۔ نابالغ مال کی حفاظت کے اہل نہیں ہوتے۔ اور اپنی ذات کے بھی محافظ
نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان کا مال اور ذات ان لوگوں کی سرپرستی میں دیا جاتا
ہے۔ جو اس کے اہل ہوتے ہیں۔ اور جب وہ بالغ اور عاقل ہو جاتے ہیں۔ تو یہ
سرپرستی اٹھ جاتی ہے۔ مال جس کا سرپرست اہل ہوتا ہے۔ مگر مستحق یتیم ہوتا ہے مستحق
کو واپس دینا چاہئے۔ اس لئے حکم ہے۔ کہ

ولا تاکلوھا اسرافاً وبداراً ان یکبروا
ومن کان غنیاً فلیستعفف ومن
کان فقیراً فلیاکل بالمعروف ۴/۱۲

ترجمہ۔ اور ایسا نہ کرنا۔ کہ ان کے بڑے
ہونے کے اندیشے سے فضول خرچی کر کے
جلدی جلدی ان کا مال کھا ڈالو۔ اور جو
(ولی سرپرست) بامقدور ہو۔ اسے بچا رہنا
چاہئے۔ اور جو حاجت مند ہو۔ وہ مقدور
کے مطابق کھائے۔

ان آیات میں امانت داری کے اصول واضح کئے گئے ہیں۔ کچھ تدبر سے کام
لینا چاہئے۔

کتاب اللہ سے منشاء الٰہی یہ معلوم ہوتا ہے - کہ ہر ایک شخص خلیفۃ اللہ فی الارض" ہے - اس لئے جو کام حکومت کے سپرد ہے - یعنی بندگان خدا کی سرپرستی - وہ فہم انسانی کی بلوغت پر ہر ایک شخص کے سپرد ہو - اور حکومت کی سرپرستی اٹھ جائے - ہر ایک شخص اپنا آپ حاکم و محکوم ہو - اور اپنے اپنے اعمال کا ذمہ وار - اور جواب دہ عند اللہ ہو -

آسمانی بادشاہت کا ایک نیک شہری مال جائز وسائل سے کماتا ہے - اور صرف کرتا ہے - اور اگر کچھ بچ رہتا ہے - تو یہ مال ایسے ہی نیک شہریوں کے ہاتھ آتا ہے - وہ بھی اسی طرح صرف کرتے ہیں - نہ کوئی ظالم ہو - نہ مظلوم - اے خدا تیری بادشاہت جیسی آسمان پر ہے - ویسی زمین پر بھی ہو - آمین! حکومت بندگان خدا کا مال ہے - " فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم " - ایک نہ ایک دن وہ بالغ ہو جائینگے - " ولا تاکلوا اسرافا "

نفس کشی کی سزا نفس کشی ہے

وصیت کی طرح "دیت" کا حکم بھی اسی صورت میں ہو سکتا ہے - جب ایسے شخص کے پاس جو نادانستہ قتل کا مرتکب ہوتا ہے - مال ہو - اگر نہ ہو - تو یہ فرض مولوی صاحب ممدوح کا ہے - کہ وہ ہمیں بتائیں - کہ شریعت کا کیا حکم ہے؟

مولوی فاضل صاحب کی عادت نہیں - کہ آیات پوری نقل کریں - اور اس لئے یہ کمی ہمیں پوری کرنی پڑتی ہے - آیت پیشکردہ کے ساتھ حسب ذیل آیت کا بھی مطالعہ کرنا چاہئے -

الا ان یصدقوا × × × × ×	ترجمہ مگر یہ کہ وارثان مقتول معاف کر دیں × × × × × × × × ×
فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین توبۃ من اللہ وکان اللہ علیما حکیما	اور جس کو مقدور نہ ہو - تو لگا تار دو مہینے کے روزے رکھے - کہ توبہ کا یہ طریق

اللہ کا ٹھہرایا ہوا ہے۔ اور اللہ واقف

ہے۔ اور اس کا انتظام پکا ہے۔

اگر مولوی فاضل صاحب اصول کا مطالعہ کتاب اللہ سے کرتے۔ تو اس بیچ بحثی میں نہ الجھتے۔ اصل اصول سزا یہ ہے کہ جزاء السیئۃ سیئۃ مثلھا فمن عفا و اصلح فاجرہ علی اللہ" نفس کشی کی سزا نفس کشی سے ہو سکتی ہے۔ خون بہا دینا اور غلام آزاد کرنا ایسی ہی نفس کشی ہے۔ جیسے دو ماہ کے لگاتار روزے رکھنا۔

اصطلاحات کی تعریف کتاب اللہ سے کرنی چاہیے

ہم نے آیت" ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ" پیش کرتے ہوئے لکھا تھا۔ کہ اس میں حریت و مساوات کی جامع و مانع تعریف کی گئی ہے۔ اس پر مولوی فاضل صاحب نے جو کچھ لکھا ہے۔ وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ جس کا ان کے پاس کافی ذخیرہ ہے۔ مگر افسوس ہے۔ کہ وہ مفہوم کو یا تو اس لئے مناسب الفاظ میں واضح نہیں کر سکے۔ کہ عدم مساوات کا خیال ابھی تک بصورت حجاب حائل ہے۔ یا اس لئے کہ ابھی تک خیالات میں وہ پختگی نہیں ہے۔ جو وسیع تجربہ کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ اور کافی تدبر و تفکر کا نتیجہ ہے۔ مولوی فاضل صاحب کی تحریر میں دونو باتیں پائی جاتی ہیں۔ موخر الذکر صورت میں وہ معذور ہیں۔ آیت زیر بحث پیش کرتے ہوئے ہم نے لکھا تھا۔ کہ عدل و قسط و احسان کی اصطلاحات کی تعبیر قرآن حکیم میں آیات بینات سے کی گئی ہے۔ حریت و مساوات کی تعریف ان آیات میں جامع و مانع کی گئی ہے۔ مگر مناسب مقام پر ضرورتاً مزید بحث بھی کرینگے۔ اس لئے ہم اس وعدہ کو ایفا کرتے ہیں۔

مولوی فاضل صاحب کا مفہوم ۱

مولوی فاضل صاحب اتنا تو تسلیم کرتے ہیں - کہ عدل کا مفہوم مساوات ہے، لیکن احسان کا مفہوم کچھ اس سے بڑھکر ہے - یعنی عدل میں برابر کا لین دین ہے - اور احسان میں عوض معاوضہ کا خیال نہیں ہے - اور نہ ہونا چاہئے - اور ایتاء ذی القربیٰ میں احسان کا بھی خیال محو ہو جاتا ہے - یعنی اللہ تعالےٰ کا حکم ہے - کہ اول تو بنی نوع انسان سے ایسا سلوک کرو - جس طرح تم اقربین سے کرتے ہو - یعنی بہ تقاضائے محبت فطری سلوک کرو - جو خود اپنا آپ اجر ہے - جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں - اور اگر اتنا نہ ہو سکے - تو احسان کرو جس میں غیریت کا خیال تو محو نہیں ہو سکتا - مگر فعل لوجہ اللہ ہوتا ہے - اور کسی معاوضہ کی امید کسی شخص سے نہیں ہوتی - اگر یہ بھی نہ کر سکو - تو بہر حال عدل قائم رکھو - اور ایک دوسرے پر زیادتی نہ کرو -

عدل کی تعریف

یاایھا الذین امنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شقاق قوم علی الاتعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بماتعملون ع

ترجمہ - مسلمانو! خدا واسطے انصاف کے ساتھ گواہی دینے کو آمادہ رہو - اور لوگوں کی عداوت تم کو اس جرم کی باعث نہ ہو - کہ عدل نہ کرو - عدل کرو عدل تقویٰ سے قریب تر ہے - اور بہ تقاضئے فطرت اللہ نفسانیت سے بچے رہو - کیونکہ جو کچھ تم کرتے ہو - اللہ اس سے باخبر ہے

ولا یجرمنکم شقاق قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا و تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا

ترجمہ - اور بعض لوگوں نے جو تم کو مسجد الحرام سے روکا تھا - یہ عداوت تم کو زیادتی کرنے کی باعث نہ ہو - اور نیکی

تعاونوا علی الاثم والعدوان واتقوا اللّٰہ، ان اللّٰہ شدید العقاب ۵	اور پرہیزگاری میں ایک دوسرے کے مددگار رہو جایا کرو۔ اور گناہ اور زیادتی میں ایک دوسرے کے مددگار نہ بنو۔ اور بہ تقاضائے فطرت اللّٰہ مناسبت سے بچتے رہو۔ کیونکہ (فطرت سے انحراف) اللّٰہ کی سختی کے منہ آنا ہے۔

برائی کا بدلہ ویسی ہی ایک برائی ہے۔ نیکی نہیں۔ اس لیے فطرت کے مقتضی نہیں "عدل" فطرت کے مناسب ہے۔ اس کا یہ تقاضا ہے۔ کہ ہر ایک امر میں انسان افراط و تفریط سے بچتا رہے۔ افراط و تفریط تقاضائے نفسانیت ہے۔ عدل ان نفسانی جذبات سے معرا ہوتا ہے۔ جو غصہ اور کینہ اور حسد وغیرہم سے تعبیر ہوتے ہیں۔ جن کے باعث انسان افراط و تفریط میں پڑتا ہے "تعدیل ہر امر کمال عرفا است"۔

آنچہ برخود نہ پسندی بر دیگراں مپسند

مساوات کا یہ مفہوم نہیں ہے۔ کہ اگر ایک شخص کے ساتھ کوئی زیادتی کرے تو وہ بھی کرے۔ یہ جذبہ ظلم ہے۔ لیکن اگر بنظر اصلاح و تنبیہ ویسی ہی تکلیف پہنچ جائے۔ جس میں غصہ اور کینہ کی آمیزش نہ ہو۔ تو یہ عدل ہے۔ کیونکہ یہ ظالم ہی کے فائدے کی بات ہے۔ کہ وہ گمراہی سے بچ جائے۔ لیکن اگر اس پر بھی وہ ظلم سے باز نہ آئے۔ تو تقاضائے فطرت یہ ہے۔ کہ ظالم کو اس کے حال پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ اور صبر سے ظلم برداشت کرنا چاہیئے۔ اللّٰہ تعالیٰ کا وعدہ نصرت یقینی ہے۔ اور اگر مقدور ہو۔ تو ظالم کو ظلم سے روک دینا چاہیئے یہ نہایت نامناسب ہے۔ کہ اس پر ظلم کیا جائے۔ چونکہ ہر ایک شے "قدر" کی شہادت دے رہی ہے۔ اور ظالم کا انجام مشاہدہ میں آچکا ہے۔ اس لئے عارف

کسی حالت میں تقاضائے فطرت سے تجاوز نہ کرنا چاہیئے۔ اسے عدل کہتے ہیں۔
آیات محولا بالا سے واضح ہوتا ہے۔ کہ "عدل" میں کسی عوض معاوضہ کا خیال نہیں ہونا چاہئے۔ مولوی فاضل صاحب نے یہ غلط فہمی اس لئے پیدا کی ہے کہ عدل کی تعریف سے واقف نہیں ہیں۔ عدل وہ صراط مستقیم ہے۔ جو دو نقطوں میں ایک ہی سیدھا اور نزدیک تر خط ہے۔ اور جو بال سے باریک تر اور تلوار سے تیز تر ہے۔ اور اس پر قائم رہنا انتہائی مجاہدہ ہے۔ اسی کو اصطلاح میں "پلصراط" کہتے ہیں۔ جو شخص اس سے ذرا ادہر ادہر ہوا۔ اور افراط و تفریط میں کجروی اختیار کی۔ وہ دوزخ میں آرہتا ہے۔

احسان کی تعریف

ہم واضح کر چکے ہیں۔ کہ فطرت سوال اجر سے مستغنی ہے۔ جب اجر کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ فطرت محجوب ہو جاتی ہے۔ اور ترقی رک جاتی ہے۔ عدل میں کوئی خیال اجر اور عوض معاوضہ نہیں ہے۔ یہ تو نفسانیت ہی کی مقتضی ہے۔ بلکہ وہ ایسا فعل ہے۔ جو ان خیالات سے بالکل بے تعلق ہے۔ عدل میں کسی کے فائدے یا نقصان کا خیال مطلق نہیں ہوتا۔ اس سے کسی کو فائدہ ہو۔ یا نقصان ہو۔ عدل ان جذبات سے بالکل معرا ہے۔ البتہ احسان میں یہ جذبہ ہے۔ کہ بندگان خدا کو اس نعمت سے فائدہ ہو۔ جو اللہ تعالےٰ کسی کو عطا فرماتا ہے۔

ہم بیان کر چکے ہیں۔ کہ ہر ایک شئے جو آسمانوں اور زمین اور ما فیہا میں ہے فطرتاً وہی کام کر رہی ہے۔ جس کے واسطے وہ مخلوق ہوئی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے دیگر اشیاء سے ممتاز درجہ اس اختیار میں دیا ہے۔ جو بوجہ علم اس کو حاصل ہے۔ اس لئے یا تو وہ شاکر ہوتا ہے۔ یا کافر۔ شاکر تو وہ ہے۔ جو بہ تقاضائے فطرت حکم بردار ہے۔ اور کافر وہ ہے۔ جو باتباع نفسانیت حکم عدولی کرتا ہے۔ حکم

برداری تو عدل کے مناسب ہے - اور اس حکم برداری میں جو ترقی کسی انسان کو حاصل ہوتی ہے - وہ بہ تقاضائے فطرت دیگر بندگان خدا کو اس سے بہرہ ور ہونے کی دعوت دیتا ہے - اسے احسان کہتے ہیں - اور جب اس میں جذبہ مودۃ القربیٰ ہو - تو فطرت کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے - اور اس تقاضا کا منشاء یہ ہے - کہ بنی نوع انسان وہ ترقی کرے - جس کی شان الیٰ ربک المنتہیٰ ہے -

مودۃ القربیٰ فطری ہیں ہے

قل لا اسئلکم علیہ اجراً ان ھو الا ذکریٰ للعلمین" ۱۷/۶

کہ دو میں اس پر تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتا - یہ تو دنیا جہاں کے لوگوں کے لئے ذکر ہے -

قل ما اسئلکم علیہ من اجر الا من شاء ان یتخذ الی ربہ سبیلا ۱۹/۴

ترجمہ - کہ دو - میں تم سے اس پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا - ہاں جو چاہے اپنے پروردگار تک پہنچنے کا راستہ اختیار کرے

قل لا اسئلکم علیہ اجراً الا المودۃ القربیٰ ۲۵/۴

ترجمہ - کہ دو - میں تم سے اس پر کچھ مزدوری نہیں مانگتا - مگر قرابت داری کی محبت (جو فطرت سے ہر ایک انسان کو ہے)

فطرت انسانی ایک ہی ہے - اور اس کا تقاضا بھی ایک ہی ہے - اور یہ ایسا رستہ ہے - جو بنی نوع انسان میں اللہ تعالے نے باندھ رکھا ہے - کہ اس قرابت داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو کچھ انسان کر سکتا ہے - وہ وہی تقاضائے اخوت ہے - جس پر بحث ہم نے گذشتہ سال (دیکھو ۳ دسمبر

۱۹۲۴ء کی تھی۔ اور حریت و مساوات کا مفہوم واضح کیا تھا۔
کیا جماعت احمدیہ اب بھی حریت و مساوات کو اصول اسلام میں داخل ہونے کی اجازت نہ دیگی۔ حریت و مساوات کا یہ مفہوم ہے۔ کہ فطرت انسانی کے لئے نفسانیت روک نہ ہو۔ ترقی کا راستہ کھلا ہو۔ ہر ایک شخص بہ تقاضائے فطرت جو چاہے۔ کرے۔ اور نفسانیت اس کی سدراہ نہ ہو۔ بنی نوع میں جذبہ مودۃ القربے ہو۔ اخوت ہو۔ عالمگیر امن ہو۔ یہ لین دین اور عوض معاوضہ کا خیال کیا بیہودہ ہے۔

دو لاجواب مثالیں

حریت و مساوات کا مفہوم واضح کرنے کے لئے ہم نے دو مثالیں کی تھیں۔ ایک تو بہت چبھتی ہوئی تھی۔ اس لئے مولوی فاضل صاحب نے عادتاً نظر انداز کی۔ اور بامعنی خموشی سے تسلیم کر لیا۔ کہ لاجواب ہے۔ دوسری شراب کے متعلق تھی۔ صاحب ممدوح اس اصل اصول سے اتفاق کرتے ہوئے کہ "جو فعل ایک شخص سے سرزد ہونا جرم ہے۔ تو وہی فعل انہی حالات میں دوسرے کے لئے بھی جرم ہے"۔ لکھتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ چونکہ نامسلمان ہے۔ اور شراب نوشی اور کشیدگی دونو کو جائز سمجھتی ہے۔ اس لئے جس امر کو وہ جائز سمجھتی ہے۔ بند نہیں کر سکتی۔" شراب کشید کرنا کس لئے بند کرتی ہے۔

جماعت احمدیہ گورنمنٹ کو مجرم قرار دیتی ہے

اصل اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے مولوی فاضل صاحب تسلیم کرتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ جب کشید کرنا جرم قرار دیتی ہے۔ اور خود کشید کرتی ہے۔ تو جرم کی مرتکب ہو رہی ہے۔ مگر ساتھ ہی گورنمنٹ کا شکریہ بھی ادا کرتے ہیں۔ کہ اگر اسے جرم قرار نہ دے۔ تو اس سے اور شراب نوشی پھیلتی ہے"۔ یہ استدلال خندہ آفرینی کی اپنی آپ مثال ہے۔ اگر گورنمنٹ نوشیدن اور کشیدن دونو امور کو جائز سمجھتی ہے۔

تو ایک کی اجازت اور دوسری کی بندش کے بھی کچھ وجوہ ہیں۔ اور وہ واضح ہیں۔ بہرحال یہ ایک مثال تھی۔ اور صاحب ممدوح نے اس میں بھی شکرہ یہ کا ایک پہلو نکال ہی لیا۔ اس پر بحث تحصیل حاصل ہے۔

جماعت احمدیہ گورنمنٹ کا حق حکومت تسلیم نہیں کرتی

مرزا صاحب ممدوح نے دول یورپ کی نسبت لکھا تھا۔ کہ ان کا دعوےٰ ہے۔ کہ ان کا قبضہ غیر اقوام اور غیر ممالک پر انہی کے فائدے کیلئے ہے۔" ہم نے آیات بینات سے اصول حکومت واضح کیئے۔ اور لکھا۔ کہ بروئے اسلام حکومت سرپرستی کے ہم معنی ہے۔ اور سرپرستی اسی حد تک جائز ہے۔ جب تک فہم انسانی بالغ نہ ہو۔ جیسا کہ یتیمی کی مثال ہے۔ کہ ان کی ذات اور مال کی حفاظت ان لوگوں کے سپرد ہوتی ہے۔ جو اس کے اہل ہوں۔ جب وہ بالغ اور عاقل ہو جاتے ہیں۔ تو حکم الٰہی یہ ہے۔ کہ ان کے اموال انہیں واپس کردو۔ اور جب تک سرپرستی ہے۔ امانت میں خیانت نہ کرو۔ ان کے اموال میں اسراف نہ کرو۔ خورد برد نہ کرو۔ اور دریافت کیا تھا۔ کہ کیا یورپ اسی دستور العمل پر کاربند ہے۔ جس کی تشریح آیات میں کی گئی ہے۔ اس کا جواب مولوی فاضل صاحب یہ دیتے ہیں۔ کہ کیا ہندوستان اس پر پورے طور سے کاربند ہے۔" اگر کسی سرپرست کو یہ کہا جائے۔ کہ اس دستور العمل کی پابندی لازمی ہے۔ اور وہ یہ کہے۔ کہ کیا یتیم اس پر پورے طور سے کاربند ہے۔ تو اس جواب کی لطافت کو مولوی فاضل صاحب ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے بعد صاحب ممدوح لکھتے ہیں۔ کہ ممالک یورپ میں ہم ہزار ہا روپیہ اسی کام کے لئے صرف کر رہے ہیں۔ کہ ان لوگوں کو قرآن مجید کی تعلیم پر چلایا جائے۔" تو کار زمین را نکو ساختی۔ جب آپ تسلیم کرتے ہیں کہ حکومت اصول فطرت کے مطابق نہیں۔ اور اپنے آپکو اسقدر فہیم و عقیل سمجھتے ہیں۔ کہ حکومت کو بھی سبق حکومت دیتے ہیں۔ تو یہ سرپرستی کس حد تک جائز ہے؟

مولوی فاضل صاحب نے ہماری چنگیرہ دہ مثالوں پر جو کچھ لکھا ہے۔ وہ اہل تحقیق

کی توجہ کے قابل ہیں، اگر ہم چاہتے۔ تو ایسے الفاظ میں مضحکہ اڑاتے۔ اور اس کی تار و پود بکھیر کر رکھ دیتے۔ جو اس استدلال کے مناسب ہے۔ مگر یہ امر نہایت ناپسندیدہ ہے۔ ہم مولوی فاضل صاحب کو مشورہ دیتے ہیں۔ کہ وہی بات کہو۔ جو تمہارے دل میں ہے "کونوا قوامین للہ شہداء بالقسط" کیا قرآن دانی کا یہی مفہوم ہے۔ کہ دل میں کچھ ہو۔ اور زبان قلم پر کچھ اور۔ آپ تسلیم کرتے ہیں۔ کہ گورنمنٹ شراب کشید کرنے میں ایک جرم کی مرتکب ہو رہی ہے۔ گورنمنٹ کو بر دئے اسلام کوئی حق حکومت نہیں ہے۔ اس پر ہم آپ کو بغاوت کا حامی قرار نہیں دیتے۔ بلکہ یہ سمجھتے ہیں۔ کہ آپ نیک نیتی سے گورنمنٹ کے طرز عمل پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ اور مدعا اصلاح ہے۔ اس لئے بحیثیت مسلمان آپ سے توقع ہے۔ کہ "تعاونوا علی البر والتقوی، ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان۔ اتقوا اللہ۔ ان اللہ شدید العقاب"

نیم رخ اور مستقبل

مولوی فاضل صاحب نے عدم مساوات کی چند مثالیں پیش کی ہیں۔ کہ مکمل مساوات ہر ایک بات میں نہیں، احکام میں بھی خداتعالےٰ نے مساوات نہیں رکھی، رسل کے درمیان بھی مساوات نہیں، عورت اور مرد میں بھی بلحاظ گواہی کے مساوات نہیں، اولی الامر اور رعایا میں بھی مساوات نہیں، بعض حدود میں بھی مساوات نہیں، عورت اور مرد کے حقوق میں بھی مساوات نہیں۔ اس موضوع پر ہم مفصل بحث کر چکے ہیں۔ کہ یہ لوگ تصویر کا ایک ہی رخ دیکھتے ہیں۔ جبرہ پرداز جہاں نے کسی شئے کو نیم رخ خلق نہیں کیا۔ یہ احولی کا نتیجہ ہے۔ کہ انسان کوتہ نظری سے مساوات میں عدم مساوات دیکھتا ہے۔

اقامت وسفر اور حکم مساوات

فاضل صاحب فرماتے ہیں۔ کہ اہل مکہ کیلئے قربانی لازمی نہیں لیکن باہر سے آنے والوں کے لئے ضروری ہے۔ قرآن مجید کا ایسا منشا ہرگز نہیں ہے۔ "ذالک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام" میں "ذالک" کا اشارہ حج کے ساتھ عمرہ کرنے یعنی تمتع بالعمرہ کیطرف ہے۔ بیرونجات کے لوگ بار بار نہیں آسکتے تھے۔ اس لئے قرآن مجید انکو

ضرور تاً حج کے ساتھ عمرہ کر لینے کی اجازت دیتا ہے۔ بشرطیکہ وہ اتباع وہم سے ایسا نہ
کریں۔ اور اسی لئے ان پر بار ڈالتا ہے۔ کہ وہ ہدی دیکر ایسا کریں۔ یا دو دفعہ کر کے
دس روزے رکھ لیں۔ برعکس اس کے اہل مکہ چونکہ مکہ میں ہی رہتے ہیں۔ وہ
دوسرے مناسب مواقع پر عمرہ بجا لا سکتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالی تاکیداً فرماتا ہے
کہ حج کے ساتھ ہی ملا کر عمرہ کر لے کی اجازت مکہ والوں کے لئے نہیں ہے۔ وہ
ایسا ہر گز نہ کیا کریں۔ اب فاضل صاحب ہی بتلاویں۔ کہ اس میں عدم مساوات کا
کون سا دخل ہے۔ کیا مناسب حالات کے ماتحت کام کرنا بھی عدم مساوات کو چاہتا
ہے مولوی فاضل صاحب نے آیات کا مقدمہ ہی بدل دیا۔

فضل امانت ہے۔ اور بندگان خدا مستحق ہیں

انبیاء اور رسل میں مساوات تو ہر ایک مسلمان کا ایمان ہے "لا تفرق بین احد
منہم" ہم تو ان میں تفریق نہیں کرتے۔ مولوی فاضل صاحب کا اختیار ہے۔ فضیلت
کا مفہوم جیسا کہ ہم واضح کر چکے ہیں۔ عدم مساوات نہیں ہے۔ فضیلت مساوات میں ہے۔
فضل اللہ تعالی کی طرف سے ہے۔ اور اس کا مفہوم یہ ہے۔ کہ اہل فضل بندگان خدا کو اس
سے بہرہ ور بنائیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کرتے۔ تو فرعون اور نمرود بنجاتے ہیں۔ شاکرین کا
اطلاق ان پر نہیں ہوتا۔ انبیا اور رسل اس خدمت کو جو ان کے سپرد ہوتی ہے۔ بوجہ
احسن انجام دیتے ہیں۔ تاکہ سب اس فضل میں یکساں شامل ہوں۔ وہ کسی سے بخل نہیں کرتے۔

بہ حیثیت مجموعی عورت اور مرد کے حقوق مساوی ہیں

عورت اور مرد کے حقوق پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ کہ مرد سے عورت کا حق نصف ہے۔ مگر
نصف کی کمی اس ذمہ داری میں پوری ہو جاتی ہے۔ جو مرد پر عائد کی گئی ہے۔ کہ مرد عورت
کی ذات کا محافظ اور اخراجات کا کفیل ہوتا ہے۔ اور یہی حکمت لونڈی اور آزاد عورت
کی سزا میں ہے۔ کہ لونڈی کے ضعف کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی سزا آزاد عورت سے
نصف ہے۔ اگر ایسی صورت نہ ہوتی۔ تو مفہوم عدم مساوات ہوتا۔ مگر مولوی فاضل صاحب کا
استدلال عجیب ہے۔ کہ مساوات کو عدم مساوات سمجھتے ہیں۔

ایک نامعقول مثال پیش کی گئی ہے

کسی افواہ کو جو امن اور خوف کے متعلق ہو۔ اگر عوام کو شہرت دینے سے منع کیا گیا ہے۔ اور یہ حکم ہے۔ اولی الامر کو فوراً مطلع کرنا چاہئے۔ تو اس کا یہ مفہوم ہے کہ ایسی افواہ کی تحقیقات کی جائے۔ عوام تحقیقات کے اہل نہیں ہوتے۔ جتنے منہ اتنی باتیں۔ صداقت کا پتہ چہ می گوئی ؛ میں نہیں ملتا۔ اگر اس کا یہ مفہوم ہو۔ کہ عوام نہیں۔ بلکہ اولی الامر افواہ اڑانے کا حق رکھتے ہیں۔ تو عدم مساوات ہے۔ یہ حکم تو افواہ کا سد باب ہے۔ اور تحقیقات سے یہ سراغ نکالنا ہے۔ کہ کون افواہ اڑاتا ہے۔ اور اس کی اصلیت کیا ہے؟ اس میں کیا عدم مساوات ہے۔ مولوی فاضل کی کاوش قابل رحم ہے

خدا عادل ہے۔ عدالت ما رذات ہے

اسی طرح قتل مومن کی مثال ہے۔ جس پر ہم بحث کر چکے ہیں۔ اور مولوی فاضل صاحب حالات کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں۔ اس لئے ہم دریافت کرتے ہیں۔ کہ قتل مومن کی سزا کل حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے یکساں ہے یا نہیں؟ نظر میں وسعت پیدا کرو۔ احکام کی حکمت معلوم کرو۔ پھر اصول حریت و مساوات واضح ہو جائینگے۔ احکام الٰہی کی نسبت یہ دعوے کہ ان میں عدم مساوات ہے۔ نہایت قبیح خیال فاسد ہے

مولوی فاضل صاحب بحث کے اہل نہیں

ہم نے مرزا صاحب ممدوح اور مولوی فاضل صاحب کی تمام باتوں کا جواب دیا ہے۔ کیونکہ سب اسی قابل تھیں۔ یہ کہنا۔ کہ ہم نے عورت اور مرد کے حقوق میں عدم مساوات کا جواب نہیں دیا۔ صحیح نہیں ہے۔ ہم واضح کر چکے ہیں۔ کہ قدرتاً جو ضعیف ہے اس کے لئے قوی کی سرپرستی کی ضرورت ہے۔ اور یہ قوی پر ذمہ داری کا بوجھ ہے اور مساوات کا مفہوم ہے۔ اس لئے عورت جو صنف ضعیف ہے۔ ولی کی حاجتمند ہے یتیم نابالغ کے لئے ولی کی ضرورت ہے۔ نفلی روزہ کے متعلق جو کچھ ہم نے کہا۔ اس کا جواب نہ تو میاں صاحب اور نہ آپ نے دیا۔

تعدد ازدواج کی نسبت چیلنج دیا گیا تھا۔ جسکو مولوی فاضل صاحب منظور کرتے ہیں

بحث حریت و مساوات کے متعلق ہے۔ اور انہی اصول پر بحث ہونی چاہیئے۔ لیکن ہم افسوس سے اس امر کا اظہار کرتے ہیں۔ کہ مولوی صاحب اس بحث کے اہل نہیں۔ مولوی صاحب مرزا صاحب ممدوح کے مرید ہیں۔ اور تقلیداً وہ ہر ایک بات میں اپنے حضرت صاحب کی تائید کرتے ہیں۔ تحقیق سے کچھ سروکار نہیں۔ چونکہ وہ حضرت صاحب کو معصوم عن الخطا سمجھتے ہیں۔ اور خوش اعتقادی میں بھی مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے ساتھ کج بحثی میں الجھنا نہیں چاہتے۔

مخالف و موافق کل مضامین یکجا شائع ہوں۔

اگر ہمیں خدا نے توفیق دی۔ تو ان تمام مضامین کو طالبان حق کے فائدہ کے لئے یکجا شائع کر دینگے۔ جو الفضل اور وکیل کے صفحات پر وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ کیلئے بھی یہی مناسب ہے۔ کہ تصویر کے دونو رخ پیش کریں۔ یہ نہایت نامناسب ہے۔ کہ یکطرفہ کارروائی کیجائے۔ اس موضوع پر کافی بحث ہو چکی ہے اور ابھی بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن دنیا میں صرف ہم ہی اس کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ وہ وقت آرہا ہے۔ کہ فریق مخالف کی تحریر کا مطالعہ تضیع اوقات سمجھا جائیگا۔ لیکن ہمارے مضامین بھی معقول نکتہ چینی ہوگی۔ مگر اصول جو ہم وضع کر چکے ہیں۔ فطری ہیں۔ انہیں کوئی بدل نہیں سکتا۔ ان میں تغیر کی گنجائش نہیں ہے

خاتمہ بالخیر

آخر میں ہم جماعت احمدیہ کے جذبات خوش اعتقادی کا احترام کرتے ہوئے ان الفاظ کے لئے معافی مانگتے ہیں جنہیں وہ درشت کلامی سے تعبیر کرتے ہیں۔ جو کچھ ہماری نسبت کہا گیا ہے۔ ہم اس سے بدتر ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ سے بہتری کی امید کرتے ہیں۔ "رب زدنی علماً"